

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَذَا كِتَابٌ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ

یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک (الجاثیہ)

اُرُو زبان میں قرآن پاک کی ضخیم ترین مستند تفسیر

مولانا محمد امین

بحر العلوم علامہ سید امیر علی طبع آبادی

۵۱۳۳۶
۶۱۹۱۹

۵۱۲۶۲
۶۱۸۵۸

پارہ ۱۰

مکتبہ رشیدیہ ملتان

۱-۳۲ شاہ عالم مارکیٹ - لاہور

شعری
الجزیرہ

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ

اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاکھو

شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
چیز تو اللہ کو اسلے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیم کے اور محتاج کے اور مسافر کے

أَنَّ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ
اگر تم یقین لائے ہو اللہ کی اور اس چیز پر جو تم نے اناری اپنے بند پر جس دن فیصلہ ہوا

التَّقَىٰ لِمَنْ تَمَخَّرَ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

بھڑن دو تو ہیں اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر من مقامات و فوائد میں ابتداً اول جو مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر لکھا ہے لانا ہوں تاکہ فوائد کے سمجھنے میں وقت نہ ہو۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل اس غنیمت کی بیان فرمائی جو اس آیت کے لئے مخصوص صلا فرمائی ہے۔ بقولہ۔ وَأَعْلَمُوا
أَنَّمَا غَنِمْتُمْ اور جان لو تم یہ بات کہ وہ چیز جو غنیمت حاصل کی تم نے یعنی کافروں سے اس کو قبضہ و غلبہ لیا مِّنْ شَيْءٍ
کوئی چیز جو چھوٹی یا بڑی حتیٰ کہ سوئی لک۔ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ تو حکم اس کا یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی واسطے ہو اسکی
بات جو چاہے حکم فرما دیگا۔ وَلِلرَّسُولِ یعنی محمد صلعم کے واسطے۔ وَالذِّي الْقُرْبَىٰ اور قرابت داروں کے واسطے
یعنی نبوہاشم و بنوالمطلب کے قرابتی آنحضرت صلعم کے وَالْيَتَامَىٰ اور یتیموں کے واسطے یعنی مسلمانوں کے ایسے لڑکے جن کے
باپ مر گئے ہیں لادے فقیر محتاج ہیں وَالْمَسْكِينِ اور مسکینوں کے واسطے یعنی مسلمانوں میں سے محتاج لوگوں کے واسطے
وَابْنِ السَّبِيلِ اور مسافر کے واسطے یعنی مسلمانوں میں سے جو کوئی اپنے سفر میں منقطع ہو کہ اسکے پاس کچھ راہ خراج نہ ہو اگرچہ اسکے
گھر میں اسکا مال موجود ہو حاصل یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم و قرابتی یتیم و مسکین و مسافر مستحق
ہیں چنانچہ ہر ایک قسم کو پانچویں کا پانچواں حصہ آنحضرت صلعم ہائے تھے اور غنیمت کے باقی چار پانچویں حصہ غنیمت حاصل کرنے والوں
یعنی غازیوں کو ملیں گے اور ان میں پیادہ و سوار کا حصہ جیسا کہ فقہ میں مفصل مذکور ہے لگایا جاوے گا۔ اس میں چند مقامات ہیں اول
یہ کہ قولہ انما ہوت ان و ما موصولہ ہے اور قیاس یہ تھا کہ جدا کر کے ان کو لکھا جائے لیکن مصحف امام میں اسی طرح موصول پایا گیا ہے۔ دوم
یہ کہ غنیمت و فی میں بعض کے نزدیک فرق ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔ قرطبی نے اتفاق ذکر کیا کہ قولہ انما غنمتم سے وہ مال کفار
مراو ہے کہ مسلمانوں نے قبضہ و غلبہ سے فتح پا کر حاصل کیا ہو اور لغت اس تخصیص کو مقتضی نہیں و لیکن عرف شرع میں اسی قسم کے
مال کو غنیمت کہتے ہیں۔ قال الحافظ ہمیں غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے باسباب انجیل و الرکاب لیا گیا ہو اور فی وہ ہے جو
کافروں سے سوائے اس طور مذکور کے حاصل ہو ہو جسے اموال صلح یا وہ اموال جسکو کوئی ذمی کافر و ارباب چھوڑا ہو اور اموال جزیرہ خراج
وغیرہ میں ایک جماعت علماء سلف و خلف کا قول ہے اور بعض علماء غنیمت و فی میں کچھ فرق نہیں کرتے اسی واسطے قولہ تعالیٰ ما انفال اللہ

۱۰
۸
۸

علی رسولہ من اہل القرئی فلتد وللرسول ولذی القربی الآیۃ من قوادیمہ اللہ لے کہا کہ وہ اسی آیت الانفال سے منسوخ ہو کیونکہ فی ذہنیت میں فرقی نہیں اور غنیمت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تقسیم فرمایا کہ پانچ حصہ کے چار حصہ مجاہدین کو اور ایک حصہ آنحضرت صلعم و چاروں اصناف باقیہ مذکورہ کو دیا جاوے۔ قال الحافظ یہ قول بعید ہو کیونکہ یہ آیت بعد واقعہ بدر کے نازل ہوئی قلت ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ فافہم۔ اور آیت الفی واقعہ نبی النضیر میں اتری اور علماء متفق ہیں کہ نبی النضیر کا واقعہ بعد بدر کے ہوا ہے لہذا شیخ نہیں ہو سکتا۔ پس یہ حکم جو بیان مذکور ہے فی کانہیں بلکہ غنیمت کا ہر اور جن علماء کے نزدیک یہ سب نام المسلمین کی رائے کے سپرد ہو ان کے نزدیک آیت الفی میں اور بیان کے پانچ حصہ کرنے میں کچھ منافات نہیں ہو کیونکہ امام کو اختیار ہو اور یہی امام مالک کا قول ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فی وغنیمت سب آنحضرت صلعم کے واسطے ہو اور وہ غازیوں میں مقسومہ نہیں ہو اور یہی اختیار آپ کے بعد مسلمانوں کے امام کو ہو اور ماوردی رحمہ اللہ نے اسکو بہت سے مالکیہ سے نقل کیا اور حجت ان کی فتح مکہ و حنین کا واقعہ ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلعم نے مکہ بزور شمشیر فتح کیا اور مال غنیمت بطور احسان انھیں لوگوں کو بھیر دیا نہ بانٹا نہ فی کیا۔ قرطبی نے فرمایا کہ علماء میں فتح مکہ کی بابت اختلاف ہے کہ بزور شمشیر تھا یا صلح پس اس سے حجت نہیں ہو سکتی۔ اور ہاشمیں تو اس میں انصار کو فرمایا کہ کیا تم لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ یہ لوگ دنیا بجاوین اور تم لوگ رسول اللہ کو اپنے گھروں کو لجاؤ پس ایسا فرمانا آنحضرت صلعم کے واسطے مخصوص ہے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا لہذا یہ حجت بھی ساقط ہو پس جمہور کا قول اصح ہے کہ غنیمت کے چار پانچویں حصہ غازیوں میں مقسومہ تھے ہیں چنانچہ ابن ہند و ابن عبد البر والدر اور دی و المازری و قاضی عیاض ابن العری نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ سو تم یہ کہ قولہ من شئ بیان ما موصولہ بطور تاکید ہے حتیٰ کہ سوئی و ڈورے تک پانچ حصہ کرنے میں شامل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ یہ کہ پانچ حصہ کرنے کے بعد پانچویں حصہ میں جو تفصیل مذکور ہے بقولہ فان اللہ خمسہ الخ اس میں بھی مفسرین نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ اس پانچویں میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا بھی نکالا جائے اور وہ خانہ کعبہ میں صرف کیا جائے چنانچہ ابو العالیہ ج نے مرسل روایت کی جس میں ہے کہ غنیمت میں سے آنحضرت صلعم ایک لپ بھر لیکر خانہ کعبہ کے واسطے قرار دیتے اور وہی سهم اللہ تعالیٰ ہے۔ و علی ہذا یہ حصہ دیگر حصص کے مساوی نہ ہوگا لہذا صحیح جمہور علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بیان تبرک کے واسطے آیا ہے۔ اور حصہ قرار دینا آنحضرت صلعم سے شروع ہوگا چنانچہ ابن عباس سے روایت ہے کہ جو غنیمت آتی اس کو آپ پانچ حصہ کر کے پانچویں کے پھر پانچ حصہ فرماتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی آیت پر ہی داخلہ انما غنیمت الخ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے تمام آسمان و زمین ہو پس اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کا حصہ ایک ہی ہے اور ایسا ہی ابراہیم نخی و حسن بصری و شعبی و ایک جماعت علماء کا قول ہے عبد اللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے غنیمت کو پوچھا تو فرمایا کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے واسطے اور باقی چار پانچویں حصہ اہل لشکر کے واسطے ہیں الحدیث رواہ البیہقی باسناد صحیح بخبرم یہ کہ حصہ رسول میں اختلاف ہے پس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے علی بن ابی طلحہ کی روایت میں ہے کہ جو حصہ اللہ و رسول کے واسطے ہو وہ آنحضرت صلعم کے قرابتیوں کا ہے اور آنحضرت صلعم نے پانچویں حصہ میں سے کچھ نہیں لیا۔ ابن ابی حاتم نے عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کی کہ جو حصہ اللہ تعالیٰ کے واسطے تھا۔ وہ اس کے نبی کا ہے۔ اور جو حصہ نبی صلعم کا تھا وہ آپ کی ازواج کے واسطے ہو اور امام احمد نے عبادہ ابن صامت و ابوالدرداء و حارث ابن معاویہ الکندی سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے مال غنیمت کے ایک اونٹ کی آڑ میں نماز پڑھی اور سلام پھیر کر چمکی سے اس کے کچھ بال نوچے اور منہ پر لایا

کہ یہ بھی تمھارے مال قیمت سے ہے اور امین میرا سوا ہے پانچویں حصہ کے کچھ حق نہیں ہو وہ پانچواں بھی تمہیں پر پھیرا گیا پس تم لوگ سوئی
 دوڑو اور اس سے بڑا چھوٹا جو کچھ ہو قیمت کے ڈھیر میں ڈالو کہ ظول مست کرو کیونکہ غلول اپنے کر نیوالوں پر دنیا و آخرت میں
 عار و آگ ہے اور اللہ کی راہ میں کافروں سے خواہ قریب ہوں یا دور ہوں جہاد کرو اور کسی ملامت کر نیوالے کی بات کو اللہ تعالیٰ نے
 کی راہ میں پرواہ مت کرو اور جو حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ان کو حضور و سفر میں ٹھیک قائم رکھو۔ اور راہ آہی میں جہاد کرو
 کیونکہ جنت کے دروازوں میں سے وہ بڑا دروازہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہم و نعم دور کرتا ہے۔ قال الحافظ جہاد حدیث حسن
 عظیم و قد روی الامام احمد و ابو داؤد و النسائی بخوہ اور ابو داؤد و النسائی نے عمرو بن عتبہ کی حدیث میں بھی حصہ آنحضرت صلعم کا قوم
 پر پھیرا جانے کا روایت کیا ہے اور نبی صلعم کو اختیار تھا کہ مال قیمت سے کوئی غلام یا باندی یا گھوڑا یا تلوار وغیرہ اپنے واسطے چھانٹ لیں
 کما نص علیہ محمد بن سیرین و عامر الشعبي و تبعہما اکثر العلماء چنانچہ ذوالفقار کو اپنے غنائم بدر میں سے چھانٹ لیا تھا۔ قال الحافظ
 یہ بات تو چند جید احادیث سے ثابت ہے لہذا اکثر علماء نے اس کو آنحضرت صلعم کے خصائص سے قرار دیا ہے اور بعضوں نے کہا
 کہ حصہ ششم میں امام کو مسلمانوں کی صلحت و بیکر مال فی کے مانند تصرف کرنے کا اختیار ہے۔ اور ہمارے شیخ تقی الدین رحم
 نے کہا کہ ہی امام مالک و اکثر علماء سلف کا قول اور ہی سب قول میں اصح ہے واللہ اعلم ششم یہ کہ جو حصہ آنحضرت صلعم کو واسطے
 تھا وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کیا ہوگا۔ قال الحافظ امین بھی اختلاف ہے بعض نے کہا کہ جو آپ کے بعد متولی خلافت ہو
 اسکو ملے گا اور ہی حضرت ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما و تادہ ایک جماعت سے مروی ہے اور امین ایک حدیث مرفوعہ بھی آئی ہے اور
 بعض نے کہا کہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کیا جائے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ باقی چاروں اقسام یعنی ذوی القربی و یتامی و
 مساکین و ابن السبیل پر پھیر دیا جائے اور اسی کو شیخ ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور بعض علماء نے کہا کہ نبی صلعم اور ذوی القربی
 کے دونوں حصے یتامی اور مساکین و ابن السبیل پر لوٹا کر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ شیخ ابن جریر نے کہا کہ علماء عراق میں سے ایک
 جماعت کا یہی قول ہے قلت اور یہی قول ابو حنیفہ رحمہ کا ہے اور واضح ہو کہ یہاں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ پورا پانچواں حصہ ذوی القربی
 کا ہے جیسا کہ ابن جریر نے عبد اللہ بن محمد بن علی اور علی بن الحسین بن علی سے روایت کیا اور حسن بن محمد بن علی سے روایت
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ نے آپ کے حصہ اور ذوی القربی کے حصہ میں اختلاف کیا اور آخر
 ان لوگوں کی رائے اس امر پر متفق ہوئی کہ یہ دونوں حصہ فی سبیل اللہ تعالیٰ گھوڑے اور لڑائی کے سامان خریدنے میں صرف کئے
 جائیں پس حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں یہی ہوتا رہا اعمش نے ابومعمر سے بھی یہی روایت کیا اور کہا کہ میں نے ابراہیم
 سے پوچھا کہ علی رضی اللہ عنہ امین کیا کہتے تھے تو کہا کہ وہ اس ہتمام میں زیادہ تشدد کرتے تھے۔ قال امین کثیر اور ہی علماء میں سے
 بڑے گروہ کا قول ہے۔ مفسر ششم یہ کہ ذوی القربی سے کیا مراد ہو پس اوپر اشارہ کرنا کہ آنحضرت صلعم کے بعد خلیفہ کی قرابت
 والے لئے جاوین گئے اور اصح یہ ہے کہ ہر حال میں رسول اللہ صلعم کے اہل قرابت مراد ہیں مگر ان میں سے عبد شمس جو نفل کی اولاد کو
 نہ دیا جائے گا بلکہ ششم اور مطلب کی اولاد اسکی مستحق ہے اگرچہ یہ چاروں عبد منان کے بیٹے ہیں لیکن بنو ہاشم و بنو مطلب
 زمانہ جاہلیت و اسلام میں آپس میں متفق نہ ہوئے تھے چنانچہ فتح خیبر کے پانچویں حصہ میں سے آنحضرت صلعم نے بنو ہاشم و بنو مطلب
 کو حصہ دیا اور حمیر بن طعم جو نفل کی اولاد سے تھے اور عثمان بن عفان جو عبد شمس کی اولاد سے تھے دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

صلحہ قیمت ذوی القربی

و مسلم کے پاس گئے جبیر نے روایت کی کہ ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ اپنے بنو مطلب کو دیا اور ہم کو چھوڑا حالانکہ ہم اور وہ آپ کے ساتھ
 برابر ہیں فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب دونوں ایک ہی ہیں واحدیت فی صحیح مسلم اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور مجاہد سے روایت ہے کہ وہ
 فقط بنی ہاشم ہیں اور بعض نے کہا کہ سب قریش لے لے ہیں۔ بخیر حوری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ ذوی القربی کون لوگ ہیں۔ تو
 ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہم کہتے ہیں کہ ہاشم ہیں لیکن ہماری قوم لے انکار کیا اور کہا کہ سب قریش قرابتی ہیں۔ واحدیت رواہ
 مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و عن حکیم بن عبد بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کے
 ہاتھوں کی دھوون سے تمہارے منہ پھیر دئے کیونکہ پانچویں حصہ میں سے جو پانچواں تم کو ملتا ہے وہ تمہارے لئے کافی ہے رواہ ابن
 ابی حاتم و قال الحافظ حدیث حسن الاسناد و علی ہذا یہ انھیں لوگوں کے واسطے ہو گا جن کو زکوٰۃ و صدقہ حلال نہیں ہے۔ فافہم اور پہلے
 معلوم ہو چکا کہ ابو حنیفہ کے نزدیک آنحضرت صلعم کا حصہ اور ذوی القربی کا حصہ آپ کی وفات کے بعد ساقط ہو کر باقیوں کی طرف
 پھیر دیا گیا کیونکہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے غنیمت کو اسی طرح بانٹا ہے و فی الکتابین ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین نے اس بنا پر نہ فرمایا
 کہ زکوٰۃ کے مانند اس کا بھی مصرف ہو پس ایک ہی صنف کو دینا جائز ہے خصوصاً اس حالت میں کہ ذوی القربی کو انھوں نے تو انکر دیکھا اور
 ہی امام مالک کا قول ہے کہ امام غنیمت پر جب کو چاہے دیوے فافہم یہ کہ قولہ والیتامی و المساکین و ابن السبیل بعض نے کہا
 اہل قرابت ہی میں سے ایسے لوگ مراد ہیں اور یہ عطف بغرض تخصیص ہے اور جہور کے نزدیک جملہ مسلمانوں میں سے مقصود ہیں
 پھر واضح ہو کہ یتامی میں فقیر و تو انکر و دونوں داخل ہیں یا فقط فقیر مخصوص ہیں اس میں علماء کے بھی دو مختلف قول ہیں۔ کہا ذکرہ ابن کثیر
 پس حاصل یہ ہوا کہ جو غنیمت حاصل ہو اس کے پانچ حصہ کر کے چار حصہ مجاہدین کو بانٹ دئے جاویں اور ایک حصہ میں پھر
 پانچ حصہ کئے جاویں اگر امام ابو حنیفہ کے قول پر اس میں سے دو حصہ پھر یتامی و مساکین و ابن السبیل میں بکریے کر دئے جاویں گے
 لیکن چونکہ نزول آیت کے وقت رسول صلعم حیات تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے پانچواں حصہ ان پانچ حصہ تقسیم ہونے کے واسطے
 حکم دیا۔ **اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اٰمَنَّا بِكُمْ اِيْمَانًا لّٰمًا** لائے ہو اللہ تعالیٰ پر۔ **وَمَا اَنْزَلْنَا هٰذَا عَلٰی قُرْبٰنٍ اَعْطَف**
 ہے اسم اللہ تعالیٰ پر لے دیا انزلنا یعنی اس چیز پر جو ہم نے نازل فرمائی اپنے بندہ یعنی محمد صلعم پر اور وہ مرد ملائکہ و دیگر معجزات
 و آیات تھے۔ **يَوْمَ الْفُرْقٰنِ** بروز فرقان یعنی حق و باطل میں فرق کر دینے والے دن اور وہ روز بدر تھا **يَوْمَ التَّقِي**
الْجَمْعِ جس دن بھڑکی تھیں دونوں جماعتیں مسلمانوں و کافروں کی۔ جملہ شرطیہ کی جزا محذوف ہے جو سپرما قبل دلالت کرتا ہے
 لے ان کنتم آمنتم آج فاعلموا ذلک یعنی اگر تم اسی طرح ایمان لائے ہو تو غنیمت کا یہ حکم جان رکھو واللہ علی کل شیء قدير اور اسی
 میں سے یہ بات بھی ہے کہ تمہارے تھوڑے ہونے اور دشمن کے بہت ہونے کے باوجود تم کو فتح دی و بس بیضاوی رحمہ اللہ نے
 قولہ ان کنتم آمنتم باللہ آج کی جزا بدلات قولہ و اعلموا انما غنمتم کے یوں مقدر کی کہ ان کنتم آمنتم باللہ و بما انزلہ یوم الفرقان فاعلموا
 ان انفسکم لا تفسدوا الیہم یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور بروز فرقان کی آیات مثلاً پر ایمان لائے ہو تو جان لو کہ غنیمت میں سے پانچواں
 حصہ ان لوگوں کا ہے جو مذکور ہوئے پس اس پر عمل کرو کیونکہ علی حکم سے مجروحان لینا مقصود نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا مقصود ہوتا
 ہے۔ اور کئی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ و جماعت علماء تابعین سے حاکم وغیرہ نے روایت کیا کہ یوم الفرقان بروز بدر
 جس میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں فرق کر دیا اور یہ پہلا معرکہ تھا جس میں رسول اللہ صلعم ہجرت کے دوسرے سال بروز جمعہ

لہ یعنی گویا ایک ہی ہیں ۱۲

سترہویں رمضان کو بنا بر قول صحیح کے تین سو تیرہ مومنوں کی جماعت کے ساتھ کافروں سے جو ایک ہزار کے قریب تھے بدون کسی عذر و قرار داد کے بلکہ بدون اطلاع از جنگ کے بھڑے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و قدرت کاملہ سے کافروں کے ستر سے زیادہ سرکش سردار مارے گئے جنہیں عتبہ بن ربیعہ سب کا سردار و ابو جہل وغیرہ تھے اور اسی قدر قید ہوئے و کافروں نے شکست فاش کھائی اور بال غنیمت ہاتھ آیا اور سہین اختلاف ہوا اور قولہ تعالیٰ یسکو تک عن الانفال - نازل ہوا اور بعض نے کہا کہ یہ آیت یعنی قولہ واعلموا انما علمتم - اسی غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے بالجملہ یوم بدر میں عیب قائم قدری ظاہر ہوئے کہ اہل ایمان کے واسطے موجب مزید تنویر و ثبات ایقان ہیں لہذا اس حکم کی تعمیل کرنے اور برابر کمال یقین ثابت رہنے کی واسطے اس دن کا انعام یاد دلا یا۔ بقولہ

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكِبُ اسْفَلَ
مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَخِطَفْتُمْ بِالْمُيْعَدِ وَلَكِنَّ لِقَاضِي اللَّهِ أَمْرًا كَانِ

تم سے اور آپس میں اگر تم وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر لیکن اللہ کو ہے کر ڈالنا ایک کام مفعولاً لیهلک منہلک عن بئینتہ و یجی من حی عن بئینتہ وإن اللہ لسمیع علیم
جو ہو چکا تھا تارے جو مرنے سے سوچ کر اور جیوں جو جیتا ہے سوچ کر اور اللہ سنتا ہے جانتا

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا أَنْظَرْتُمْ زَمَانَ بَدَلِ اَزْیَوْمِ الْفُرْقَانِ ہوا اور وہ ظن نزول آیات تھا یعنی جبکہ تم لوگ عدوۃ الدنیا میں تھے۔ بخبر بھگت کناہ وادی و قرآۃ مشہورہ انضم اور قرآۃ ابن کثیر و ابو عمر و ابو یعقوب بالکسر ہر نو دنیا تائیت ادنی۔ عدوۃ الدنیا کناہ وادی جو مدینہ سے نزدیک تھا نسبت دوسرے کناہ وادی کے۔ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى

اور کافر لوگ عدوۃ قصوی میں تھے یعنی دوسرے کناہ وادی میں جو مدینہ سے بہ نسبت عدوۃ دنیا کے دور تھا قصوی تائیت اقصیٰ اور کبھی بقاعدت علیاس کے اسم و صفت میں تفرقہ کرنے کو قضا یا باند دنیا و علیا۔ بولتے ہیں ولکن خلاف قیاس قصوی بدون تبدیل واو ہالف کے اصل پر کثیر الاستعمال ہے۔ وَالرَّكِبُ اسْفَلَ مِنْكُمْ جملہ حال انظر ہے اور کب اسم جمع رکب یا جمع یا بمعنی مرکوب ہے اور

مراد قافلہ کے اونٹ یا سوار ہیں جو ابوسفیان کے ساتھ چالیس تھے۔ اسفل اسے فی مکان اسفل منکم منصوب بظرفیت اور بجائے نہر کے واقع ہے یعنی درجہ لیکہ اونٹ یا اسکے سوار تمہاری جگہ سے تین میل نیچے کناہ سمندر کی طرف تھے۔ اس کلام کا فائدہ یہ ہو کہ یہ معلوم ہو کہ دشمن قوی اور قافلہ سے قوی پشت تھے اور بے کھٹکے لڑائی پر تھے اور مسلمانوں کی شان بظاہر ایسی ضعیف تھی کہ عادت کی راہ سے ان کا بچنا دشوار تھا پھر غالب ہو جانا تو بہت ہی بعید تھا اور یہی بات ان کے ٹھکانے بیان کرنے میں ہے کیونکہ عدوۃ دنیا کی زمین بالکل

ریگ نرم ہے پانی تھی جس میں پاؤں گھسے جاتے تھے بخلاف عدوۃ القصوی کے۔ و علیٰ ہذا مشرکین بانی پر قافلہ تھے اور مسلمان اپنے پروردگار سے مستغنیث جیسا کہ قولہ اذ تستغیثون ربکم الایہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَخِطَفْتُمْ بِالْمُيْعَدِ

میعاد وعدہ گاہ و وقت وعدہ یعنی اگر تم اور مشرکین کسی مقام یا کسی وقت پر لڑائی کا وعدہ کرتے تو ایسی حالت میں وعدہ گاہ سے اعلان کرتے کیونکہ دن کی کثرت و اپنی قلت سے ٹکوان سے ہیبت بیٹھ جاتی اور فتح سے ایوس ہوتے پس اس کلام سے آنکو یقین دلا یا کہ فتح و نصرت ان کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حاصل ہوئی ہے۔ وَلَکِنْ جَمْعٌ بِنِکْمٍ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ تَمِنْ غَیْرِ مِعَادٍ لِّکِنْ تَمِنْ کُوْبِدِنْ مِعَادِ کَ اِیْسٰی حَالِ

پراپس میں بھڑو ادیا۔ لِيَقْضِيَ اللهُ أَمْراً كَانَ مَفْعُولاً تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام پورا کر دے جو اس کے علم میں ہو چکا ہے یا مفعول ہونے کے لائق ہے اور وہ اہل ایمان کی نصرت و فتح اور اہل کفر کی ذلت و خوارگی ہو غیرین اسحاق نے کہا کہ ملک شام و یوسفیا قالہ لے آتا تھا اور مکہ سے ابو جہل وغیرہ اس کو بھاننے کے واسطے نکلے تھے اور مقام بدر میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد بھیج رہے تھے حالانکہ یہ انکو دیکھتے تھے اور نہ وہ ان کو یہاں تک کہ دونوں طرف کے پانی لائیا لئون سے ملاقات ہوئی اور لوگ جان گئے اور قتال شروع ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کے واسطے ایسا کیا کہ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہوا یعنی دلیل واضح معائنہ کر کے وَيُخَيَّبِي مَنْ حَسَىٰ عَنْ آيَاتِنَا اور جیسا ہے جو جیسا ایسی حجت سے جسکو مشاہدہ کر لیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن اس حجت کو معائنہ کرین تاکہ پھر کچھ عذر باقی نہ رہے کیونکہ واقعہ بدر بہت کھلی نشانی تھا کہ ایسی حالت مذکورہ بالا کے باوجود مسلمانوں کو کھلی فتح اور کافروں کو فاش شکست ہوئی۔ قال البیضاوی اور شاید ہلاک ہونا کفر سے اور زندہ ہونا اسلام سے استعارہ ہو یعنی تاکہ جس سے کفر صادر ہو اور جس سے ایمان ثابت ہو اور ایک دلیل روشن معائنہ کرنے کے بعد ہو وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ سنے جانے والا ہے یعنی کافروں کی کفریہ باتوں کو سنتا اور ان کے غرور و عذاب کو جانتا ہے اور مومنوں کے استغاثہ و دعا کرنے کو سنتا اور ان کی نیت اور نواب کو جانتا ہے۔ قال البیضاوی کفر و ایمان کے اعتقادی ہونیکے باوجود بیان علم کے ساتھ سمیع بھی شاید اس واسطے جمع فرمایا کہ ہر ایک انہیں قول و اعتقاد کو شامل ہے وَفِي الْعُرَائِسِ قَوْلُهُ تَعَالَى لِيَقْضِيَ اللهُ أَمْراً كَانَ مَفْعُولاً تقدیر کی درگاہ میں تدبیر کچھ نہیں ہے جو مشیت ازلی میں ہو چکا ہے ظاہر ہوتا ہے بعض آثار میں وارد ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچانا کہ آدمی کے ارادے و ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں جعفر نے فرمایا کہ جہاں میں ہو گیا وہی اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے بعض نے کہا کہ یہ امر آبی جاری ہونا اس طرح تھا کہ دونوں فرق میں سے ہر ایک کے واسطے جو سابق علم غیب میں ہو چکا ہے وہ کھل جاوے پھر چونکہ مشیت پر نظر لڑنا علم مخلوق سے باہر ہے کہ وہ اس کو ادراک نہیں کر سکتے لہذا صورت احکام عملی میں ان کو لگایا بقولہ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا اول میں مقدر فرمایا اور آخر میں قہر و لطف کی نشانیاں اور میں قائم فرمایا اور آخر کار بازگشت اپنے مرجع اول کی طرف ہو جاتا ہے اور اس میں ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جہل و ظلم سے پاک ہے اسے بیان حکمت اور اثبات حجت کے واسطے دلائل و نشانیاں قائم کر دیں تاکہ جو ہلاک ہو وہ حکم سابق کی نشانی پر سے اور جو زندہ رہے وہ انہیں نشانیاں سے بتقدیر منور ہو جو کوئی اپنی خواہش میں ہلاک ہو اور ازلی ہلاکت ہی سے مراد جو کوئی مشاہدہ اور معرفت سے زندہ ہو اور ازلی زندگی ہی سے جیسا۔ دلائل و شریعت کا ظہور مقام امتحان کا ایک حکم ہے اور صورت امر پر حکم ازلی غالب ہو۔ کہا قال تعالیٰ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ الْآیۃ۔ بعض نے کہا کہ خلق کے واسطے نشانیاں ظاہر و قائم فرمائیں پھر ایک قوم کی آنکھیں کھول دیں جو اسکو دیکھتی ہیں اور دوسری قوم کو اس سے اندھا کر دیا پھر رسولوں و انبیوں کو پہلے نور و برہان کے ساتھ بھیجا لیکن اس کا نور بندوں میں سے وہی دیکھ سکتا ہے جسکو وہ چاہے پس تقدیر ان مقدمات کی اس واسطے کہ جو ہلاک ہو وہ بینہ و برہان دیکھ کر مرے اور جو زندہ رہے وہ مشاہدہ بینہ سے جیسے بعضوں نے کہا کسی کو حیات حاصل نہیں ہے مگر اسی کو جو اس کی یاد سے زندہ ہے اور مخلوقات تمام اپنے اپنے اسباب میں جنبش و کوشش کرتے ہیں لیکن جو ان میں سے حیات باقی زندہ ہے اس کی جنبش بقدرت ہی الیقوم ہے۔ استاد نے فرمایا کہ جو شخص درمی کے میدان میں اندھوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے وہی مردہ ہے اور جو قرب معرفت کے نور سے بینا ہو وہی حقیقت زندہ ہے پھر نعمت بنیانی قدرت یا اولیٰ بقولہ

اذیبتکم اللہ فی منامکم قلیلاً ولوا انکم کثیرا الفسلا تم و

اور جب اللہ نے دکھائی تیرے خواب میں تمہارے اور اگر تمکو بہت دکھاتا تم لوگ نامردی کرتے اور

لتنار علم فی الامر ولکن اللہ سلم انہ علیہم یدات الصدور

بجلا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے تمہاری آنکھوں میں غور سے اور تم کو غور سے دکھایا ان کی آنکھوں میں

واذیبتکم موہم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً و یقلکم فی اعینہم

اور جب تم کو دکھائی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں غور سے اور تم کو غور سے دکھایا ان کی آنکھوں میں

لیقصر اللہ امر کان مفعولاً و انالی اللہ ترجع الامور

ناکرواے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچے ہے ہر کام کی

اذیبتکم اللہ فی منامکم یاد کہ جبکہ تمکو دکھلاتا تھا اللہ تعالیٰ کافروں کو تیرے خواب میں قلیلاً تمہارے

مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو خواب میں کافر لوگ تمہارے دکھلائے اور آنحضرت صلعم نے صحابہ کو بھی خبر دی

پس اس میں ان کے قدم کی استواری تھی۔ ولوا انکم کثیرا الفسلا تم اور اگر کافروں کو بہت دکھلاتا تو ضرورت نامردی کہتے

ولکن اللہ تعالیٰ نے نامردی اور آپس کے اختلاف سے تمکو سلامت رکھا کیونکہ کافر لوگ تمکو تمہارے دکھلائے۔ انہ علیہم

یدات الصدور اسے ہائی القلوب اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ واضح ہو کہ اس آیت میں صریح دلیل ہے کہ دیکھنے دینے

وغیرہ کا جو فعل آدمی سے ثابت ہوتا ہے وہ ہمیشہ بتائیں الہی عزوجل ہے چنانچہ اسی بیانی سے کافروں کو انکی تعداد سے بہت تمہارے

دکھلایا پس اگر انسان کے افعال اپنی قدرت سے ہوتے تو ایسا کیوں ہوتا۔ واذیبتکم موہم اور یاد کرو اسے مومنو جب دکھلاتا

تھا اللہ تعالیٰ تمہیں ان کافروں کو۔ اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً جب ملاقی ہوئے تم بہت قلیل تمہاری نظروں

میں یعنی ہر بانی سے لڑائی واقع ہونے سے پہلے مومنین جب کافروں کے لشکر کو دیکھتے تو وہ ان کی نظریں تمہارے معلوم ہوتے

تاکہ یہ لوگ ان پر دلیری کریں اور عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ واللہ لوگ ہماری نظروں میں قلیل کر دئے گئے تھے

یہاں تک کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے پوچھا کہ ہمیں سزا معلوم ہوتے ہیں اسے کہا نہیں بلکہ تمہیں یہاں تک کہ جب لڑائی میں

ہم نے ایک کافر گرفتار کر کے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم لوگ ایک ہزار تھے۔ رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر و اسنادہ صحیح۔

و یقلکم فی اعینہم اور تمکو انکی نظروں میں قلیل دکھلاتا تھا یہاں تک کہ بعض بزدلوں نے لڑائی کے انکو گرفتار کر لیا اسان سمجھتے

تھے بکریہ نے فرمایا کہ ہر ایک فریق کو دوسرے پر برا بیگنہ کیا باجملہ کافروں کی نظریں اسواسطے قلیل دکھلایا کہ دسے لوگ پھر

بخاری میں کیونکہ ان کا قافلہ بگیا اور البوسفیان نے کہا بھیجا تھا کہ تم لوگ واپس جاؤ چنانچہ انفس بن شریق بنی زہرہ کو لیکر واپس

گیا اور ایسا ہی بنو عدی بھی لڑائی میں حاضر ہوئے اور باقیوں کو ابو جہل ہٹ کر کے لے آیا تھا پس قلیل سے انکو طبع دلانی تاکہ واپس

نہ جاویں اگر کہا جاوے کہ سورہ آل عمران میں فرمایا قد کان لکم آیت فی فستین التقتا فقتل فی سبیل اللہ و اخرے کافرۃ یروہم

ع

تو جواب یہ ہے کہ قلیل نظر پر ناظرانی سے پہلے تھا پھر جب دونوں جماعتیں مبعوث کیں اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے مومنوں کی مدد فرمائی تو مومنین کافروں کو ویسا ہی قلیل دیکھتے رہے اور کافروں کو مومنین دو چند نظر آنے لگے تاکہ جب کھا کر شکست و غماری پاویں لیکن پہلے کافر مومنون کو بہت کم دیکھتے تھے تاکہ مفرور ہو کر لڑائی پر آمادہ ہو جاویں۔ لیکن قضا علی اللہ امر اکان مفعولاً تاکہ پورا کونے اللہ تعالیٰ اس امر کو جس کے علم ازلی میں ہو چکا ہے۔ والی اللہ تدرجہ الامور اور اللہ ہی کی طرف جملہ امور کا مرجع ہے پس جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور بندوں کا چاہا جب اسکے خلاف ہو تو پورا ہوا گا اور اس میں تہنید ہو کہ دنیا کے جتنے کام ہیں سب میں سے وہی کام کا ہو جو تو شر آخرت ہوں بیضاوی وغیرہ نے کہا کہ نظر میں قلیل طرفین اس آیت میں بڑی نشانی ہے کیونکہ اس درجہ تک عادت کی راہ سے نظر کبھی خطا نہیں کرتی ہر پس باوجودیکہ سب شرطیں دیکھنے کی موجود تھیں لیکن دکھائی نہ دینا صرف اسی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نظر کو معطل فرمایا اور تاثیر نہیں دی لہذا جو شخص کہ کلام الہی پر ایمان رکھتا ہے وہ یقین جان لے گا کہ دیکھنا وغیرہ جتنے افعال ہیں سب اللہ تعالیٰ کی تاثیر قدرت سے ہیں کسی بندے کے اختیار میں خود نہیں ہیں اور علی ہذا اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ اُس آنکھ سے نہ زمین کی چیز نظر آوے تو ہو سکتا ہے پس قیامت میں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ مومن بندے اس کا دیدار پاک پاویں تو ان کی نظروں میں یہ قوت عطا فرماوے گا۔ فانہم یفہموا قولہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ أَقْبَلْتُمْ فَاثْبُتُوا وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فِي شَيْءٍ مِّنْهُ يَتَسَاءَلُونَ ۚ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ہمد کے آداب اور طریقہ شجاعت تعلیم فرمائی بقولہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ أَقْبَلْتُمْ فَاثْبُتُوا لفظ سے اس کا مفرور نہیں آیا ہوا اور جمع اسکی فمات ہو اور مراد یہاں جماعت کافرہ ہے۔ یعنی اسے ایمان والو جب بھڑ جاؤ تم لڑائی میں کسی کافر کو وہ سے تو ثابت قدم رہو صحیحین میں عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بعض غزوات میں جن میں دشمن سے مقابلہ ہوا منتظر رہے یہاں تک کہ جب آفتاب دھل گیا تو کھڑے ہو کر فرمایا کہ اسے لوگو دشمن سے بھڑنے کی تسامت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عاقبت لاگو لیکن جب تم ان سے بھڑ جاؤ تو صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان رکھو کہ جنت انھیں تلواروں کے سایہ تلے ہی بھر کھڑے ہو کر یہ دعانا لگی۔ اللہم منزل الكتاب وجرى السحاب ہازم الاحزاب اہزم والنصرنا علیہم۔ اور عبد اللہ بن عمرو کی روایت میں ہے کہ صبر کے ساتھ ثابت رہو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو پھر اگر کافر لوگ جنہیں چلاویں تو بھی تم خاموش رہو واہ عبد الرزاق۔ اور ہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کو بہت یعنی اُس سے فتح کی دعانا لگو۔ زید بن ارقم سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تین جگہ خاموشی پسند ہے ایک تلاوت قرآن کی وقت دوسرے ہمد میں مصفین بلانے کے وقت اور تیسرے جنازہ کے ساتھ

لعلہ اللہ تعالیٰ
تاریخ کتب اللہ تعالیٰ
بہر ان کو تیرے لے کر
لعلہ اللہ تعالیٰ
تلاوت قرآن کی وقت
دوسرے ہمد میں مصفین بلانے کے وقت
اور تیسرے جنازہ کے ساتھ

رواہ الطبرانی۔ اور دوسری حدیث مرفوعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا لہذا بندہ وہ ہے جو ہر ماہ میں بھڑ جانے کے وقت مجھے یاد کرے یعنی میری یاد و عبادت سے دعا و استغاثہ سے یہ حالت اس کو باز نہ رکھے۔ قتادہ و عطار ج سے روایت ہے کہ لڑائی کے وقت غاموشی واجب ہے۔ ابن جریر نے کہا کہ میں نے عطار سے پوچھا کہ ہر سے یاد کریں فرمایا کہ ان۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ نماز و قتال کے وقت یاد آئی بہتر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذکر اللہ کثیراً۔ **لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ** شاید تم فوز عظیم حاصل کرو اگر کہا جاوے کہ اس میں ہر حالت میں ثابت قدمی کا حکم ہے اور اس سے نکلتا ہے کہ قولہ تعالیٰ الا تحزنوا لقتال او تحیزوا لى فتمسوا بہ یعنی کسی حال میں پیٹھ پھیرنا جائز نہیں ہے تو جواب دیا گیا کہ فسوخ نہیں ہے بلکہ ثبات سے کوشش کیساتھ لڑنا مراد ہے بلکہ گو یا مقصود بدو ن تحرف و تحیز کے حال میں ہو سکتا فافتم۔ وقال البیضاوی اس میں تہیہ ہے کہ بندے کو کسی حال میں یاد آئی سے غافل نہ ہونا چاہیے بلکہ سختیوں و شدتوں کے وقت تمام دل سے فارغ البال ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اور اسی کے لطف پر بھروسہ کرے کہ وہ کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہے اور حرف لعل میں اشارہ کیا کہ باوجود ایسے افعال کے اللہ تعالیٰ پر کوئی امر واجب نہیں ہے انذا عاجزی کے ساتھ نصرت فتح کے امیدوار ہیں اور اپنے افعال سے نظر اٹھا کر اسی کے افضال پر نظر رکھیں۔ **وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کی ہر حکم میں۔ **وَكَاتَبْنَا زُرْعَةَ** اور جگر مہمت کرو جسے تم نے بدر میں پہلے مختلف امین حکالین یعنی آپس میں اختلاف مت کرو۔ **فَتَفَشَلُوا** کہ تم نامردے ہو جاؤ۔ **وَتَذْهَبْ رِجْلُكُمْ** اور تمہاری قوت و دولت جاتی رہے۔ ایک قرأت میں تذبذب بھرم ہے اور ظاہر یہ ہے کہ تفشلوا جواب نہیں ہے۔ یہ جو ہوا کے معنی میں ہے یہاں دولت و قوت کے واسطے استعارہ ہے کیونکہ احکام دولت ایسے جاری و نافذ ہوتے ہیں جیسے ہوا چلتی و نفوذ کرتی ہے۔ قتادہ و ابن زید کے قول میں یہ استعارہ نہیں بلکہ حقیقت مراد ہے کیونکہ نصرت ہمیشہ ایک ہوا سے ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ نصرت بالصبا و اہلک عاد بالدبور یعنی بچھے صبا سے فتح دی گئی اور دبور سے قوم عاد ہلاک کی گئی۔ نعمان ابن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول صلعم کے ساتھ جہاد میں حاضر ہوا ہوں پس جب آپ چڑھتے دن میں قتال نہیں کرتے تو ٹھہر جاتے تھے یہاں تک کہ آفتاب دھسل جاوے اور ہوا چلنے لگے اور نصرت نازل ہو۔ رواہ ابو داؤد۔ **حاصل آنکہ جگڑے و اختلاف سے جو زدلی کی نشانی ہے بچو۔ **وَاصْبِرُوا** اور صبر کرو دشمن سے بھڑ جانے کے وقت اور نہریت نہ اٹھاؤ۔ **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صابروں کے ساتھ ہے اور یہی اللہ کے ساتھ ہونیکے معنی ہیں بالجملہ اس آیت میں مومنوں کو صبر و ثابت قدمی کا پورے اعتقاد و یقین سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا اور اس کو ان نیک لوگوں نے اچھی طرح مانا قال ابن کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کے حکم ماننے میں اور جانبازی کرنے میں جو ہدایت حاصل تھی وہ اگلی امتوں میں سے کسی کو حاصل نہوئی اور نہ ان کے بعد والوں میں کسی کو حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ ان کی آنکھوں نے حضرت سید المرسلین صلعم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا پس ان کی اذرا ح و قلوب کو جو نور و شرف حاصل ہوا وہ نہ کبھی ممکن تھا اور نہ کبھی ممکن ہوگا۔ لہذا انھوں نے روم و فارس و ترک و سقلا بے بربر و حبش و سودان و قبیط و غیرہ تمام جہان کے لشکروں کو بخورے دنوں میں بلو جو و اپنی قلت کے مقہور کر لیا یہاں تک کہ کلمہ آئی بلند اور اس کا دین تمام دینوں پر مشرق و مغرب میں ظاہر ہو گیا اور ظلم و بد خصلتیں مٹ کر عدل و انصاف دنیا میں پھیل گیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **فِي الْعَرَالِيسِ** قولہ تعالیٰ و اصبروا ان اللہ مع الصابرين۔ صبر کا پسلا مرتبہ تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی زبردستی اپنے نفس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور یہی تکلف سے شرع پر قائم رہنے کا مقام ہے پھر جب صبر حقیقی حاصل**

ہوا تو وہ مقام تشریف ہو پس اول تو مجاہدہ ہے اور دوم مشاہدہ ہے یعنی سوزش شوق میں ثابت قدم رہنا چاہیے کہ حضرت حق تعالیٰ کو بھی نیک بندوں کی طرف اشتیاق ہے اور نیز اشارہ ہے کہ بلائے محبت میں صبر کرو اور اس بلا کو ابھی چیز سمجھو تاکہ میرا مشاہدہ حاصل کرو کیونکہ حضارین پر مقام صبر میں تجلی ہے اور نیز میرے ساتھ صبر کرو کیونکہ صبر کو میرا ساتھ حاصل ہے پس تمہاری مراد مجاہدے کی اور میں اور فس و شیطان پر فحتمندی پاؤ گے۔ واسطی سے پوچھا گیا کہ صبر کی کیا ماہیت ہے فرمایا کہ محنت سے پہلے محبت کی چادر اوڑھ لے پس جب محبت کے ساتھ محنت ملی تو اس کو بلا مشقت اٹھا لیا گیا۔ پس صابرون کے ساتھ اللہ عزوجل کی میت کے ہی حسی ہیں قول تعالیٰ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ لَبْرًا أَوْ رِجَاءِ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ يَمَّا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ

اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہو جو کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو قتال و ذکر الہی کی وصیت کے بعد مشرکوں کے ساتھ مشابہت کرنے سے منع فرمایا۔ بقولہ۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ لَبْرًا أَوْ رِجَاءِ النَّاسِ اور مومنوں ان لوگوں کے مانند مت ہونا جو اپنے دیار سے نکلے واسطے بطر دریا کے۔ ابن عباس و مجاہد و قتادہ و سدیی و ضحاک و غیر ہم مفسرین نے فرمایا کہ الذین خرجوا سے قریش مراد ہیں جو بدر میں آنحضرت صلعم سے لڑنے کو نکلے تھے۔ قال الزجاج نعمت میں حد سے باہر ہونے اور شکر بھڑنے اور نعمت کو ناپسندیدہ امور کا وسیلہ بنانے کو بطر کہتے ہیں اور قبیح بات چھپا کر ظاہر میں ابھی بات دکھلانے کو ریا کہتے ہیں۔ وقال ابن کثیر۔ بطر بمعنی حق کو دفع کرنا اور ریا الناس بمعنی فخر و تکبر کرنا۔ اگر کہا جاوے کہ قریش والے اپنا قافلہ تجارت بچانے کو نکلے تھے۔ بطر دریا کے واسطے نکلتا کیونکہ فرمایا جو اب یہ ہے کہ باعتبار انجام کار کے ہے چنانچہ مفسر نے کہا کہ اسے لا تکلوا کالذین خرجوا من ديارهم ليعنوا غیر ہم فلم یرجوا یعنی بچا تھا بطر اور ریا الناس۔ یعنی تم ایسے لوگوں کے مانند مت ہونا جو اپنے دیار سے اپنا قافلہ تجارت بچانے کو نکلے تھے مگر قافلہ بچ جانے کے بعد بطر دریا کی وجہ سے واپس نہ گئے۔ محمد بن اسحاق نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلعم اسی رخ پر سیدھے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام صفراء پر پہنچے تو سبیس بن عمرو اور عدی بن ابی الزعبار کو ابوسفیان کی خبر کے لئے جاسوس بھیجا وہ چلکر بدر کے پانی پر آئے اور اتر کر تالاب سے مشک بھر کر روانہ ہوتے تھے کہ انھوں نے دو باندیوں کو بائیں کرتے سنا جو آپس میں جھگڑا کرتی تھیں اور تجوی بن عمرو نے دونوں کے درمیان میں فیصلہ کر دیا۔ پس دونوں جاسوس روانہ ہوئے اور حضرت صلعم کو خبردار کیا اور یہاں ابوسفیان نے مجدی بن عمرو سے کہا کہ اس تالاب پر تو نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جس سے تو انکار کرے اسے کہا کہ نہیں واللہ ولکن دو مسافر اس میں سے پانی بھر لیکے پھر ابوسفیان نے اگر اونٹوں کی مینگنیاں توڑیں اور کہا کہ واللہ اس میں تو مدینہ کی گھٹلیاں و چارہ ہے اور جہاں قافلہ لیکر تین میل ساحل سمندر کی طرف ہو رہا اور اسے قریش کو کہا بھیجا کہ تمہارا قافلہ بچ گیا اب تم پھر جاؤ پس خنس بن شریح بنی زہرہ کو لیکر بھیجا اور ابوہبل ملعون نے کہا کہ واللہ ہم نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ بدر کے تالاب پر جا کر اتریں اور تین دن مقیم رہیں اور اونٹوں کو ذبح کریں اور کباب و شراب اڑاویں اور ناہج گانا سنیں اور تمام عرب میں ہماری خبر مشہور ہو اور اس کے بعد بکے سب ہم سے ہیبت کیا کریں۔ اور محمد بن اسحاق نے عروہ بن الزبیر سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم

مِنْكُمْ اِنِّي اَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَ اِنِّي اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ

میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

واذ ذرنا ذرین لہم الشیطان اعمالہم اور یا ذکر جس وقت کہ مزین کیا ان کے لئے شیطان ابلیس نے ان کے اعمال کو بیان طور کہ مسلمانوں سے لڑنے پر ان کو شجاعت دلائی حالانکہ نکلنے وقت قبیلہ کنانہ میں سے نبی بکر بن وائل سے قریش کو خوف تھا۔ وقال لا غالب لکم الیوم من الناس اِنّی جاد لکم اور کہا کہ آج کے روز لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں ہو اور میں تمہارا حافظ ہوں یعنی نبی بکر سے تمہارے پیچھے تمہارے اہل و عیال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ علماء تفسیر کے یہاں دو قول ہیں اول آنکہ شیطان کا زینت دینا بطریق وسوسہ تھا اور قول مذکور بھی اسی طور سے تھا۔ قال البیضاوی ہم معنی یہ ہیں کہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ و خیال ڈال دیا کہ آج تم ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہاری تعداد و سامان بہت کثیر ہے اور نیز ان کے دہم میں ڈالا کہ یہ امور بہت پرستی وغیرہ جن میں وہ شیطان کی اتباع کرتے تھے ان کے واسطے غیر یعنی حافظین فقال المترجم اس تقدیر پر قول مجاز ہو گا یعنی ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ ایسے بھلے کام جو تم کرتے ہو یہی تمہارے حافظ ہونگے اور علی ہذا کچھ نبی بکر بن وائل کے خوف سے حفاظت مخصوص نہیں بلکہ علی الاطلاق ہے۔ قول دوم جو صحیح ہے وہ یہ ہے کہ شیطان نے یہ قول ان سے بطور تحقیق کہا تھا اور بات یہ ہوئی کہ وہ سراقہ بن مالک بن جشم کی صورت میں جو نبی بکر کا سردار اور کنانہ میں سے بڑا شخص تھا اظہار ہوا اور مشرکوں سے کہا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا اور میں اپنی جماعت سے تمہارے ساتھ ہوں اور نبی بکر سے تمہارا مجیر ہوں پس قریش جلد روانہ ہوئے اور قریش ہر منزل میں اس کو سراقہ ہی سمجھتے تھے۔ فلما نزلت آت الفتن نکص علی عقبیہ جب دونوں گز وہ یعنی فرقہ کافرہ و فرقہ مسلمہ باہم ایک دوسرے کے سامنے ہوئے یعنی دونوں گروہ صف باندھ کر ملائی ہوئے تو ابلیس نے ملائکہ کو دیکھا اور اس وقت ابلیس بصورت سراقہ بن مالک کے حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کھڑا تھا۔ جبریل علیہ السلام ابلیس ملعون کی طرف بڑے تو اس نے حارث کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھٹایا اور ہر چند حارث نے کہا کہ اے سراقہ ایسی حالت میں تو ہم کو کہاں چھوڑا ہے اس نے ایک نہ مانی اور دنگاشتی میں حارث کی چھاتی پر ایک دھکا مار کر مع ساتھیوں کے بھاگا وقال اِنّی بریّ منکم اور یہ کہتا تھا کہ میں تم سے بری ہوں مجھ سے تم سے کوئی لگاؤ نہیں ہے میں تمہارا ساتھی نہیں ہوں اِنّی ارا می ما لا ترون میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔ اِنّی اَخَافُ اللّٰهَ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ واللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ابلیس کو یہ خوف ہوا کہ میں بھی مارا جاؤں گا پس اُس نے اپنی جان کے خوف سے یہ بات کہی اور صفات الہی سے ڈرا اور یہ خوف اس کو ایمانی خوف نہ تھا چنانچہ قتا وہ رح نے کہا کہ اللہ وہ جھوٹ بولا اس کو خوف الہی نہ تھا لیکن جان کے خوف سے اُس نے دیکھا کہ مجھے ملائکہ سے لڑنے کی قوت نہیں ہے تو یہ بات کہی۔ یعنی یہ جو اُس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی جان مارے جانے کی وجہ سے ڈرا حالانکہ اللہ تعالیٰ شدید العقاب ہے پس یہ تو سچ بولا لیکن خوف ایمانی اس کو نہ تھا اور ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ حارث کے سینے میں دھکا مار کر اس کو گرا کر ایسا بھاگا کہ دکھلائی نہ دیا اور سمندر میں جاگرا اور دعائیں مانگنے لگا کہ پروردگار اپنا وعدہ پورا کر دے جو تو نے مجھے دیا ہے۔ رواہ الواقدی۔ اور طبرانی نے رفاع بن رافع سے ایک مانند روایت کیا۔ ابلیس کا

یہی حال ہے۔ کہا قال تعالیٰ یدہم وینہم وایدہم الشیطان الاغویا۔ پہلے اپنی پیروی کرنے والوں کو غور میں ڈالتا ہے پھر الگ ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت میں شیطان کا حال نقل فرمایا وقال الشیطان لما قضی الامر ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفکم وما کان علی علیکم من سلطان الا ان وحوکم فاستجبتم لی فلا تلو موتی و لو مو انفسکم الا یہ۔ اور امام مالک نے عبید اللہ بن کریم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے کوئی روز ایسا نہ دیکھا جس میں وہ بہت ذلیل و حقیر و اندویش میں ہو جیسا کہ عرفہ کا روز دیکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عفو گناہ کا نزول بکثرت دیکھتا ہے سوائے روز بدر کے کہ وہ دن اُسے عرفہ سے زیادہ سخت دیکھا حدیث مرسل بالجملہ جلی سراقہ یعنی ابلیس تو با تم چھوڑا کر بھاگا اور ابوہل نے نکل کر لوگوں کو آمادہ کیا کہ تم لوگ سراقہ سے بھاگنے سے بدول مت ہو۔ وہ درپردہ محمد سے ملا ہوا تھا۔ اور ہم لوگ قسم سے لات و عزی کی کہ واپس نہ ہونگے یہاں تک کہ سب کو سپون میں باندھ لے جاوے اور ان کی شرارت کا مزہ چکھاوے۔ پس ان کو بہت قتل کرنا بلکہ باندھ لینا۔ اور لوگ لڑائی میں پڑے اور لڑائی گرم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریگ و گنجر یاں ایک مٹی لیکر کافروں کو مارا اور فرمایا کہ شاہت الوجہ۔ یہ پھرے خوار ہوں۔ ادھر آپ کا مارنا تھا کہ کافروں کے منہ و ناک آنکھوں میں ریگ و گنجر یاں بھر گئیں۔ اور وہ تلملاتے آنکھیں ملتے ہوئے بھاگے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کر کے ان کو قتل و گرفتار کیا اور بھاگے ہوئے قریش اپنے مذہب سے واردون کو کھو کر ذلیل و خوار کہہ من یہ کہتے ہوئے ہوئے کہ سراقہ بن مالک نے ہم لوگوں کو شکست دلوائی یہ خبر اصلی سراقہ بن مالک کو پہنچی تو وہ بہت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ واللہ مجھے تمہارے جانے کا حال بھی معلوم نہیں ہوا یہاں تک کہ جب تم شکست کھا کر آئے ہو تو تمہاری شکست کی خبر البتہ مجھے پہنچی ہے۔ پھر جب قریش و آلے اسلام لائے اور پردہ جہالت سے نکلے تب ان کو یقین ہوا کہ سراقہ نہیں تھا بلکہ ہم لوگ شیطان کے متبع تھے۔ یہ قصہ بہت تفصیل کے ساتھ کتب السیر میں مذکور ہے اور اصل قصہ مختصر جیسا کہ تفسیر میں ذکر ہوا ہے ان عبارتیں رضی اللہ عنہ و ایک جماعت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے اور صدق نبوت و اسلام کو واسطے دلیل کامل ہے کہ چونکہ جو امر کھلم کھلا قرآن مجید میں اور مشہور احادیث میں آیا آئین خدا بھی شک نہیں ہو سکتا اور نہ اہل عرب پہلے دیو دی و نصرانی وغیرہ تمام جہان کے لوگ باوجود عناد کے جھوٹ ہونے کا اشتہار دیتے اور کیونکہ جھوٹ بات اس طرح مسلم ہو سکتی ہے پس مؤمنین کا سلف سے اس وقت تک جماع ہو۔ ان اس زمانہ میں بعضے طوالبہ اسلام کے پردے میں انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے شر و فتنے سے اہل اسلام کو محفوظ رکھے۔ اگر کہا جاوے کہ ابلیس کو یہ قدرت کہاں سے حاصل ہوئی کہ بشر کی صورت بناوے اور جب بنا تو شیطان کیوں کہلایا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو یہ قدرت دیدی ہے اور اسی قوت عطا فرمائی ہے جیسے ملائکہ کو بھی اسی قوت و قدرت دیدی ہے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ موم کو اپنے ہاتھ سے مختلف صورتوں پر بنا لیتے ہو پس اگر ایمین جان قوت خود ہوئی کہ مختلف شکلوں پر ہو جاتا تو کچھ بعید نہ ہوتا ایسا ہی یہاں کچھ بھی استبعاد نہیں ہے فی العرائس قولہ تعالیٰ واذین ہم الشیطان اعماہم۔ انکے بڑے اعمال کو چاکران کی نظر میں اچھے پیراہ سے دکھلاتا ہے اور دوسے فریب میں پڑ جاتے و غرور ہو جاتے ہیں بعض نے کہا کہ کافروں کی نظر میں جیسے اعمال قبیح کو چاہتا ہے ایسے ہی خفیہ فتنہ یہ ہے کہ اہل طاعت کی نظر میں ان کے طاعات چاہتا ہے کہ تم بڑے عابد و پرہیزگار ہو کر اپنے طاعات بہ یاد کرنے والے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو ان پر توفیق و استطاعت وغیرہ کا سراسر انعام کیا اسکو نہیں دیکھتے پس اپنے طاعات بہ یاد کرتے ہیں۔ استاد نے فرمایا کہ شیطان جب انسان کے واسطے اپنے دوسرے کوئی امر زینت دیتا ہے اور نفس اسکو کوئی بات اپنے

فریبے خوبصورت کر دکھلاتا ہے تو اہل غفلت کی نظر اطمینان دہا ہوا ہے کیونکہ سے اندھی ہو جاتی ہے پس یہ غافل آدمی بھی اسی شیطان کا ہم نشین ہو جاتا ہے اور سابق تقدیر و مکر قدیم اسی راہ سے اسکو پہنچتا ہے کہ اپنے زعم و طاقت سے اسکو دفعیہ کی مجال نہیں رہتی اور اگر اللہ تعالیٰ سے بروقت یاد کے ساتھ مدد چاہتا تو امید تھی کہ ہلاک نہ ہوتا مگر غفلت کی بلانے اسکو حسب تقدیر بیان ڈالا پھر شیطان نے اس سے اپنا وعدہ وفا کرتا ہوا اور نہ نفس اس کی تمنا پوری کہتا ہے چنانچہ اہل کفر کا قصہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ عبرت حاصل کریں بقولہ فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیہ وقال انی برئ منکم انی اری ما لاترون۔ حاصل آنکہ ان کو غفلت میں حق الکر اس میدان بدر میں ہلاک کیا۔ اور غلبہ کا وعدہ وہ بیچارہ کیا پورا کر سکتا۔ اور خود ان سے ہری ہو کر چلا گیا۔ اس میں اشارت ہے کہ اہل ارادت کے حق میں شیطان کچھ امیدیں و خیال باطل لاکر ورطہ غفلت میں ڈالتا ہے تاکہ محبت دنیا و ہوس میں غافل ہو کر راہ قرب و مشاہدہ سے محروم ہو جاوین اور کرامات و آیات کچھ نہ پاوین پھر اگر مرید پر رحمت آتی ہوئی اور اس کی ارادت صادقہ ہو تو دشمن شیطان اُسے پاؤں ہاتھ ملتا بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور مرید بدو شیطان و سوا اس کے مشاہدہ جمال میں سرفراز رہتا ہے اور اگر تقدیر میں شقاوت ہے تو امتحان میں شیطان کے برائے نام عداوت ہو۔ مرید خالص کے مقابلہ میں شیطان کا نفس سے ہی کلام ہے کہ میں عجائب مکاشفہ ملکوت دیکھ کر خوف کرتا ہوں کہ اسی مجاہدہ میں سیر ہو جاؤں۔ اور نیز اس میں اشارت ہے ثبوت ہے کہ ولی کے نفس کو شیطان غرہ دلاتا ہے کہ شہوات کے ساتھ اسپر غالب آویگا پھر جب دیکھا کہ وہ اپنے پروردگار سے ہر دم استعانت مانگتا ہے اور انفاس محبت کے تیر ہر دم شیطان نفس کو جلانے دیتے ہیں تو خود چھوڑ بھاگتا اور نفس کو اس کے پنجہ میں ضیق و مجاہدہ کے ساتھ مقید چھوڑ جاتا ہے واضح ہو کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا ہے کہ احکام و ملکوت جو اس عالم میں ظاہر ہوتے ہیں ان میں سے جن قدر شیطان کو نظر آتے ہیں آدمی ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور بات یہ ہے کہ اس نے اس عالم سے پہلے عجائب ملکوت دیکھے ہیں اور مومنین کے انوار میں اس کو اللہ تعالیٰ دکھلاتا ہے تاکہ حسرت و لعنت میں خوار ہو اور قولہ انی اخاف اللہ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوفناک ہوں اور یہ بات اس نے ایسے وقت کہی جب عذاب آئی آنکھوں دیکھ لیا پس اسکو کچھ نافع نہیں رہے۔ مگر رحم کہتا ہے کہ یہاں یہ سوال تھا کہ شیطان جب اللہ تعالیٰ سے خائف ہوا تو یہ ایمان ہے پس شیخ نے جواب دیا کہ ایمان تو تصدیق الغیب ہے اور آنکھوں دیکھنے کے بعد ماننا کچھ ایمان نہیں چنانچہ ہر کافر مرتے دم اسلام کی حقیقت دیکھ لیتا ہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور یہی ایمان الباس کہلاتا ہے جیسے ہی شیطان نے عذاب دیکھا کہ یہ اقرار کیا تو کیا فائدہ ہو پھر لکھا کہ اگر شیطان میں خوف الہی کا تحقق ہوتا یعنی خوف الہی ہوتا تو ایک دم بھی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا۔ واسطی رحمت اللہ نے کہا کہ گناہوں کا چھوڑنا کئی طرح پر ہوتا ہے ازاں جملہ یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے حیا کر کے چھوڑا جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ السلام نے زینچا کے لوٹ سے دامن پاک رکھا اور ازاں جملہ یہ ہے کہ خوف عذاب سے چھوڑا جیسے شیطان نے خوف ہلاک اس مقام پر کفار کا ساتھ چھوڑا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ پر توکل چھوڑنے والوں اور اپنی قوت و اسباب ظاہری پر اعتماد رکھنے والوں کا حال منہرایا بقولہ۔

اذ یقول المنفقون والذین فی قلوبہم مرض عن حق لا یؤمنون بہم و من یتوکل
 جب کہنے کے منافق لوگ اور جن کے دلوں میں

عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اللہ پر تو اللہ زبردست برکت والا ہے

اِذ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ يٰ اِهْلَ الْبَيْتِ مَنَافِقِينَ سَے ابدا سے کلام ہے منافقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام ظاہر کرتے اور کفر دل میں رکھتے تھے۔ اور یہ اہل بیت میں سے بعض لوگ تھے اور معنی یہ کہ یاد کر جسوقت کہتے تھے منافق لوگ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ۔ اور وہ لوگ جنکے دلوں میں مرض تھا عَزِيزٌ حَكِيمٌ مفرد کیا ہے ان مسلمانوں کو ان کے دین سے مرض سے یا تو مرض شرک مراد ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یا مرض نفاق مراد ہے پس عطف تفسیری ہوگا۔

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ جب بدر کے روز لشکر اسلام و لشکر کفر باہم ٹر دیک ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو قلیل دکھلایا اور اس کے برعکس بھی مسلمانوں کی آنکھوں میں مشرکوں کو قلیل دکھلایا۔ تو بعض مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے غرہ میں ڈالا ہے کیونکہ اپنی نظر میں بہت قلیل کچھ دیکھ کر شک نہیں کرتے تھے کہ عنقریب یہ لوگ شکست کھا کر حواری ہوں گے۔ ابن جریج نے کہا کہ ایسا کہنے والے مکہ کے بعض منافق تھے جنہوں نے زبان سے کلمہ پڑھا تھا اور بدر کے روز مشرکین کے ساتھ آئے تھے جب مسلمانوں کی قلت دیکھی تو کہنے لگے کہ ان کے دین نے ان کو مغرور کیا ہے ایسا ہی عاصمی و مجاہد و عمرو و محمد ابن اسحق رحمہم سے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ

عَلَى اللَّهِ - اے من یثوق بہ یغلب۔ اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہی غالب ہوتا ہے جزاے شرط محذوف ہے بقریہ قولہ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ جملہ جزاے محذوف کی تعلیل ہے یعنی یہی غالب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ام کے نافرمانی میں غالب ہے کوئی چیز اسکو مانع نہیں ہو سکتی اور اپنے کام میں حکمت والا ہے جو اسپر توکل کرے وہ سخن نصرت ہے اور جہاں فرمانی کرے وہ لائق عذاب خوار ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کام کا حکم ہو بندہ اس میں اپنی رائے نہ لگائے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اسکی تعمیل میں مشغول ہو جائے جب اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا مال حیات بیان فرمایا تو موت کے بعد جو عذاب ان کو پہنچے گا اسکی تشریح فرمائی بقولہ تَعَالَى

وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ يَتَوَقَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةَ يَتْرُقُونَ وُجُوهَهُمْ وَاذْ بَارَءَهُمْ

وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اٰيٰدِيكُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَبِيْطٌ اَلَمٌ

لِلْعٰبِدِيْنَ كَذٰلِكَ اَبْرٰءُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اِلَّا وِجْهَ رَبِّهِمْ اَلَّذِيْنَ يَتْلُو اٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَاٰتٰهُمْ

اللّٰهُ بِذُنُوْفٍ بِهْمُ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ذٰلِكَ يٰۤاَنۡا اللّٰهُ لَمَرِيْكٌ مُّغِيْرٌ

نِعْمَةٌ اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ كَذٰلِكَ

نعمت کا جو دی تھی ایک قوم کو جبکہ کہ وہ نہ بدین اپنے جہنم کی بات اور اللہ سنتا ہے جاتا ہے جسے دستور

ال فرعون والذين من قبله كذبوا بآياتهم فاهلكتهم يدك يومئذ

نسرعون حالون کا اور جو ان سے پہلے تھے جملہ ان بائین اپنے رب کی پھر کھوادیا ہم نے انکو ان کے گناہوں پر اور

اغرقنا ال فرعون وگل کا لوظلمین

ڈوبا دیا نسرعون والون کو اور سارے ظالم تھے۔

ولو ترمی۔ اے ولور ایت کیونکہ حرف لوصارح پر داخل ہوتا ہے تو حرف ان کے برعکس اسکو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے اور
 خطاب آنحضرت صلعم کو ہے اور ایت یا محمد۔ اذیتونی الذین کفرو والملائکة حون اذ طرف ہو فعل ترمی کا اور اسکا
 مفعول مذکور ہے اور تونی بیار تختیہ ہو کی قرأت ہے اور ملائکہ اس کا فاعل ہے اور اسی پر دلالت کرتی ہے قرأت ابن عامر کہ تونی تبار
 فوقانیہ پڑھا ہے اور یہ حال واقعہ بدر کا ہے یعنی ولور ایت یا محمد الکفرة او حالہم سیدر اذ کانت الملائکة تونی الکفرة۔ یعنی یونی
 وجوههم واذ بارہم یہ جملہ الذین کفروا سے حال ہے اور وجہ سے مراد پھرے اور بارے مراد مقاعد میں بطریق کنا جیسا کہ
 سعید بن جبیر وغیرہ سے مروی ہے۔ یا پشت مراد ہن اور بیادوی نے کہا کہ شاید یہ ضرب کی تمیم ہو یعنی عموماً ارتے تھے خواہ اگلا جم ہو یا پچھلا۔
 اور بعض نے کہا کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر پڑے تو ملائکہ نے ان کے وجہ یعنی چہروں کو مارا اور جب پیچھے پھیر کر بھاگے تو
 ان کے پیچھے سے مارا۔ واذ وقوا عند آب اسحق یونی یہ جملہ یونیوں پر بتقدیر قول عطفت ہل یقولون ذوقوا الخ۔ اور یہ بطریق تکلم
 کے جذاب آخرت کے کافروں کو بشارت تھی اور بعض نے کہا کہ ان کے پاس آگ کے گزرتے تھے کہ جب بارتے تھے تو آگ کی لپٹ
 اٹھتی تھی اور جواب لو محذوف ہے تاکہ امر ہونا ک دلالت کرے۔ والحال لو عانت یا محمد حال تونی الملائکة اذ کانت الکفارین یصرون جہنم
 وادبارہم یقولون ہم ذوقوا عذاب الحرق لری ایت امر بالانطیاعاً یعنی اگر معاصرت کرنا تو اسے محذوف ملائکہ کے کافروں کی روحوں کو وفات دینے
 کا حال جبکہ ملائکہ ان کے چہروں اور مقعدوں کو مارتے اور یہ کہتے تھے کہ جلا نیوالا عذاب کلہو تو البتہ تو ایک بڑا ہولناک بہت خراب
 حال و کھیتا۔ اگر کہا جائے کہ بدن میں کافروں کے مارے جانے کے وقت آنحضرت صلعم وہیں موجود تھے تو جواب یہ ہے کہ جو
 امر آدمی کی نظر سے پوشیدہ کیا گیا ہے وہ آدمی کو نظر نہیں آتا اگرچہ وہاں حاضر ہو اور حالت وفات بھی انہیں امور مخفیہ میں سے
 ہے۔ قال حافظ ابن کثیر یہ سیاق اگرچہ بدر کے روز کافروں کی روح نکالے جانے کے حال میں ہے لیکن یہی حال ہر کافر کا ہوت
 میں ہوتا ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل بدر سے مخصوص نہیں کیا اور سورہ انفام میں قولہ تعالیٰ ولو ترمی اذ الحمر من فی غمرات
 الموت والملائکة باسطا یدہم اخروا انفسکم الایہ۔ پہلے گزرجا ہر حدیث برار بن عازب میں بھی آیا ہے کہ کافر کی موت کے وقت ہتھنناک
 صورت میں ملائکہ آکر اس کی روح سے کہتے ہیں کہ نکل اسے نفس خبیثہ سموم وجمیم وعذاب النار کی طرف یعنی غضب الہی اور عذاب الہی
 کی بشارت اسکو سناتے ہیں اور وہ نہایت خوفناک ہو کر بدن میں چھپتی پھرتی ہے چنانچہ پوری حدیث سابق میں گذر چکی فست ذکر
 ذلک بما قد صمت ایدیکم اسے ذلک التعذیب بسبب ما قد صت ایدیکم۔ یہ عذاب یا جانا بسبب ان کاموں
 کے ہر جن کو تمہارے ہاتھوں نے بھیج رکھا ہے اور مراد یہ کہ تم نے وہ بد اعمالیاں کیں خواہ ہاتھ سے یا زبان وغیرہ سے لیکن فقط ہاتھوں سے
 اسکی تعبیر اسلئے ہے کہ اکثر کام ہاتھ ہی سے ہوتے ہیں یعنی یہ عذاب تمہارے کفر و شرک کا بدلہ ہے۔ وان اللہ لیس یظلمکم
 شئیاً۔ ظلام صیغہ مبالغہ ہے اور لفظ صید کے لحاظ سے جو جمع ہے صیغہ مبالغہ یعنی کثیراً یا یعنی جس کثرت سے بندہ ہن

ان کے لحاظ سے ظلم کی کثرت ہوتی اگر ظالم ہوتا تو انہذا اس کی نفی کی تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے واسطے ظالم نہیں ہے پس اب یہ وہم دار وہین ہوتا کہ ظلام صیغہ مبالغہ کی نفی سے بلا مبالغہ یعنی ظالم کی نفی لازم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ظالم ہی نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ ظلام صیغہ نسبت ہے یعنی ذی ظلم نہیں معنی یہ ہوئے کہ ظلم والا نہیں ہے پس وہم مذکورہ ہو گیا۔ مترجم کتاب کہ وہم مذکور اس بنا پر ہے کہ ظالم و ظلام میں بحسب معنی تفاوت ہے اور صفات الہی میں نقص و تغیر نہیں وہ سجد کمال قدیم و بے زوال ہیں پس وہاں نفی صفت بہ صیغہ مبالغہ وغیر مبالغہ واحد ہے لہذا ظلام کی نفی سے ظالم کی نفی ظاہر ہوا اور ہم ہی رہنا ہے فاسد ہے فاقہم کذا اب ال فرعون اے داب ہوا کہ داب آل فرعون۔ داب لغت میں کسی کام پر ہتھیاری کرنے کو کہتے ہیں چنانچہ بولتے ہیں کہ فلان داب فی کذا اے وادع علیہ یعنی اس کام پر اس نے مداومت کر لی ہے پھر عادت کو داب اس واسطے کہنے لگے کہ انسان اکثر اپنی عادت پر جما رہتا ہے پس معنی یہ کہ عادت ان لوگوں کی رسول کو جھٹلانے اور شرک پر مہٹ کرنے میں مانند ہے عادت آل فرعون یعنی فرعون و اسکے تابعین کے۔ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور عادت ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے۔ كَفَرُوا وَاٰيَاتِ اللّٰهِ كَفَرُوا انھوں نے آیات الہی سے یعنی اپنے کفر پر چمے رہے۔ فَآخَذَ اللّٰهُ مِنْ لَدُنْهُمْ پس گرفتار کر لیا ان کو اللہ تعالیٰ نے عذاب میں بہ سبب ان کے گناہوں کے یعنی بسبب ان گناہوں کے جو ان کے کفر پر مرتب ہوئے جیسے ان مشرکین قریش کو عذاب دہر میں پکڑا اگرچہ ابھی تک بالکل نیست کرنے کے عذاب میں ماخوذ نہیں ہوئے بلکہ بطریق عبرت عذاب پا گیا ہے اور آئندہ اگر راہ پر نہ آئے تو فرعونوں کی طرح نیستی کے عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدٌ الْعِقَابِ اللہ تعالیٰ قوی ہے یعنی جو چاہے وہ کرے اور سخت عذاب دینے والا ہے پس کافروں کو چاہیے کہ اپنے خالق منعم کی عبادت اور فرمانبرداری سے غافل ہوں کیونکہ شرک کفر سے بڑا کفران نعمت ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ - اے ذک الثغذیب بسبب ان اللہ کافروں کو یہ عذاب دیا جانا بسبب اسکے ہے کہ اللہ تعالیٰ۔ لَمْ يَكُ مَغْتَرًا نِعْمَةً اَنْعَمَ عَلٰی قَوْمٍ نِهْنِ بَدَلْتَا كَسِي نِعْمَتِ كُو جُو کسی قوم پر انعام فرمائے یعنی اس نعمت کو عذاب نہیں بدلتا حتیٰ یغیروا ما با انفسہم۔ یہاں تک کہ وہی لوگ بدل ڈالیں وہ چیز جو ان کے نفس میں ہے یعنی نعمت کو شکر کے عوض کفر سے بدل ڈالیں جیسے کفار مکہ کو جو کون سے سیری اور خوف سے امن دیا تھا لکن اللہ تعالیٰ انہیں من جوع و امنہم من خوف اور انحضرت صلعم کو انکی طرف بھیجا اور اخلاق حمیدہ و عدل ایمان پسندیدہ انکو دینا چاہا اور یہ بہت بڑی نعمت تھی مگر انھوں نے بجائے شکر کے اس سے کفر کیا بلکہ راہ الہی سے لوگوں کو روکا اور مومنوں کو اذیت دی اور ان سے قتال کیا اور آیات الہی کو جھوٹلایا اور ان کو ٹھٹھے میں اڑایا اور پروردگار تعالیٰ سے ٹھٹھوڑ کر افعال ذمیر پر مہٹ کی اور بتوں کے آگے سر جھکا یا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی زبانیاں باتوں کو سننے والا اور انکے فعلوں کا جانتے والا ہے پس انہیں کی حرکتوں پر ان کو سزا دی۔ اگر کہا جائے کہ قولہ ذک بان اللہ کی ایک سبب عدلی ہے اور وہ ہر حال میں صادق ہے اگرچہ وہ لوگ تغیر نہ دین پس موجب عذاب ہوگا تو بیضاوی نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان پر انعام کیا اس کا تغیر نہ کرنا بسبب نہیں ہے بلکہ عرف میں جو اس سے مراد ہوتا ہے وہ مقصود ہے یعنی عادت الہی اس طرح جاری ہے کہ بندے جب اپنے حال کو متغیر کریں تو اللہ تعالیٰ انعام کو متغیر فرماتا ہے بلکہ اصل میں ظلمین تھا بطریق تخفیف کے نون حذف ہوا کیونکہ وہ مشابہ بحروف لیتے ہے۔

لہ یعنی آیت میں
ہم مذکورہ ظلام سے
کثرت ظلم کی عادت
نہیں اور انہی پر ظلم
ظلم اللہ تعالیٰ کا
یعنی بحال ہے

اور ان سے اگلوں کے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کو بھول دیا یعنی اپنے نفس کے احوال کو شکر سے کفر کی طرف بدل دیا
 فَاهْلَكْنَهُمْ مِنْ بَيْنِ أُولَئِكَ بِمَنْ هُمْ يُشْرِكُونَ کے لہذا ہوں کے عوض ہم نے ان کو ہلاک کیا چنانچہ بعض قوم کا طبقہ لوٹ دیا
 اور بعض کو طوفان سے ڈوب دیا اور بعض کو ہوا سے تباہ کیا اور بعض کی صورتیں مٹا دیں اور بندہ سو رہا وہیں۔ وَآخِرُ قَوْلُنَا آلِ فِرْعَوْنَ
 اور فرعون اور اس کے تابعین کو پانی میں غرق کر کے جہنم کی آگ میں پہنچایا ایسی ہی کفار قریش سے نعمت چھین کر انصار مدینہ کو عطا
 فرمائی اور انہیں چند ضعیف کے ہاتھوں زبردست مغرور قوم قریش کو عذاب بدر دکھایا۔ وَكُلُّ كَافِرٍ مِّنْ أَهْلِ الْاٰلِ الْاٰثِمِ
 الامم المذكورة كانوا ظالمين على انفسهم بالضللال والاضلال ولم يظلمهم ربهم الكبير المتعال یعنی جن امتوں کا ذکر ہوا ہر ایک اپنی جانوں
 پر خود ظلم کرنے والے تھے کہ آپ گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بہکاتے افسوس کہتے تھے ورنہ ان کے پروردگار تعالیٰ شانہ نے
 ان پر کچھ ظلم نہیں کیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلم سے روایت کی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے بندو میں نے
 ظلم کرنا اپنے اور حرام فرمایا اور تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا پس تم آپس میں کچھ ظلم مت کرو اے بندو یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں کہ
 تمہارے ہی واسطے میں ان کو اجھا کر رہا ہوں پس جو کوئی بھلائی پاوے اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے
 اور جس کو برائی پہنچے وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے یعنی یہ اس کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے و الحدیث فی صحیح مسلم فی
 العرائس قولہ تعالیٰ ذلک بان اللہ لم یک مغیراً نعمتہ کخ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے مقام امتحان سے خبر دی کہ ان کو بلند مقام
 دکھلائے اور بعض تک پہنچایا مگر حقائق سے آگاہ نہ فرمایا اور نہ ان کو شکر کی توفیق دی بلکہ تمہاری مدت اس حال میں
 ڈنکو کھکر پھر بطریق استدراج کے تمہوڑا تمہوڑا ان کو خوب محروم کیا پس نفس کے دھوکے میں مغرور ہی مغرور رہ گئے اور یہ ان
 لوگوں کا حال ہے جو مشیت ازلی کے موافق درجہ معرفت سے محروم قرار پاتے ہیں جیسے بلعم باعور و بصیصا و ابلیس وغیرہ
 اور رہے وہ بندے جہاں میں انوار ولایت سے محض فضل کے ساتھ محض ہونے ہیں وہ ظاہری ذاکم اخلاق سے چندے
 ملتیس ہوتے ہیں اور آخر میں عنایت ایزدی ان کی دستگیری کر کے مقام ہدایت پر لاتی ہے جو ہر صادق نے فرمایا کہ تم تک
 بندہ اپنے اور نعمت الہی کو پہچانتا اور اسکا شکر ادا کرتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت الگ نہیں فرماتا ہرگز کہ کتب
 پہچانتا اور اس پر شکر نہیں کرتا ہی تو سوقت اس لائق ہو جاتا کہ اس نعمت جدا کر دے جائے ہر اللہ تعالیٰ ان شکر میں ہر قوم کا حال و حکم بیان فرمایا بقولہ

ان شکر الذوات عند الله الذين كفروا فهم لا يؤمنون ۝ الذين عاهدت

بترسب جانداروں میں اللہ کے یہاں وہ ہیں جو شکر ہوئے مگر وہ نہیں مانتے جسے تو نے اقرار لیا ہے
 منهم ثم يفتنون عہدہم فی کل مرۃ وہم لا یثقون ۝ واما اتقفتہم

ادب میں مگر وہ توڑتے ہیں اپنا اقرار و ہر بار اور ڈیٹے نہیں رکھتے سو اگر کہیں تو پاوے انکو
 فی الحرب فتورد بہم من خلفہم لعلمہم ید کروا ۝ واما تخافن من قوم

لڑائی میں تو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگن اُنکے پہلے شاید وہ عبرت پکڑیں اور اگر تجھکو ڈر ہو ایک قوم کی
 خیانتہ فانین الیہم علی سواہ ۝ ان اللہ لا یحب الخائنین ۝
 دغا کا تو جواب دے ان کو برابر کے برابر اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز

۵۰

نہیٰ عہد میں کیا بلکہ لشکر لیکر گھر چڑھائی کی اتنی غصا بھر جیسا اللہ تعالیٰ نے عہد توڑنے والوں کا حال و حکم اور جن کی طرف سے آثار
عہد شکنی ظاہر ہوئی ان کا حکم بیان فرمادیا تو اس کے بعد روز بدر وغیرہ سے پھوٹ بھاگنے والے کافروں کا حال جو رسول اللہ صلعم
کی ایذا دہی میں بڑھ چلے تھے بیان فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ۔

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَالَّذِينَ كَفَرُوا قَلِيلًا مِّنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَعَدُّوا لِقَاءَ اللَّهِ كِبَارًا

اور نہ سمجھیں کہ وہ بھاگ نکلے وہ تمکا نہ سکیں گے اور سزا انجام کرواؤ گی بڑائی کیلئے
مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

جو پیدا کر سکو زور اور گھوڑے پالنے کر اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمھارے دشمنوں پر
وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمْ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تَنْقُوتُ مِنْ شَيْءٍ فِي

اور ایک اور لوگوں پر سوائے ان کے جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو خرچ کر دے
سَبِيلَ اللَّهِ يُلَاقِهِمْ لِقَاءً أَلِيمًا ۚ وَاللَّهُ يُلَاقِي السَّاعِيْنَ

اللہ تعالیٰ ماہ میں پورا لے گا تم کو اور تمھارا حق نہ رہے گا
مفسر نے اختیار کیا کہ نزول آیت ان لوگوں کے حق میں ہو جو جنگ بدر میں بھاگ پئے تھے یعنی باوجودیکہ آنحضرت صلعم کی ایذا میں
رہے پھر بچ گئے تو اس آیت سے تسلی دیدی کہ بچ نہیں سکتے اور ان کافروں کو بھی تنبیہ ہو۔ اور بیضاوی نے اس کو کلام سابق سے
مربطہ تصور کیا چنانچہ کہا کہ کلام سابق میں عہد توڑنے کا اعلان کرنے و دشمن کو ہوشیار کرنے میں جو فخر ہے شاید اس کے دفع کرنے
کیلئے اسکا نزول ہوا بدین معنی کہ کافر خواہ غافل ہوں یا بیدار ہو جاؤں وہ بہر حال قبضہ قدرت میں مقبولین مشیت الہی جاری ہونے
سے کبھی بچ نہیں ہو سکتے چنانچہ فرمایا۔ وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَالَّذِينَ كَفَرُوا قَلِيلًا مِّنْ قَبْلِهِمْ ۚ
سہقت کر گئے یعنی پھوٹ پئے ہیں ہم کو ان پر قدرت نہیں ہے بلکہ بہر حال میں وہ ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں ہاں تو اللہ تعالیٰ ہم حسب
الذین یملون السیئات ان یسبقونا سارا یا حکمون یعنی بدکار لوگ کیا یہ گمان باندھتے ہیں کہ ہم سے سہقت لے گئے یعنی ہماری گرفت
سے بچ رہے یہ ہرگز نہیں ہو دے بہت برا حکم لگاتے ہیں یعنی بڑا گمان و خیال باندھتے ہیں۔ یہ تفسیر بنا برآں کہ تمہیں بھینچنے کا خطاب بتا رہا
فوقہ ہو جیسا کہ چٹوکی قرآء ہے۔ اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلعم کامل لایمان رسولوں کے سردار تمام مخلوق سے افضل اور سب سے
زیادہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے عارف تھے پھر آپ کیونکر یہ گمان کرتے تو جواب یہ ہے کہ خطاب آنحضرت صلعم کو درحقیقت انہیں کافروں
کو تنبیہ ہے کہ تم یہ گمان نہ کرو بلکہ ایمان لاؤ اور نیک کام کرو ورنہ قبضہ قدرت میں جو وقت مشیت ہوگی گرفتار ہو کر عذاب پاؤ گے چنانچہ
قرآء ابن عامر و حمزہ و خص کی بیا رتقیہ لے لایسین الذین کفروا۔ اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اگرچہ ہاں ابو حاتم نفوی وغیرہ ایک
جماعت علماء نے زعم کیا کہ لایسین ہاں پر معنا نہیں ہوا لیکن موافق قول شیخ نخاس وغیرہ کے یہ زعم باطل ہے کیونکہ الذین اس کا
اعلین بلکہ فاعل ضمیر ہے جو من غلظم کی طرف بسبب اللفظ راجع ہو پس لایسین کے دونوں مفعول موجود ہیں لے لایسین من غلظم
الذین کفروا یسبقوا۔ اگرچہ قرآء اتا الفوقیہ زیادہ ظاہر ہے اور خیالی ہے لکھا کہ زعمشہری نے قرآء ہا لیا رتقیہ کو ضعیف قرار دیا
اور دو وجہ سے رد کیا گیا اول آنکہ یہ قرأت سبعہ میں سے ہے اور دوم آنکہ تقدیر کلام یہ کہ لایسین ہو یا۔ لایسین قبیل المؤمنین

لے یعنی بدعتوں
سے بچنے اور ان سے
بچنے کے لیے خیال نہ کریں

اور الرسول ابو حاسب واحد۔ اور بعض نے کہا کہ فاعل اسکا الذین کفروا ہے۔ اور معمول اول بقربینہ مخلوق ہونے لائے ہیں
الذین کفروا انفسہم سابقین میں کلمہ کہتا ہے کہ یہ تقدیر ظاہر ہے اگرچہ بعض نحوی اپنے قواعد کی لکیر پٹنے والے اس میں تامل کریں اور
بعض نے کہا کہ القاع فعل جملہ قولہ **الذین کفروا** پر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ بنا برقرآنہم بالفتح کے بتقدیر لانہم تعلیل
ما سبق ہے یعنی اہل کفر اپنے آپ کو سبقت کر نیوالا نہ خیال کریں اس واسطے کہ وہ عاجز نہیں کر سکتے اس شخص کو جو ان سے انتقام
لینا چاہے یا وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور بتقدیر انہم بالکسر کے بھی یہی معنی ہیں غیر ازینکہ تعلیل بطریق جملہ مستانفہ ہے قال
البیضاوی شاید اس آیت سے اس امر کا ازالہ کر دیا کہ مومنین وغیرہ حکم سابق میں یہ وہم کرتے کہ بد عہدی و خیانت کے آنا جن لوگوں
سے ظاہر ہوں انکو بند عہد سے بیدار و ہوشیار کرنے میں انکو قوی کر دینا ہو گا پس وقت لازم آوے گی۔ حالانکہ تم بد عہدی
کے اتہام کو اپنے سر سے لو اور کافر ذراہ بیدار ہوں یا غافل ہوں وہ کسی حال میں عاجز نہیں کر سکتے بلکہ جو حکم تقدیر الہی ان پر جاری ہو گا
کہ ذلیل ہو کر پڑے یا اسلام لائیں گے وہ بہر حال پھر تمام ہو گا اور ظاہری امور تو نکالیف امتحانی ہیں ورنہ تمام مخلوق قبضہ قدرت میں سحر
و مقہور ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہ برابر چاروں اچاران پر جاری ہوتا ہے اور مفسر جلال وغیرہ نے اختیار کیا کہ یہ آیت ان لوگوں
کے حق میں ہے جو واقعہ بدر میں کافروں میں سے بھاگ بچے تھے یعنی وہ لوگ اگرچہ اس واقعہ میں پھوٹ بچے لیکن تقدیر الہی انتقام
سے اپنے کو دستگار نہ شمس کر میں بلکہ جو مشیت الہی ہے ان پر واقع ہوگی پس دنیا میں قتل یا غوار ہون گے اور عذاب آخرت میں گرفتار
ہوں گے اگر کفر ہی پر رہے۔ اس آیت میں آنحضرت صلعم کو تسلی ہے کہ آپ کے دشمن اور اللہ تعالیٰ سے کافر لوگ ضرور کفر کا کیفر پائیں گے
اور واقعہ بدر سے ان کا چھٹکارا مشیت ہی اور وہ عاجز کر نیوالے نہیں ہیں۔ پھر واضح ہو کہ نصرت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے
ہے لیکن بندہ اپنے امکان بھر کوشش کرنے میں مامور ہے تاکہ ان اعمال کا ثواب ملے ورنہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کافر مومن
ہو جاویں یا سب کے سب ہلاک ہو جاویں اور یہاں اسرار میں جن کے زبان پر لانے کی علماء و اسخین کو اجازت نہیں پھر مترجم وغیرہ کس شمار
میں ہے بالجملہ نظر انتظام ظاہر مومنون کو سامان حرب مہیا کرنے کا حکم دیا **یقولہ** **وَأَعِدُّوا لَهُمْ أَسْلِحًا** کسی چیز کو حاجت
کے وقت کے لیے جمع کرنا اور ضمیر ہم بنظر سیاق کے عہد توڑنے والوں کی طرف ہے یعنی عہد توڑنے والوں کے لئے مہیا رکھو
مَا اسْتَطَعْتُمْ جس کی تم کو استطاعت حاصل ہو۔ یا ضمیر مطلقاً کافروں کے لئے ہے اور یہی ارجح ہے بحسب المعنی و کلام ما بعد کے
یعنی کافروں پر جہاد کیلئے مہیا رکھو جو تمہیں استطاعت ہو **مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِجَالٍ لَّخِيلٍ** یہ موصولہ کا بیان ہے یعنی قوت
اور زباط الخیل سے۔ قوت ہر وہ چیز جس سے لڑائی میں تقویت ہو اس میں جملہ مہتیار اور ان کے استعمال میں لانے کے طریقے بھی داخل
ہیں عقبہ میں عامر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے منبر پر فرمایا کہ آگاہ رہو کہ قوت تو تیر اندازی ہے اسکو تین مرتبہ فرمایا۔ کہانی صحیحین
بعض نے کہا کہ قوت قلعہ و گڑھی ہیں۔ ابن عباس سے ہے کہ وہ تیر اندازی و تلوار و تھیلا ہیں۔ عکرمہ و مجاہد سے ہے کہ قوت ز
گھوڑے ہیں جیسے رباط الخیل مادیان میں۔ ارجح یہ ہے کہ جہاد میں جن چیزوں سے تقویت حاصل ہو وہ سب اس حکم میں داخل ہیں
اور آنحضرت صلعم نے جو تیر اندازی سے تفسیر فرمائی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے سوائے اور چیزیں ہوں پس مراد آنحضرت
صلعم کے کلام سے یہ ہے کہ اس وقت کے مناسب یہ امر بہ نسبت دیگر امور کے افضل تھا چنانچہ باب حج میں فرمایا کہ الحج عرفہ یعنی حج
قیام عرفات ہے کسی آنگہ مقصود اس کن سے تمام ہے اور جیسے فرمایا کہ **الندم** توبہ یعنی ندامت ہونا توبہ ہے حالانکہ دیگر شرط بھی توبہ میں

ہیں اگرچہ ندامت رکن اعظم ہے ایسا ہی بیان بھی معمول کیا جاویگا کہ تیراندازی اسباب حرب قوت میں افضل ہے۔ بالجملہ آیت کریمہ سے سامان حرب جمع کرنا اور تیراندازی و تلوار لگانا اور اس زمانہ میں بندوق لگانا اور گھوڑے کی سواری وغیرہ مسلمانوں پر واجب ہے لیکن بطریق فرض کفایہ ہے۔ و قولہ من رباط الخیل۔ واضح ہے کہ رباطہ سرحد ملک اسلام پر جو کافروں کے ملک سے ملی ہے وہاں مسلمانوں کے قیام کو کہتے ہیں اور مقام رباط ہی اور رباط الخیل پانچ سے اوپر جس قدر گھوڑے بمقابلہ دشمن کے ہارے جساہین۔ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کافروں کے مقابلہ میں صفت بندی کے وقت نہ گھوڑوں کو پند کرتے کیونکہ حملہ وغیرہ میں وہ اچھے ہوتے ہیں اور شجوں وغیرہ میں مادیان اچھی جانتے تھے کیونکہ ان کی ہنہناہٹ سے امن و خاموشی ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ لفظ خیل اسم جنس ہے نہ مادہ و دونوں کو شامل ہے پس جہاد کی نیت سے جس کا رباط ہو یعنی گھوڑا یا گھوڑی جسکو ہاندھے ثواب پادے گا۔ پھر جس نے قوت کی تفسیر میں کہا کہ ہر وہ چیز جس سے جہاد میں قوت ہو تو اس کے نزدیک قولہ من رباط الخیل بطریق حلف خاص بر عام ہے۔ وہو ظاہر۔ پھر تیراندازی و گھوڑوں کو ہیا کرنے و کثرت ثواب ان افعال میں جو احادیث کثیرہ وارد ہیں الگ تصنیف میں جمع کرنے کے قابل ہیں چنانچہ ایک جماعت علمائے مستقل رسالہ لکھے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک تیراندازی بہ نسبت گھوڑی سواری کے افضل ہے۔ مترجم کتاب ہے کہ اس زمانہ میں بجائے تیراندازی کے بندوق قرار دیجائے گی و اللہ اعلم۔ امام مالک کے نزدیک گھوڑے کی سواری سیکھنا بہ نسبت تیراندازی کے افضل ہے لیکن قول جہور ا قومی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ تیراندازی سیکھو گھوڑے کی سواری سیکھو اور تمھارا تیراندازی سیکھنا بہ نسبت سواری سیکھنے کے بہتر ہے۔ رواہ احمد و اہل السنن۔ اور حدیث میں ہے کہ گھوڑا ہر نجر کو دعا کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار تو مجھے جس آدمی کے خیل میں کرے مجھے اسکے نزدیک اسکے اہل و مال سے زیادہ محبوب کر دے۔ رواہ النسائی و احمد وغیرہما۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ الخیل معقود فی نواہم الخیر الی یوم القیامۃ الا جرد الخیم یعنی قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی میں بھلائی اجر و غنیمت معقود ہے۔ مترجم کتاب ہے کہ جب غور سے دیکھو تو فرخندہ حال قومیں گھوڑوں کی پر دامت کرتی ہے۔ پھر واضح ہو کہ بخاری وغیرہ میں آیت سے ابن عباس کا استنباط یا بطریق منصوص یہ بھی مذکور ہے کہ بیت المال آراستہ بھرا ہوا رکھو۔ اور ہانا چاہئے کہ اسلام میں خلافت کے یہ معنی ہیں کہ نبوت کی اقتدار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں سے جو آمدنی آوے وہ اقسام اموال کی راہ سے ایک لگ خزانہ میں جمع ہو اور ہر ایک کے مصرف کے موافق خرچ کی جاوے اور مضارن اس کے حکم کتاب و سنت سے منصوص ہیں اور فقہ کی کتاب الزکوٰۃ میں مفصل مذکور ہے پھر پہلا نساویہ ہر پادہ ہوا کہ مسلمانوں میں جو بادشاہ ہوئے انھوں نے تمام آمدنی اپنی ملک تصور کر کے بجا عیش و آرام وغیرہ میں جس طرح چاہا برباد کرنا شروع کیا اور جو روون و بیبیون کی کثرت سے تمام مال اڑا دیا پس یہ بڑا فساد و بھینسا اور اللہ تعالیٰ سے اصلاح و استقامت کی وعاما نگتے ہیں اور تعالیٰ رحم فرما کر قبول کرے۔ حاصل آئندہ آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں پر حکم ہے کہ لشکر فنون حرب سے آلات حرب کے ساتھ آراستہ و خزانہ ممدود اور گھوڑے تیار رکھیں۔ **سُوْهِبُوْنَ بِہِ عَدُوِّ اللّٰہِ وَ عَدُوِّ کُمْ وَ اَیُّکُمْ اَضَلَّ سَبِیْلَہٗ فَاُولٰٓئِکَ لَیْسَ لَہُمْ جُنَادٍ وَ اللّٰہُ مَعِ الذّٰلِیْنَ**۔ اس کے خوف لانا اور شاید تفصیل بقصد مبالغہ ہے۔ اور ضمیر بہ راجح موصول ما استقطعتم۔ یا بجانب عدو صد مفہوم از اعدو ہے اور جملہ حال واقع ہے اور عدو اللہ و عدو کم سے مراد مشرکین کہہ وغیرہ ہیں یعنی یہ سامان ہیا کر دوا لیکہ تم اس سے بہتے دشمنوں کو

کا حکم دیا اور سامان قتال کو قوت فرمایا اور یہ قوت الہیہ جو جس کو وہی بندہ عارف پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے رو برو خود عاجزی کیساتھ قمار ہتا ہے اور جب لیسا ہوا تو اسکو لباس عظمت و کبریا و ہیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوتا ہے اور بندہ کا وہی بندہ و عاکر تاسے مسترحم کتا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے عندیہ میں محض قائم تاسے اور سب عظمت و کبریا و جلال خالص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے یقین کرتا ہے لیکن اوروں کی نظروں میں اس سے ہیبت و عظمت سماتی ہے چنانچہ حدیث میں آنحضرت صلیم کے شامل میں ہے کہ جو کوئی آپ کو دیکھتا وہ ہیبت ناک ہو جاتا تھا پس خود اسکی خاطر میں عظمت و کبریا کا اپنے واسطے وہم بھی نہیں ہوتا بلکہ وہ خشوع و خضوع پر بحالہ مستقیم رہتا ہے اور یہ ہیبت اسپر از جانب حق تعالیٰ چھا جاتی ہے پھر جب وہ بخاطر خطرات الہیہ کافروں پر بدو عاکر تاسے تو وہ ایسے خوار ہو جاتے ہیں اور یہی تیر ہدف ہے چنانچہ آنحضرت صلیم نے بدر و خین میں شاہت الوجہ اکر ایک مشت خاک سے ایک لشکر بگایا لیکن یہ بچنیک زنا بقوت الہیہ تھا اسی واسطے فرمایا۔ و ما ریت اذ ریت و لکن اللہ رمی اور پر ہمتام مفصل گزرجکا۔ میں نے سنا کہ ذوالنون مصری ایک جہاد میں شریک تھے کہ ناگاہ کفار غالب آئے اور مومنون پر سختی و تکلیف آئی جس سے صبر استقلال ہٹا رہا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کچھ دعا کیجئے پس اپنے گھوڑے سے اتر کر زمین پر سر ٹپک دیا اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں سجدہ کیا اسی وقت کافروں نے ہیبت ناک ہو کر شکست کھائی اور بہت سے قتل و گرفتار ہوئے۔ آیت کریمہ میں اشارت ہے کہ قوت ان کو صفات کما لیرہ حق سبحانہ سے بحسب استعداد حاصل ہوتی ہے کہ نفس کیساتھ محاربہ و مقابلہ پر قادر ہوتے ہیں۔ ابو علی رودباری نے کہا کہ قوت وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ظاہر آیت یہ ہے کہ کمان کے تیر سے چھینکنا یا پا جاوے۔ اور حقیقت میں یہ ہے کہ رات کی اوقات میں خشوع و خضوع کے تیرون کو میدان غیب میں پھینکے اور اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کر کے اسی کی طرف رجوع ہو اور سی آلہ و ہتھیار رہیں بلکہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کی نوح و نصرت پر عبور سا کرے

وَ اِنْ جَحَّوْا لِّلْسَلْمِ فَاجْحَمْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِیْمُ

اور اگر وہ جھینکیں صلح کو تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر۔ بیشک وہی ہے سستا۔ جاتا

وَ اِنْ جَحَّوْا لِّلْسَلْمِ۔ جنوں میل کرنا۔ و سلم بالفتح بمعنی صلح و قال ابن عباس سلم بمعنی طاعت۔ اور استعمال اسکا ذکر مؤنث دونوں طرح ہوتا ہے جیسے لفظ حرب کا حال ہے اور ابو بکر رحمہ اللہ کی قرآنہ میں بالکسر ہے اور فاعل جحوا یا جحوا اہل کفر ہیں خواہ بت پرست وغیرہ ہوں یا اہل کتاب ہوں یعنی اور اگر میل کریں اہل کفر خواہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب مانند یہود و نصاریٰ کے طرف صلح کے یا طرف سلم بالکسر یعنی طاعت و فرمانبرداری کے۔ فَاجْحَمْ لَهَا۔ تو میل کر اس کی طرف یعنی ان کی طرف سے درخواست صلح کو منظور کرے۔ اگر کہا جائے کہ آیت السیف سورہ براءۃ میں عموماً اہل کفر کے قتل کا حکم ہے اور معاہدہ سے ہزاری کی گئی ہے پھر صلح کیونکر ہو سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ ابن عباس عطا فرماتے ہیں کہ آیت اللہ نے کہا کہ آیت السیف سے یہ آیت منسوخ ہے۔ اور مجاہد سے ایک روایت اسکے مانند ہے اور دوسری روایت میں کہا کہ یہ آیت بنو قریظہ ہونے کے حق میں ہے یعنی بنو قریظہ اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو صلح قبول کرے۔ شیخ ابن کثیر نے ان دونوں قول کو منظور فرمایا اور کہا کہ یہ سیاق تو سب قصہ بدر میں ہے اور آیت السیف میں جو کفار سے قتال کا حکم ہے تو معنی اسکے یہ ہیں کہ جب قتال ممکن ہو تو ان سے قتال کرو اور اگر دشمن بہت ہوں تو ان سے صلح کر لینا روا ہے جیسے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور جیسے آنحضرت صلیم نے حدیبیہ کے روز مشرکین سے صلح کر لی

پس آیت السیف و آیت منافات نہیں اور نہ یہاں تخصیص ہے اور نہ نسخ ہے و اللہ اعلم و لیکن مستحکم کتاب ہے کہ حدیبیہ کے واقعہ سے استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ آیت البراءۃ بعد صلح حدیبیہ کے نازل ہوئی ہے۔ وقال بعض المفسرین۔ یہ سب اس وقت ہوا کہ عقد صلح سے مراد عقد جزیرہ ہوا اور اگر ایسا عقد مراد ہو جو مفید امن ہے تو بالکل نسخ نہیں اس لئے کہ ایسا عقد تو ہر کافر سے ہاڑ ہے۔ قال المسترجم کلام آئین طویل ہوا اور اپنے موقع پر سب سے بیان ہے۔ اہل اسلام اپنے سردار سے مخالفت و بغاوت نکرین اور باغی اگر اطاعت کی طرف موافق حکم الہی کے رجوع کرے تو اسکی توبہ بالاتفاق قبول ہے۔ اور حدیث میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ مجھ سے فرمایا کہ عنقریب اختلاف باہمی ہوگا تو تم سے اگر سلامت ہو سکے تو ایسا کہجیو۔ رواہ ابن احمد رحمہ اللہ بالجملة حکم دیا کہ صلح قبول کرے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَهُوَ كَافٍ بِكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ وہی پاک و بزرگوار مانگے والوں کی بات سننے والا اور ان کے افعال کا جاننے والا ہے۔

وَإِنْ يَرِيدُ أَنْ يَخُذَ عُنُقَ قَوْمٍ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنُصْرِهِ وَالْمُؤْمِنِينَ
 اور اگر وہ چاہیں کہ تجکو و قادیں تو تجکو بس ہے اللہ اسی نے تجکو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا
 وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
 اور ان کے دل میں الفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں
 وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
 لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں وہ ضرور آور ہے حکمت والا

وَإِنْ يَرِيدُ أَنْ يَخُذَ عُنُقَ قَوْمٍ۔ یعنی اور اگر ان لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ تجکو فریب دین یعنی اس غرض سے صلح کی کہ تجھے فریب میں ڈالیں اور دل میں غدر چھپائے رہے اور چاہا کہ اس بہانے سامان و قوت جمع کر لیں اور یہ جزا شرط مخدوف ہو جسکی تعلیل کلام سابق ہے یعنی تو خوف مت کر اور ان سے صلح کرے۔ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ کیونکہ اللہ تعالیٰ و حدہ لا شریک تجھے کافی ہوا ان کے غدر و خیانت وغیرہ کی ہر ہدی و برائی کو تجھے دور رکھے گا اور مکر بد کی بدی انہیں کو گھیرے گی ہُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنُصْرِهِ وَالْمُؤْمِنِينَ یہ جملہ تعلیلیہ ہے یعنی تو اس امر کا خوف مت کر کہ بد عہدی کرے یا اسے تجھ سے فریب کرنے کو صلح کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھے کافی ہے اسی نے تجکو بدر و غیرہ میں تائیدی نصرت و بمومنین میں ہی تیرا مؤید و یار آئندہ کیونکہ کافی ہے مومنین سے مہاجرین انصار مراد ہیں۔ اگر کہا جاوے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے تائید فرمائی تو وہی کافی ہے پھر بالمومنین کی کیا حاجت تھی۔ جواب یہ کہ نصرت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا و حقیقت ہمیں اسباب کی ضرورت نہیں مگر مقتضائے حکمت کبھی اسباب خفیہ سے ہوتی ہوا کبھی اسباب ظاہر سے پس قولہ ہُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنُصْرِهِ سے ہی نصرت مراد ہے جو بدون ظہور اسباب کے ہو اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو تو وہ بالمومنین سے وہ نصرت مراد ہے جو سبب ظاہری ہو پس حاصل یہ ہوا کہ اسی نے تجکو نصرت دی نصرت باطنی و ظاہری۔ پس مومنین کا تائید پر ایک دل ہونا اسی سبب اسباب کی طرف سے ہے خصوصاً کسی قوم سے جو صد باریں سے کبھی متفق و موافق نہیں ہوتی مگر امتداد و تالیف کیلئے فرمایا۔ وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ اور ان مومنین کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ ظاہر اعموم صحابہ مومنین مراد ہیں اور جہود مفسرین نے کہا کہ انصاریں اوس و حذرت مراد ہیں کہ جنگ و درمیان ہمیشہ خانہ جنگی رہی خصوصاً کیسویں برس سے سخت معرکہ وقت سال رہے۔

بھڑتے ہیں۔ تب میں نے کہا کہ یہ تو بہت خفیف کام ہے۔ فرمایا کہ خفیف مت کہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لو انفقت مافی الارض
 جمیعاً الا یہ۔ عیدہم کہتے ہیں کہ میں پہچان گیا کہ یہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ ایسا ہی ولید بن ابی مغیرث و طلحہ بن مصرف نے بھی مجاہد
 سے اسکے مانند روایت کیا۔ طبرانی رحمہ اللہ نے سلمان فارسی سے یہی مضمون کلام حضرت صلعم سے روایت کیا ہے۔ ابن عمون نے عمیر بن
 اسحاق سے روایت کی کہ ہم لوگ حدیث فقہی سنائے جاتے تھے کہ لوگوں سے جو بات سب سے پہلے اٹھالی جائیگی وہ اُلفت ہوگی۔ واضح
 کہ حدیث و آثار سے یہ بات قطعاً ثابت ہوئی کہ آیت کریمہ اپنے معنی عموم پر ان مومنوں کے حق میں ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی۔ ایمین فرقہ رافضیہ کے اعتقاد کا صریح رد ہے کیونکہ خلاف آیت کریمہ کے وہ لوگ صحابہ رضی اللہ
 عنہم کے حق میں بد اعتقاد و رکھ کر گمراہ ہوئے ہیں۔ جیسے خارجی گمراہ ہیں۔ آیت کریمہ میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تاثیرات قدرت
 مخلوقات میں برخلاف ظاہری اسباب کے جاری ہوتے ہیں جن پر نظر ظاہری و عقل جزوی سے اطلاع نہیں ہو سکتی اور موثر فقط
 اللہ تعالیٰ ہے اور محبت الہی عین ایمان ہے و محبت دنیا گمراہی اور مومنین کا نشان یہ ہے کہ ان میں باہم اُلفت مستحکم ہو جو کسی دنیاوی
 خرخشہ سے زائل نہیں ہوتی ہے پس اس سے فرقہ شیخ و فلاسفہ وغیرہ کا رد ہو گیا جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ چیزوں میں خود تاثیر ہو اور
 خلاف اس تاثیر کے نہیں ہو سکتا۔ یہ اعتقاد کفر و کفر و کفر و کفر ہے۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ ہو الذی ایدک بنصرہ وباللہ مومنین
 بیان ہے کہ بندہ کو اعتقاد فقط اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہے نہ اسباب سامان و ہتھیار وغیرہ پر۔ معنی یہ کہ تجھ کو نصرت و قوت ازلیہ سے
 قومی کیا اور جھگڑا لودشمن قوم کو ایمان کی توفیق دیکر تیری اعانت پر مستحکم کر دیا۔ و اسطیح نے کہا کہ تجھ کو اپنی نصرت خاصہ سے
 قومی کیا اور مومنین کو تجھ سے قومی کیا۔ پھر بیان فرمایا کہ نصرت مومنین ہی طور سے فرمائی کہ ان کو اللہ تعالیٰ واسکے رسول کی محبت پر مستحکم
 کر کے باہم شدنی اللہ محبت میں ان کے دل مجتمع کر دیئے بقولہ تعالیٰ و اُلفت بین قلوبہم۔ برخلاف کافروں کے کہ جگہ قولہ و قلوبہم شتی
 الا یہ۔ کہ ان کے دل اپنی اپنی تاریکی میں متفرق ہیں اور مستحکم کما ہے کہ ادلی حال کا بیان حدیث میں آیا ہے کہ ارواح جنود
 مجندہ عظیم جنین و بان اتفاق ہو اور باہم اُلفت میں ہیں اور جنین و بان اختلاف ہو اور وہ بیان نکرت میں ہیں لہذا شیخ نے لکھا کہ
 ابتداء امر میں ان ارواح کو مشاہدہ و حقیقت کے گھاٹ پر شربت وصال سے سیراب کیا پس مشاہدہ جلیل کے وقت درگاہ
 قدیم میں ان سے انجان پن دکھو کہ باہم اُلفت و محبت صادقہ مستحکم ہو چکی تھی جو کارگاہ امتحان میں بسبب نفس و شیطان و سوسہ
 کے چندے بصوت عداوت رہی پھر نظر نور ایمانی سے اہلی حالت نے عود کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس تا لیف میں
 ہرگز کسی مخلوق کے فعل کو یا اپنے کرتب کو دخل نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا بلکہ یہ عرض لطف و رحمت الہی تھی کہ اپنے رسول پاک کی متابعت
 پر ان کو متفق کر کے نور اسلام سے ان میں یہ غایبیت پیدا کر دی بقولہ لو انفقت مافی الارض جمیعاً با اُلفت لکن شکون و موتون
 میں اُلفت بطریق تجانس و استیناس ہے کیونکہ وہ اہلی خلقت میں ایک ہی صفت الہی سے مخلوق و ظاہر ہوئے ہیں بقولہ تعالیٰ
 خلقت بیدی اور ارواح میں تجانس و استیناس سے جو اُلفت ہوتی وہ ازراہ فطرت خاصہ ہے جو قولہ و لطفتم فیہ من اوحی سے مفہوم
 ہے اور قلوب میں اُلفت بمعانہ صفت خاصہ ہے جو مفہوم از قولہ علیہ السلام القلوب بین اسیعین من اصابع الرحمن الحدیث
 ہے اور عقول میں باہمی اُلفت باصل فطرت ہے چنانچہ کہا گیا کہ عقل ہی سب سے اول جناب باری تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے۔
 بدلیل قولہ علیہ السلام اول ما خلق اللہ العقل مستحکم کتاب ہے کہ ثبوت حدیث میں کلام ہے اور بعض محققین علم اور

نے اول مخلوق میں تحقیق بسید لکھی جسکا حاصل یہ ہے کہ اول رب کے اللہ تعالیٰ نے نور حضرت محمد رسول اللہ صلعم پیدا کیا اور وہ علی الاطلاق جملہ مخلوق سے اول ہے پھر اسی نور پاک کے طفیل میں مجردات و مادیات وغیرہ تمام مخلوقات پیدا کی پس مجردات میں سے اول عقل کو پیدا کیا اور مادیات میں سے اول قلم کو پیدا کیا پھر انھیں کے انوار و اجناس کو علی الترتیب پیدا کیا فقہر۔ شیخ نے لکھا کہ اسرار باطنیہ میں جو باہم الف تھی وہ بمطالعہ انوار قدس ہے بقولہ الذین یؤمنون بالغیب چنانچہ کہا گیا کہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ انوار غیب کو مشاہدہ کرتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ حدیث مالک بن حارثہ جو سابق بعض آیات کی تفسیر میں اسی سورہ میں گذر چکی ہے اس پر دلالت کرتی ہے فقہر۔ پس صورتوں و اشباح کا تجانس تو براہ مقامات ہے کہ طاعات و آیات و حصول کرامات میں متوافق ہوتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ اسی واسطے باہم کثرت عبادت والے و تہجد گزار آپس میں زیادہ مانوس ہوتے ہیں اور ارواح کی موافقت اپنے مقامات مشاہدہ و مراقبات میں تجانس کی وجہ سے ہے اور قلوب کی موافقت اس راہ سے کہ صفات کی سیر و مشاہدہ قدرت میں تجانس سے ہے پس جسے قدرت کو مشاہدہ کیا وہ اس شخص سے مالوت ہوگا جو قدرت میں باقی ہے اور ایسے ہی دیدار جملہ صفات کے مقام کا حال ہے کیونکہ یہ سیر انوار صفات میں ہے اور عقول کی موافقت ازراہ ادراک انوار افعال ہے کہ آیات میں فکر و غور کر کے انوار ہدایات و حکمتیں حاصل کرتے ہیں اور اسرار کی موافقت اس راہ سے کہ مشاہدہ قدم و مطالعہ ابد ہے پس جو سر باطن کسی مشرب معرفت پر وارد ہو خواہ مقام معرفت پر یا محبت یا شوق یا توحید یا فنا یا بقا یا سکر یا صحو وغیرہ میں تو وہ ان اسرار سے جو انھیں مشرب میں سے کسی مشرب پر اسکے ساتھ متوافق ہوئے ہیں مالوت ہوتا ہے پس کیا پاک پروردگار تعالیٰ شانہ کی صنعت ہے کہ اپنی رحمت سے ہر جنس کو اسکی جنس سے مالوت کر دیا ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ شرح اشارات حکمت ربانہ نہایت لطیف و دقیق ہے اور شاید یہ فہم نورانی کو اس میں بیچ و تاب ہو کہ جملہ مقامات داخل ایمان ہیں حالانکہ الف مختلف اجناس کی ثابت ہوئی تو یوں سمجھنا چاہیے کہ شیخ نے اختلاف بحسب تجانس بیان کیا اور ایٹلاف مطلق میں کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ادنیٰ کو اعلیٰ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے الف ہے اگرچہ ان میں تجانس نہ ہوگا اسی واسطے کہا گیا ہے کہ فرق مراتب شرع میں اصل عظیم ہے جو فرق مراتب کرے وہ زندیق ہے اسی واسطے فقہ کو اپنے سے اوپر مرتبہ والے افتقار سے بسبب رابطہ فقہ کے محبت و موافقت ہے اور عامی کو فقہ سے اس راہ سے کہ مرتبہ مافوق ہے الف ہے اور نفس ایمان کے نور میں تجانس منقطع نہیں ہے۔ فالہم۔ شیخ نے لکھا کہ مریدوں میں باہم الف ازراہ ارادت ہے اور مجاہدین میں براہ محبت اور شائقین میں نبشوق و عاشقین میں نبشوق اور مستائسین میں بہ انس اور عارفین میں بمعرفت اور موحدین میں بتوحید اور مکاشفین میں بکشف اور مشاہدین میں بمشاہدہ اور مخاطبین میں بسماع خطاب خاص اور اہل وجد میں بوجد اور اہل فراست میں بفرست اور اہل عبادت میں بعبادت اور اولیاء میں بولایت اور انبیاء میں بہ نبوت اور رسولوں میں برسالت متحقق ہے پس ہر جنس کو اپنی جنس سے الف ہے اور اپنے متصل مقام والے سے ارتباط الف صلی مستحکم اگرچہ تجانس نہیں ہے بعض نے کہا کہ مرسلین کے دلون میں رسالت سے ایٹلاف کیا اور انبیاء کے دلون میں نبوت سے اور صدیقین کے دلون میں صدق سے اور شہداء میں مشاہدت سے اور صالحین میں خدمت سے اور عامہ مومنین کے دلون میں ہدایت سے الف ویدی پس مرسلین کو انبیاء پر رحمت قرار دیا اور انبیاء کو صدیقین پر اسی ترتیب سے صالحین کو عامہ مومنین پر رحمت کیا حتیٰ کہ عامہ مومنین کو کافروں کے حق میں رحمت قرار دیا۔ ابو سعید خدری نے کہا کہ اشکال میں الف دی اور اسرار میں دوسرے مقام سے الف

رکھی پس ہر ایک کو اپنے اہل محبت سے ربط و الفت ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث الارواح جنود مجندۃ الی آخرہ سے ہی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان رکھا کہ جو اس کی مراد ہے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے کافی ہے اور مومنین کیلئے بھی ہر مراد کو کافی ہے اور بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و مومنین اپنے حول و قوت سے ہزار ہوں کر اللہ تعالیٰ کے حول و قوت ہی پر اعتماد کے ہیں چنانچہ اپنی نصرت و دشمنوں پر فتح و غلبہ کی کفایت کو بیان فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ

مؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الف من الذین کفروا یا تم قوم لا یفہمون ان کنت

خفت اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفان فان یکن منکم مائۃ صابرون یغلبوا

مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ و اللہ مع الصابرون

یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ۔۔۔ اسے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے تجلوا اللہ تعالیٰ۔ اگر پوچھا جاوے کہ اوپر بھی کفایت

بیان فرمائی ہے تو جواب یہ ہو کہ اول میں ارادہ مکر کی صورت میں کفایت کا وعدہ فرمایا یعنی وان یریدوا ان ینذروک فان حسبک اللہ۔

پس یہ کفایت بطور خاص ہے اور بیان عموماً کفایت کی بشارت ہے یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ تیرے ہر کام کے سر انجام کیلئے کافی ہے پس کافرون پر جہاد کے امور میں تجکو کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ وادو عمل ہے کہ نام جنیل پر عطف ہو پس تن محل

رفیع میں ہے اور شیخ جلال رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور معنی یہ ہیں کہ کافی ہے تجکو اللہ تعالیٰ اور کافی ہیں تجکو مومنین۔ شیخ مہاشی نے

اپنی تفسیر تفسیر الرحمن میں لکھا کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجکو کافی ہے اگرچہ تیرے ساتھ کوئی اور نہ ہو اور اگر تو ظاہری اسباب پر نظر کرے

تو تیری بیرونی کمزوری مومنین تجھے کافی ہیں۔ ہدی النبوی من اسم اللہ تعالیٰ پر عطف ہونے کو ضعیف تکرار دیا اور موقع

کافی ہی پر عطف مقصود کیا کہ معنی اسی پر مستقیم ہیں۔ وخطابی نے اس میں مناقشہ کیا اور کہا کہ اسکی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ فرار و کسائی

نے اسی کو ترجیح دی اور کلام ما قبل و ما بعد اسی کا مؤید ہے۔ پوشیدہ نہیں کہ مومنین کا کافی ہونا اس تاویل پر جو شیخ مہاشی نے

ذکر فرمائی ہے کہ نظر باسباب ظاہری تجکو وہ کافی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت کیساتھ نظر ملے کہ بعد یسویس اسی تاویل کا بعید

ہونا ظاہر ہے و شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ جس نے یہی بیان کہے کہ اللہ تعالیٰ و مومنین تجکو کافی ہیں تو اسے گراہی کی بات کہی بلکہ اسکا یہ

قول از جنس کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فقط بذات وحدہ لا شریک ہر بندہ کے واسطے کافی ہے اور یہ کفایت مخصوص باو تعالیٰ شانہ ہے

وقد قال تعالیٰ الیس اللہ بکاف عبدا۔۔۔ اور فرمایا۔ وقالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ مترجم کہتا ہے کہ ومن کا عطف اسم

۲

اللہ تعالیٰ پر قرار دینے کا حال ظاہر ہو چکا۔ معاملہ میں فرمایا کہ مفسرین نے محل جن میں اختلاف کیا پس اکثر مفسرین نے کہا کہ وہ حبک کے کان پر عطف ہونے کی وجہ سے محل جن میں ہے اور معنی یہ کہ حبک اللہ و حسب من اتبعک الخ یعنی کافی ہے اللہ تعالیٰ تجھ کو اور ان مومنوں کو جنہوں نے تیری اتباع کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے شعبی سے روایت کی کہ معنی یہ ہیں کہ حبک حسب من شہد حبک شاید ساتھ موجود ہونے والوں سے اہل بدر مراد ہوں جیسا کہ مقام نزول میں بیان ہوا کہ بدر میں قتال واقع ہونے سے پہلے مقام بیدار میں اس کا نزول ہوا۔ بعض نے کہا کہ اس میں مناقشہ ہو اس واسطے کہ بصر یون کے نزدیک ہم ظاہر کا ضمیر پر عطف ایسی صورت میں ممتنع ہے کیونکہ وہ ہنزلہ جزو کلمہ کے ہے پس معطوف علیہ نہیں ہو سکتی اور کوفیوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ فرار ج نے کہا کہ عرب کے کلام میں بہت نہیں کہ حبک احبک۔ کوئی بوسے بلکہ حبک و حسب احبک۔ باعادہ حروف جار مستقل ہے پس اگر وہ من مجرور ہوتا۔ تو حسب من اتبعک آتا۔ شیخ ابوالسعود و قاضی بیضاوی نے کہا کہ قولہ من اتبعک۔ جملہ محل نصب میں بنا برین کہ وہ مفعول معہ ہے لے کفاک و کفی اتہا عک ناصر۔ جیسے عربی شاعر کا قول ہے کہ سے اذ اکانت الیجا و انشقت العصابہ فحبک الفخاک غضب منہ ذہنک ضحاک بنصب پڑھا گیا اور اسی کو خاص نے اختیار کیا اور فرار ج نے کہا کہ موقع کاف پر اس کے نصب کی تقدیر کی جائے اور اسی کو ابن عطیہ نے اختیار کیا۔ اور احسن جہہ میں سے تفسیر مرویہ از شعبی ہے یا قول بیضاوی رہے کہ از راہ درستی لفظ و استقامت معنی کے بہتر ہے واللہ اعلم۔ پھر واضح ہو کہ زہری نے کہا کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ مہاجرین و انصار دونوں کے حق میں اتری اور سعید بن جبیر نے کہا کہ جب آنحضرت صلعم پر تینیس برس مرد اور چھ عورتیں ایمان لانے کے بعد عمر بن الخطاب کے ایمان سے چالیس کی تعداد پوری ہوئی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ قال ابن کثیر جہ اس روایت میں نظر ہے اسلئے کہ یہ آیت مدنیہ ہے اور اسلام لانا عمر کا ملک حبش کو ہجرت کرنے کے بعد مدینہ کی ہجرت سے پہلے واقع ہوا واللہ اعلم۔ اور اسی کے مانند جامع البیان میں اعتراض کیا گیا ہے اور خازن و جبل نے لکھا کہ یہ آیت یکم سورہ مدنیہ میں حکم آنحضرت صلعم لکھی ہے واللہ اعلم۔ حاصل معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے محمد صلعم تیرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جنہوں نے تیری پیروی کی ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مہاجرین و انصار سب سے پہلے ہیں اور امید ہے کہ قیامت تک کے مومنین بدرجہ ثانی اس فضیلت میں شامل ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مومنوں کو جہاد پر آمادگی کا حکم کیا بقولہ۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ**۔ تحریض کسی کو کسی چیز پر بھی شوق انگیز ہونے وغیرہ سے آمادگی دلانے میں مبالغہ کرنا خود از حد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مرض نے اسکو سکھانے کا ناکرد دیا اور موت کے کنارے لگا دیا ہو۔ اور بیان گویا اشارہ ہے کہ جس امر کا حکم دیا جانا اگر نہ ہوا تو گویا ہلاکت ہے۔ قتال سے جہاد مراد ہے یعنی جہاد پر ان کو تحریض کرنے پر بشارت فرمائی بقولہ۔ **إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ حَرٌّ** **عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا الْمُتَّيِّبِينَ صَابِرِينَ هُوَ مَا يَكُنْ مِنْكُمْ قُوَّةٌ وَشَجَاعَةٌ** ہوسے مقادمت کا مدار عدد پر ہے رعایت معنی ہے اور صرف عدد پر بدون رعایت معنی نہ ہو۔ گنا تقریبی موضعہ۔ اور پہلا خطاب آنحضرت صلعم کو تھا اور مومنوں کو آپ کی طرف سے تحریض تھی پس تحریض میں ان کو خطاب کر دیا یعنی اگر اے مومنو تم میں سے دس صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آویں گے۔ **وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا آلَ الْفَارِسِ الَّذِينَ كَفَرُوا**۔ اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو غالب ہوں گے ایک ہزار پر ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔ ابن جریر نے روایت ہے کہ یہ آیت ہمیں لوگوں کو اب محمد صلعم اللہ علیہ وسلم کے حق میں

نازل ہوئی ہے۔ رواہ ابن مردودہ۔ ان یکن بیا تھتہ اکثر قراری قرأت ہے اور کن بتا فوقہ ابن کثیر و نافع و ابن عامر کی قرأت ہے۔ یہاں سوال ہوا کہ آیت میں بشارت ہے کہ مومنوں کی کوئی جماعت ہو خواہ مختصر ہی ہو یا بہت ہو وہ اپنے سے دس گونہ کافروں پر ہر حال میں غالب ہوگی حالانکہ جو حالات نظر آتے ہیں وہ اس کے برخلاف ہیں کیونکہ کسی جماعت نصف ثلث وغیرہ میں مغلوب ہو جاتی ہے۔ جو آپ کی طرح دیا گیا ایک یہ کہ ظاہر میں جہان خلافت واقع ہوتا ہے وہ ان کسی شرط میں موافقت نہیں ہوتی مثلاً اگر وہ مومنین جو مغلوب ہوا ایسا نہ ہوگا کہ جبکہ وقت صابر ہوں اور جن نے لکھا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوا اور بشارت باقی رہ گئی۔ وقال المتشرکون حکم جید لولا المناقشۃ فیما شیخ بہ فافہم۔ دوم یہ کہ جملہ شرطیہ معنی خبر نہیں ہے تاکہ سوال مذکور وارد ہو بلکہ شرطیہ سے مراد معنی امر ہیں یعنی تم میں سے جس قوم کو دو سو کا مقابلہ کریں اور تم ہوں تو ایک ہزار سے مقابلہ کریں اور صابر و ثابت قدم رہیں یغلبوا سے اشارہ ہے کہ ثابت قدمی کی صورت میں غلبہ انہیں کے لئے ہوگا یعنی وہی غالب ہونگے اور کفار مغلوب ہوں گے۔ **بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَهُونَ** اس سبب سے کہ کفار ایسی قوم ہیں جن کو فقہ یعنی دین کی سمجھ نہیں ہے۔ قال الخطیب دس گونہ سے قتال کرنے کا حکم مفید ہے ہونے میں دلیل ہے کہ واجب کرنا اس حکم کا اسی شرط سے ہے کہ بندہ صابر و قادر ہو اور یہ شرط بھی حاصل ہوتی ہے کہ جب پختہ یقین حاصل ہوں۔ از انجملہ کہ اس کے اعضاء میں قوت و شدت و چالاکی ہو۔ از انجملہ یہ کہ دل کا قوی و لیر اور جنگجو و شجاع ہو۔ بدول نہ ہو از انجملہ یہ کہ مخرف القتال یا مستحیر اسے الفتنہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں ان دونوں حالتوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے پھر جب یہ شرطیں پائی جاویں تب ہر ایک پر جماعت میں سے واجب ہے کہ ثابت قدم رہے اور ایک ہو تو اسپر واجب ہے کہ دس مقابل سے نہ بھاگے اور دس ہوں تو دو سو سے اور سو ہوں تو ہزار سے نہ بھاگیں اور غالب آدین اگر پوچھا جاوے کہ حاصل یہ کہ دس گونہ سے ثابت قدمی اختیار کریں پھر طول عبارت میں کیا حکمت ہے تو جواب ہے کہ طول عبارت موافق واقع کے نازل ہوئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے سراپا کو بھیجتے تھے۔ اور غالباً ان کی تعداد دس سے کم نہیں اور دو سو سے زائد نہیں ہوتی تھی لہذا اور تعالیٰ نے انہیں دونوں تعداد کو ذکر فرمایا۔ اور نیز جواب دیا گیا کہ ایک مقابلہ دس کے اگرچہ مفید مقصود ہے لیکن صورت واقعہ سے مناسب نہیں کیونکہ اکثر اکیلا مقابل جماعت کفار واقع ہو پس ایسی امداد سے ذکر فرمانے میں جنہیں باہم مناسبت ہے ایک تو جلد طماننت ہے اور دوم ولایت ہے کہ مومنوں کی جماعت خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی ہو سب کا ایک ہی حکم ہے کہ ثابت قدم رہیں اور مومنوں کو فتح و غلبہ ملیگا انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ کفار نا سمجھ قوم ہے۔ یعنی کافروں و مشرکوں کا رد کرنا کسی مرتد یقین اور طلب ثواب کیلئے نہیں لہذا جب تم سچی غیبت سے قتال کرو تو وہ لوگ بخوف جان و مال کے تمہارے مقابلہ میں ثابت قدم نہ رہیں گے کہ مار نہ ڈلے جاویں۔ واضح ہو کہ بحر وغیرہ میں فصاحت کلام کے بارہ میں لکھا کہ ذرا غور سے نظر کر کے دیکھو کہ اس کلام میں کیا خوب فصاحت ہے چنانچہ اول جملہ شرطیہ میں قید صبر کی بڑھائی اور دوم جملہ شرطیہ نظیر میں یہ قید حذف کہ دی اور دوسرے جملہ میں من الذین کفروا سے بیان زیادہ فرمایا اور اول میں سے حذف کیا کہ دس پر دو سو قدم غالب ہونا و قتال صرف کفار کے ساتھ ہے اور یہ غایۃ الفصاحت ہے۔ خجائی نے کہا کہ صبر چونکہ شدید المطلب بیت ہے تو ہر دو جملہ تخفیف میں اثبات رکھا گیا لیکن دوم سے بسبب دلالت سابقہ کے حذف ہوا پھر آخر میں والذین کفروا سے خاتمہ سے صبر کی مطلوبیت پر تاکید فرمائی۔ اور ہر دو جملہ تخفیف میں قید کافر ہونے کی اس واسطے نہیں فرمائی کہ ماقبل اس پر دلیل موجود ہے اور یہ صنعت احتیاط ہے اور جملہ تخفیف میں باقون اللہ بڑھایا حالانکہ وہ ہر دو کی قید ہے اور قولہ والذین کفروا سے اُنکے واسطے تاکید کا اشارہ ہے

لہذا تخفیف سے ہر دو کس کلام سے آسانی و تخفیف کی ہے اس کے عمل میں باقون اللہ صفت مشرک لکھ ۱۱۲

اور یہ لوگ خواہ مخواہ فتنہ ہونگے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسکی رحمت میں ہو وہ مغلوب نہیں ہو سکتا اور جلد اسمیہ دلیل دوام ہے اور دیگر لطائف ابھی باقی ہیں جنکے بیان میں وقت و تطویل ہو دوسرا ان شہدائے العرش عاصیوں اسکے کلام کی بلاغت و فصاحت مجرہ ہے جسقدر غور کرنے سے ہدایت ہر عجیب عجیب بلاغات لفظی و معنوی ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر واضح ہو کہ ابتداء میں میں صابریں کو بمقابلہ دوسو کے ثبات کا حکم تھا جو آئندہ منسوخ ہوا اور بشارت باقی رہی بعض نے کہا کہ ضعف اسلام کے وقت کثرت صبر و بشارت غلبہ کثرت ثواب بہت کچھ تھا پھر چونکہ اسکے کہ اہل اسلام کی کثرت ہو گئی تو منسوخ ہو گیا۔ مسترحم کتاب کو کہ سبب تخفیف کا کثرت نہ کوہ کیساتھ وہ بھی ہو سکتا ہے جو بطریق عکسہ از ابن عباس روایت ہے کہ جب قول ان کین منکم عشرین صابرون آتم نازل ہوا تو مسلمانوں پر بہت شاق گزرا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض کیا کہ دس کے مقابلہ سے ایک آدمی نہ بھاگے پھر تخفیف نازل ہوئی یعنی قولہ الا ان ضعف اللہ عنکم انج۔ ابن عباس نے کہا کہ تعداد کی راہ سے ان کیلئے تخفیف کر دی اور جسقدر تخفیف کی اسی قدر صبر میں سے بھی گھٹا دیا۔ بخاری بخاری بخوہ۔ محمد بن اسحاق نے بطریق عطاء از ابن عباس روایت کی کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں پر گران گزری اور انھوں نے یہ بات بھاری سمجھی کہ میں آدمی دوسو سے مقابلہ میں نہ بھاگیں اور سو بمقابلہ ہزار کے نہ بھاگیں پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی کہ جب دشمن سے نصف ہوتے ہوں تو اپنے دشمن کے مقابلہ سے بھانگنا روا نہیں ہو اور جب اس سے کم ہوں تو ثبات واجب نہیں بلکہ ہٹ جانا روا ہے۔ و قدر واہ علی بن ابی طلحہ والعمونی عنہ بخوہ ذلک۔ اور ایسا ہی مجاہد حسن و عکرمہ و عطاء خراسانی و ابن ابی رباح و صفاک و غیرہ سے مروی ہے اور کلام ابن عباس میں دلالت ہے کہ عرفین جسقدر کو آدھا کرتے ہیں اسقدر ہونے سے فرار نہیں واسے اگرچہ تخفیف نصف نہ ہوں مثلاً دوسو سے ایک ہونے سے اور ننانوے سے بھی نصف کے لگ بھگ ہونے سے نصف ہی کے حکم میں ہیں بالجملہ دس گونہ کے مقابلہ کا حکم منسوخ کہلایا بقولہ۔ **اَلَا نَحْفَیْفُ اللّٰهُ عَنْکُمْ اَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی** نے پھر سے تخفیف کر دی یعنی ظاہر فرما دیا کہ اگر حکم صرف اسوقت تک کیلئے تھا اب بندہ نہیں ہے۔ **وَعَلِمَ اَنَّ فِکُمْ ضَعْفًا اَکْثَرُوْنَ** کی قرآۃ بضم ضاء و مجہر ہے اور حصص مجرہ و غیرہ کی قرأت بالفتح ہے اور یہ دونوں لغت میں۔ **فَاِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ** ہم یعنی کافرون کے دوسو پر۔ **وَ اِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ اَلْفٌ یَغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ** باذن اللہ۔ لے ہر ارادۃ اللہ تعالیٰ۔ اسی کی ارادت سے پس دس گونہ سے تخفیف کر کے دو گونہ تک کھا گیا۔ **وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ**۔ اور اللہ تعالیٰ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صابرون کے ساتھ ہے پھر بھلا کیونکر غالب نہ ہونگے۔ واضح ہو کہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ دس لوگ بھی سو بمقابلہ ہزار کے حتیٰ کہ کبھی دس بمقابلہ ہزار کے بھڑ جاتے تھے اور کبھی تہا ایک آدمی لشکر پر حملہ کرتا اور اس کو اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا نہیں خیال کیا جانا تھا پس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ دس آدمی کامل لایمان اگر بمقابلہ دس ہزار کے صبر ثبات اختیار کریں تو روا ہے اور ہماگ جاوین تو بھی روا ہے لیکن اگر اپنے سے دو چند یعنی بیس آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگیں تو اس عذاب کے مستوجب ہوں گے جو جہاد سے بھاگنے واسے کے حق میں بیان ہے اور طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم اہل قوت کا زمانہ تھا ان کے بعد تابعین و اہل بیت سے ضعف ہی ہوتا گیا پس قولہ تعالیٰ۔ **اِنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا** میں قیامت تک کے ایمان والے داخل ہیں اور امید ہے کہ جب تک و چند کفار کے مقابلہ سے نہ بھاگیں مستوجب عذاب نہ ہوں گے **فَاَقِمْ وَفِی الْعُرْسِ** قولہ یا ایہا النبی حسبک اللہ یعنی مومنوں کو ایک دل الفت الا کہ کے ہمیں نے تجھ سے احسان کیا اور تیری مدد میں ان کو تو نہیں دی تو مقام توحید میں جھگو ان کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے کیونکہ مخلوق کے حق میں تیری معاونت کی توفیق دینا انہیں کے حق میں امتحان و سعادت ہے اور یقین کرنا چاہیے کہ فقط تمہا میں بدون کسی مخلوق کے تیری مراد کیلئے کافی ہوں گے چاہیے

ان قلت خیر علیہ السلام
 یل علی توہم آت
 اتقا المسلم بالحد
 قبل و قومہ ابواب
 ان المسلمین ابدا
 یا شام علی انوار
 بیق حال التوح
 بالشرع و بعدہ ان
 و بعد تخفیف ان
 فی الاول کان قصا
 فی ادوار القلوب
 و انما انما انما
 و من فی الاسلام
 و انما انما انما
 و انما انما انما
 و انما انما انما

کہ میری طرف سیر کرنے میں قدم کو حدیث سے مفرد کر اور کچھ بھی شرک کا لگا دست رکھ۔ یہ حقیقت میں مومنوں کو تعلیم سے لہذا فرمایا ہوا
 اتبعک من المؤمنین یعنی میرے سواے جو کچھ ہو سبکے میں مومنوں کیلئے کافی ہوں کوئی ان کے اوپر کچھ بلا نہیں ہو سکتا اگرچہ فرشتہ
 مقرب یا نبی مرسل کیوں نہ ہو اور توحید حقیقیہ میں وہاں نہیں ہے کہ میرے سوا کسی غیر کی طرف نظر ہو اگرچہ وہ غیر میری ہی بہت سے کیوں نہ ہو چنانچہ
 قول تعالیٰ ما علیک من حسابہم من شیء میں یہ اشارہ صریح مبین ہے۔ واسطی نے کہا کہ قولہ حبک اللہ الخ یعنی حبک باللہ لیا ناصر و حافظاً و من
 اتبعک من المؤمنین فابندہم یعنی تجھ کو اللہ تعالیٰ حفظ و نصرت وغیرہ میں کافی ہے اور جو تیرے متبع مومن ہیں انکو بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے مترجم
 کہتا ہے کہ واسطی نے اشارہ کیا کہ قولہ من اتبعک ہم اللہ تعالیٰ پر معطوف نہیں بلکہ مبتدا ہے جسکی خبر بقریہ اول کے محذوف ہے اسواسطے کہ اللہ تعالیٰ
 وعدہ لا شرک کافی ہے اور مومنین کی کفایت آنحضرت صلعم کے حق میں کیونکہ ہو سکتی ہے بلکہ مومنوں کے واسطے ہی اللہ تعالیٰ کافی ہے و قد مر مفصلاً بغير اللہ تعالیٰ
 نے تخفیف فرمائی بقولہ الآن خفت اللہ عنکم جو بندہ کہ مجاہدہ و ریاضت سے جا بھاری تعالیٰ کی طرف سے انوار کشف سے سرفراز ہوا وہ خفیف
 القلب و خفیف البدن و خفیف الحال ہوتا ہے وہ انوار مشاہدہ کے ساتھ عبودیت کے بہت بوجہ نہیں اٹھا سکتا پس اللہ تعالیٰ رحمت کیساتھ اپنے اولیاء
 پر تخفیف فرماتا ہے تاکہ مراقبہ و حضوری سے ان کے دل کی روح بڑھ کر ترقی پائے چنانچہ جب کثرت عبادت سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے پاس مبارک دم کر گئے تو رفع مشقت کے واسطے نازل فرمایا قولہ طمہ ما ازنا علیک القرآن لتشتقی۔ حالانکہ ابتدا میں بقولہ یا ایہا المرسل
 تم اللیل الا قلیلاً الا یہ حکم دیا تھا کہ دل شب میں جب لوگ غفلت کی نیند پڑے سوتے ہیں تو عبادت و حضوری میں قیام کر حتی کہ رات میں سے
 کچھ ہی حصہ کم کیا پھر جب آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس مرتبہ کو پہنچ گئے تو ان پر کرم فرما کر حکم دیا کہ الآن خفت اللہ عنکم یعنی جس قوت تکلیف
 و امتحان سے تم جہاد و عبادت میں قیام کرتے تھے اس قوت تکلیفیہ پر مدار رکھنے سے تخفیف کر دی اور اپنی قوت بے کلفت سے عبادت
 و عبادت کی کشف مشاہدہ کے بعد قوت مجاہدہ بہت ہی آسان ہے۔ ابن عطار ح نے کہا جو آسمان میں ہو نہیں بلتا مگر اسی طور سے کہ فقر و
 محتاجی و عاجزی کے ساتھ جستجو ہو اور جو زمین میں ہو نہیں بلتا مگر اسی طرح کہ اس کی طرف اضطراب ہو نصراً بادیہ نے کہا کہ یہ تخفیف فقط
 امت کے واسطے تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ تھی کیونکہ جو بندہ نبوت کا بوجہ اٹھانے کو مجاہد نہیں سمجھتا تھا وہ اس تخفیف کیواسطے کیونکہ
 مخاطب ہوگا اور رسول صلعم جب یہ فرماتے کہ بک آمول و بک احوال میرا کام سب تیرے حول و قوت سے ہو یعنی وہ از خود فانی اور بجا حق سے باقی تھے تو
 ان پر گرائی مقصود نہیں میں تخفیف ہو سکے۔ قال المترجم یہ افادہ لطیف ہے پھر جب بدیہ کی رانی میں کیا قیام کر کے اللہ تعالیٰ کے بندہ نے نہ یہ لیا گیا تو نازل ہوا۔
مَا كَانَ لِغَيْبِي أَنْ يَكُونَ لَكَ آسْرِي حَتَّى يُخَيَّرَ فِي الْأَرْضِ يُرِيدُ وَنَ عَرَضَ لَدُنِّيَا وَاللَّهُ
 کیا چاہے غیبی کو کہ اس کے ہاں قیدی آویں جب تک نہ خون کرے ملک میں تم جانتے ہو جس نیا کی اور اللہ
يُرِيدُ الْأَخْرَاجَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ لَوْ كُنْتُمْ مِنَ الَّذِينَ سَبَقْتُمْ فِي الْأَرْضِ لَكُنْتُمْ فِيهَا أَعْدَاءُ عِزَّةٍ
 چاہتا ہے آخرت اور اللہ زود آور ہے حکمت والا اگر نہ ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ کے سے تو تم کو آ پڑتا اس لئے میں بر اعداء اب۔
فَكُلُوا مِمَّا غَنَمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
 سو کھاؤ جو قیمت لاؤ حلال ستھری اور ڈرتے ہو اللہ سے اللہ ہے بخشنے والا مہربان
 مآکان لے اطلع رہا انتقام لیبی نہیں ٹیکے کسی نبی کیلئے۔ اَنْ يَكُونَ بيار تخمیه اکثر کی قرأۃ اور بتار فو قیہ ابو عمر کی قرأۃ ہے۔
 لہ آسری جی ایسی یعنی گرفتار و قیدی۔ یہ اسم تکون بالتار الفوقیہ ہے اور بيار تخمیه کا بھی اسم بوجہ اس کے کہ تائید حقیقی نہیں اور غیر

در میان بن فاضل بھی ہو اور شاید قرآن میں لکھی ہو یعنی محمد صلعم یعنی نبی کو ٹھیک نہیں کہ اس کے پاس قیدی کفار ہوں۔ سختی یہ کجی
 فی الارض یہاں تک کہ زمین میں اشخان کرے یعنی کثرت سے قتل کرے اور آسین مبالغہ کرے تاکہ کفر قتل اسکے لوگ کہ ہوں اور اسلام
 قوی واسکے لوگ غالب ہو جاویں۔ ثخانہ یعنی غلظت کثافت ہو اور اٹھنے الارض۔ فلان کو مرض نے اشخان کیا یعنی بہت ہی گمادیا۔ واٹخن فلان فی الارض
 یعنی اسے اس کام میں مبالغہ کیا۔ پھر اشخان کرے گھاؤ سے قتل میں اور مبالغہ قتل کرنے میں مستعمل ہوا۔ حال اس حکم کا یہ ہے کہ ہما دین کافرون
 کو قتل کر ڈالنا ثواب ہے نہ فدیہ لینے کی نیت سے قید کرنا اور جوارح نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آگاہ فرمایا کہ بدر کے روز مشرکوں
 کو قتل کر ڈالنا نسبت اس کے قید کر کے فدیہ لیکر چھوڑنے کے اولیٰ تھا پھر جب مسلمانوں کا غلبہ کثرت ہوئی تو قولہ فاما منابعدا فادار۔ سے نصبت
 دیدی کہ چاہیں یوں ہی طریق احسان کے یا فدیہ لیکر چھوڑ دیں جیسا کہ سورۃ قتال میں انشاء اللہ تعالیٰ آویگا۔ قال الجلال بیان کی آیت منسوخ
 ہے بقولہ فاما منابعدا فادار الایۃ سے یہی نام شامعی احمد نے اختیار کیا ہے کہ جب کوئی حربی کافر قید ہو تو امام المسلمین کو اختیار ہے چاہے اسکو قتل
 کرے اور چاہے احسان کر کے چھوڑے اور چاہے فدیہ لے لے اور چاہے رقیق بنا لے اور یہی ابن عمر سے مروی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا
 کہ امام المسلمین متعین ہے کہ اسکو یا قتل کرے یا رقیق بنا لے اور آیت سورۃ القتال یعنی فاما منابعدا کج خود منسوخ ہے بقولہ فاقتلوا المشرکین حیث
 وجدتموہم کیونکہ سورہ برآۃ سے آخر نازل ہوئی جیسا کہ ابتدا سورہ برآۃ میں صحیحین کی حدیث عثمان رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہے اور یہی ابن عباس
 کا قول ہے کہ امام رازی نے کہا کہ جس آیت کی تفسیر بیان ہو ہی ہو یہ قول فاما منابعدا الایۃ سے منسوخ نہیں ہے بلکہ مفہوم ان دون آیات کا
 متوافق ہے اسلئے کہ دونوں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ پہلے اشخان ہو جانا ضروری ہے پھر اسکے بعد احسان یا فدیہ کا اختیار ہو اسکی توضیح
 میں بعض علمائے نے کہا کہ یہاں جو احسان یا فدیہ سے مانعت ہے اسکی انتہا اشخان تک ہے کہا قال حتی یخمن فی الارض۔ اور مقصود اشخان سے ہنگام لازم
 یعنی ظہور قوت شوکت اسلام ہے جس حال حکم اس آیت کا یہ ہے کہ کسی نبی کو رواہن ہے کہ قوت و شوکت اسلام ظاہر ہونے سے پہلے فدیہ لیکر چھوڑے
 پھر ہا یہ بیان کہ بعد ظہور قوت و شوکت اسلام کے کیا کرے تو اسکو آیت سورۃ قتال میں بیان فرمایا بقولہ فاما منابعدا فادار۔ یعنی بعد اشخان کے جبکہ کفر
 و فساد ذلیل ہو جائے تو کافر قیدی کو چاہے احسان کر کے چھوڑ دے چاہے فدیہ لیکر دے اور مسترحم کتاب ہے کہ یہ قول حیدر و اللہ اعلم۔ واقعہ سبب قتل
 آیت حضرت عبداللہ بن مسعود ایک جماعت سلف سے مختم و مطول یوں مذکور ہے کہ بدر کی لڑائی ختم ہونے پر آنحضرت صلعم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے
 مشورہ لیا کہ قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو تو ابو بکر نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی قوم کے لوگ ہیں ان کو باقی رکھئے اور
 تو یہ کہائے شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما دے اور عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انھوں نے آپ کو بھٹلایا اور کہہ سے نکالا آپ اجازت
 دیں کہ میں انکی گردنیں مار دوں۔ عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ اس لائق ہیں کہ جنگ میں بہت لکڑیاں جمع کر کے اس میں ان کو
 جلا دیا جائے پس آنحضرت صلعم خاموش رہے اور اندر چلے گئے اور لوگوں نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ ہم ابو بکر کا قول لین گئے اور بعض نے عبد اللہ بن
 نے عبداللہ بن رواحہ کا قول پسند کیا پھر آنحضرت صلعم باہر آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دلوں کو نرم کرتا ہے یہاں تک کہ دودھ سے زیادہ نرم ہوتے
 ہیں اور بعض دلوں کو سخت کرتا ہے کہ پھر سے زیادہ سخت ہوتے ہیں لے ابو بکر تیرے مثل ما تباراہیم علیہ السلام کے ہے کہ کہا من تعنی فانہ منی و من
 عصائی فانک عنہم توہم۔ اسے ابو بکر تیری مثال ما تباراہیم کے ہے کہ کہا ان تعذبہم فانہم عبادک ان تعذبہم فانک العزیز الحکیم۔ تیری مثال
 لے عمر ما تباراہیم کے ہے کہ کہا ربنا اطمس علی اموالہم و اشدد علی قلوبہم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الایم۔ لے عمر تیری مثل تباراہیم کے ہے کہ کہا رب
 لا تدد علی الارض من الکافرین یا راہم لوگ سوقت میں غلام ہو سب ان قیدیوں میں سے کوئی رہا نہ ہو گا یہاں تک کہ اپنا فدیہ لے لے یا اس کی گردن

ماری جائے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے زبان بڑا کر کہا کہ یا رسول اللہ سوائے سہیل بن بیضا کے کہ وہ اسلام کا ذکر کرتا تھا۔ آنحضرت صلعم خاموش رہے اور مجھے اس وز ایسا خوف ہوا کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر برسین ای خوف میں تھا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ سوائے سہیل بن بیضا کے۔ بالجملہ ان قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا کہ آئندہ اہل اسلام سے نہ لیں۔ اور ابن عمر سے روایت ہے کہ جب کفار یثرب کے قیدیوں میں عباس بن عبد المطلب قید ہو کر آئے تو انصاری نے عباس کو وعید کی کہ تجھ کو قتل کرینگے اور یہ خبر آنحضرت صلعم کو پہنچی تو اپنے فرمایا کہ میں اس ات کو بسبب اپنے چچا عباس کے نہیں سویا اور انصاری کا قصد ہے کہ عباس کو قتل کر ڈالیں تو عمر نے کہا کہ میں عباس کو لے آؤں اپنے فرمایا کہ اچھا پس عمر روانہ ہو کر انصاری پاس آئے اور کہا کہ عباس کو چھوڑ دو انھوں نے کہا کہ ہرگز نہیں کیوں چھوڑیں عمر نے کہا کہ اگر میں آنحضرت صلعم کی خوشی ہو تو انصاری نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو لہجہ و پس عمر نے عباس کو لیکر کہا کہ اے عباس تم مسلمان ہو جاؤ و قسم ہر ذات پاک و حدہ لا شریک کی کہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کو تمہارا مسلمان ہونا بھلا معلوم ہوتا ہے الی آخر ماقال۔ اور علی سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت جبرئیل اترے اور کہا کہ یا رسول اللہ قیدیوں کے بارہ میں اپنے صحابہ سے مشورہ لیجئے وہ چاہیں تو قتل کریں اور چاہیں فدیہ لیں اس شرط پر کہ سال آئندہ میں ان میں سے کسی ایک فدیہ شہید ہونگے۔ صحابہ رضی ہوئے کہ فدیہ لیویں اور سال آئندہ میں شہید ہوں۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن حبان ہر حدیث غریب جدا۔ اور قوی بہت ہے کہ آنحضرت صلعم نے بطریق اجتہاد کے مشورہ لیکر بعد استقرار رائے کے فدیہ لیکر چھوڑ دیا پس ابن مسعود وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب تک کام پورا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ما کان لنبی ان یلین لہ امری حتی ینزل فی الارض لی آخر الایۃ۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ پھر دوسرے روز عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ آپ اور ابو بکر بیٹھے ہیں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ یہ کیوں بیٹھے ہیں مجھے بھی آگاہ فرمائیے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں تیرے ساتھیوں کے لئے روتا ہوں کہ انھوں نے فدیہ لینا اختیار کر لیا اور اب مجھ پر ان کے حق میں مواخذہ اس درخت بھی زیادہ نزدیک قائم کیا گیا ہے یعنی سال آئندہ میں اس فدیہ کے عوض مبتلا ہو کر شہید ہوں گے اور عذاب اللہ کے لئے جانے سے آپ کی مراد نزول اس آیت کریمہ کا ہے اور یہ مراد انہیں کہ عذاب نازل ہو گا بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسا فعل واقع ہوا جس سے عذاب بہت قریب ہو اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت رحمت سے بسبب تقدیر سابق کے عذاب نازل ہو گا۔ فانہم لیس آیت میں آنحضرت صلعم کو تو لطیف عتاب نیز یہ خطاب فرمایا کہ کسی نبی کو ٹھیک انہیں کہ قبل شان کے یعنی کفر و اہل کفر کے ذلیل و مغلوب ہو جانے اور اہل اسلام کے غالب و قوی ہو جانے کے فدیہ لیکر کافر قیدیوں کو رہا کرے پھر مومنوں کو عتاب فرمایا۔ لَیُؤْتِیْکُمْ دُوْنَ عَرَضِ الدُّنْیَا اے مومنو تم اسباب دنیا کو یعنی اسکی حقیر متاع کو چاہتے ہو چنانچہ تم نے کافروں کا فدیہ لیلیا۔ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْکُمُ الْاٰخِرَةَ کُلَّهَا اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے یعنی تمہارے لئے ثواب آخرت کو پسندیدہ فرماتا ہے پس تم کو چاہیے تھا کہ فدیہ لینے سے باز رہتے اور ان کو قتل کر کے ثواب آخرت لینے پر اکتفا کرتے۔ وَاللّٰهُ یُعْزِزُ مَن یَّشَآءُ کَیْفَ یَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ عزیز غالب ہے وہ جو چاہے سو کرے حکمت والا ہے۔ واضح ہو کہ آیت میں یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آخرت کو چاہا تھا مگر وہ نہوا کیونکہ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے بلکہ معنی اس کے فقط یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے آخرت کو پسند کر دیا ہے اور چونکہ یہاں مومنوں نے ثواب آخرت لینے میں جو کچھ اٹھائی اور چاہا کہ فدیہ لیویں اور سال آئندہ میں شہادت پاویں تو گو نہ عتاب فرمایا۔ اور یہ خطا اجتہاد ہی تھی کیونکہ پہلے ان پر یہ حکم نہیں آیا تھا کہ قتل ہی کہ و فدیہ مت لو۔ بیٹھا وی لکھا کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی اجتہاد میں جو کچھ جاتے ہیں لیکن ان کو وحی سے مطلع کر دیا جاتا ہے اور واضح رہے کہ اجتہاد کرنا انبیاء کا مختلف فیہ ہے

اور اس آیت سے اس پر دلیل تمام نہیں ہے۔ اس آیت سے استنباط ہو سکتا ہے کہ امتحان میں پڑنے کے واسطے دلیری کرنا نہیں چاہیے جیسے بعض صحابہؓ نے آئندہ سال میں شہادت قبول کر کے فدیہ لیا۔ اور حدیث لا تمسوا القار والعدو وسلموا اللہ العالیٰ لکم سے یہ امر مستنبط ہے۔ بالجملہ اللہ تعالیٰ نے عقاب کیا کہ تمکے واسطے آخرت کا ثواب پسندیدہ ہے تم نے دنیا کیوں اختیار کی۔ کو لا کتب من اللہ وسبقت۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے لکھنا نہ ہو چکا ہوتا تو۔ لستکم فیما آخذتم عن اب عظیم الہتم تم پر نازل ہوتا بسبب اس چیز کے جو تم نے لیا ہے عذاب عظیم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا تھا کہ مواخذہ نہ ہو گا ورنہ تم نے جو کافروں سے قبل امتحان کے فدیہ لیکر ان کو چھوڑا اس میں تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا۔ آیت میں یہ بیان نہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا لکھ دیا اور مفسرین کے یہاں چند اقوال ہیں۔ اول آنکہ لوح محفوظ میں یہ سابق ہو چکا کہ جو ہندہ موسیٰ اجتہاد میں خطا کرے اس پر عقاب ہو گا۔ دوم یہ کہ جس قوم پر صریح ممانعت سے آگاہی ہوئی ہو اس پر عذاب ہو گا۔ سوم یہ کہ اہل بدر جو فعل کرین بخشے جائیں گے ان پر عذاب ہو گا۔ چہارم یہ کہ اس امت پر مال فدیہ حلال ہو گا۔ واضح ہے کہ آیت میں عید عذاب نہیں بلکہ فقط تنبیہ ہے اور انہما اس امر کا کہ تم نے دنیا کی طرف کچھ میل کیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت تھا اور اعلام کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے لکھ دیا ہے کہ ایسی صورت میں عقاب ہو گا۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اموال غنیمت و فدیہ سے ہاتھ کھینچا اور اسکو لینے سے احتراز کیا پس نازل ہوا۔ فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً۔ اے امت لکم فکلوا۔ میں نے تم کو حلال کر دیا پس کھاؤ جو تم نے غنیمت میں حاصل کیا ہے اکل حلال طیب۔ یا در حالیکہ وہ تمہارے واسطے حلال کیا ہوا طیب پس دل میں تو حلالاً صفت مقبول مطلق ہے اے اکلاً حلالاً۔ اور دوم میں مال الزما غنیمت ہے اور طیباً سے تاکید ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ معاہدت کی وجہ سے ان کی دلوں میں اس مال کی طرف سے وسوسا آگیا تھا اسکو دور کر دیا۔ قالقواللہ اور تقویٰ رکھو اللہ تعالیٰ سے کہ اسکی مخالفت نہ کرو اور دنیا کی طرف میل نہ کرو۔ ان اللہ عفوٌ رحیمٌ۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم چنانچہ جو گناہ تم سے ہوا اسکو معاف کیا اگرچہ صغیرہ تھا اور اس پر یہ رحمت زیادہ ہے کہ غلام تم کو حلال کر دین اگرچہ اگلی امتوں میں سے کسی کے لئے حلال نہ تھیں اور یہ امر اس امت کی خصوصیات سے چنانچہ سابق میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ فی العرائس قوله تریڈن عرض لہ دنیا والندیرید الاخرة۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں نفس مارہ کی فطرت سے ہوشیار فرمایا کہ اسکی جیلگری سے یہ بھی ہے کہ کبھی آدمی کو طاعات کے ہانہ سے دنیا کی طرف جو اس کی عین خواہش ہے مائل کرتی ہے اور نفس کا میلان ہے نہ قالب کا اور آیت کہ یہ میں خطرات کا بیان ہے اور تریڈون سے جبلت اور جمعی ہوئی بات کا بیان نہیں ہے کیونکہ قطعاً اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بات نہ تھی کہ دنیا کی خواہش ان میں ہو اور بقار آخرت نہ چاہتے ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ تمکے نفس نے تم کو یہ خطرہ دلا دیا کہ تم سال آئندہ میں شہادت لینا اور اب یہ مال فدیہ لے لو حالانکہ تم اس سے متنبہ نہ ہوئے اور امتحان میں جس پڑے اور دنیا کی طرف رغبت ہو گئی جو نفس کی عین غوشی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کلام پاک سے اس کے خطرات نیاں کو پاک کیا کہ نفس مارہ کے فریب سے بچے رہیں چنانچہ والقرآن اللہ سے صریح تنبیہ کر دی کیونکہ صریح حکم سے یہاں کوئی مخالفت نہیں پائی گئی اور نہ کوئی فعل حرام تھا بلکہ خلاف اولیٰ اور صغیرہ گناہ کتنا چاہیے ہو پس مقصود یہ کہ خدمت و طاعت میں خطرات نفس سے تقویٰ رکھیں تو یہ نہیں دیکھتا کہ آنحضرت صلعم کو باوجود جلالت قدر کے دنیا کی طرف نظر اسلئے سے تخر فرمایا بقولہ ولا تعدیناک عنہم

۱۰۷۱ کی تشریح اور ممانعت مآثر

ترید زنیۃ الحیوة الدنیا اور بقولہ لاتدرن عنہنیک انی مامتعنا بہ الآتیہ۔ و حاصل یہ کہ تم لوگ مجاہدہ میں نفس کے خاطر سے رفاہیت چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ تم کو کشف مشاہدہ و وصول بمقام آخرت و قرب ہو جو جعفر نے کہا کہ قولہ واللہ بیکم الاخرۃ جہرات تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ تمہارے نفوس کی خواہش سے بہتر ہے۔ قولہ فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً۔ آئین اشارت سے ثابت ہے کہ جو مال کہ جہاد وغیرہ حلال کمائی سے حاصل ہو اس سے غذا و آدمی کو مورت برکات ہو کیونکہ تمہارا حلال میں نظر لطف سے انوار ہیں جن سے صدیقین کے بدن اور مقربین کے دل اور عین کی ارواح کو تقویت ہوتی ہے اور جو آئین گوندھا ہوا ہے وہی اس سے پیدا ہوتا ہے یعنی لطف باری تعالیٰ اور اس سے قلب کو وسوسا سے طہارت و خیرت شیطان سے پاکی حاصل ہوتی ہے جعفر نے کہا کہ حلال کھانا اس وقت پورا حلال ہو کہ اسکی غذا زمین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور طیب اس وقت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے فراموش نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ حلال وہ ہے کہ پاک کمائی جو تو نے بقدر ضرورت لی ہو اور طیب وہ ہے کہ باوجود فقر و فاقہ کے اپنے نفس کی نسبت دوسرے مسلمان کو دینا زیادہ پسند کیا ہو اگرچہ خود بھی آئین سے کھایا ہو بعض نے کہا کہ حلال وہ ہے جو بدن بیکے بچہ پر ظاہر ہو اور طیب وہ ہے جو سبب اسباب کی طرف سے بچہ عطا ہوا ہو۔ اور میں نے کسی شیخ کا یہ قول نہیں پایا کہ حلال وہ ہے جو حالت مجاہدہ میں کھاوے اور طیب وہ ہے جو حالت مشاہدہ میں کھاوے۔ حلال وہ ہے کہ دل میں اس سے وغیرہ نہ ہو اور طیب وہ ہے کہ قلب کو راحت دے۔ حدیث میں ہے کہ جس سے دل میں شک ہو اسکو چھوڑ کر ایسے رزق کو لے جس سے شک نہ ہو اگرچہ فتویٰ دینے والے تجھے فتویٰ دیتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حلال کھلا ہو اور حرام کھلا ہو اور ان کے درمیان میں شبہ کی چیزیں ہیں تو جو کوئی شبہ سے بچ گیا وہ اپنے دین کو بچا لیکر گیا مترجم کتاب ہے کہ فتاویٰ فقہیہ میں لکھا ہے کہ جو لوگ خانقاہوں میں بیٹھے لوگوں کے اموال سے کھاتے اور کمائی کرنے سے باز رہتے ہیں وہ شہرہ رکھنے کے قابل ہیں اور نیز مشائخ علماء کے اقوال لکھے ہیں کہ اس وقت میں حلال گویا عقاب ہے لہذا صریح حرام سے پرہیز کرنے پر مضبوط باندھے اور مسلمانوں کے تاجروں و پیشہ وروں کو لازم ہے کہ خرید و فروخت کے مسائل بخوبی سیکھ لیں تاکہ بیوسع فاسدہ وغیرہ سے احتراز حاصل ہو و تمام البسط فی الفتاویٰ الہندیہ حدیث میں ہے کہ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں خلش کرے اور تجھے یہ امر گروہ معلوم ہو کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔ استاد نے کہا کہ جس کے کھانے کی اجازت ہو وہ حلال ہے اور حلال طیب ہے کہ جس کو توجانے کہ بدن میرے استحقاق کے اللہ تعالیٰ کی طرف فضل ہوا ہے۔ فالہم۔ واضح ہے کہ بعد مشورت کے قیدیوں سے فدیہ لیکر عہد و پیمان کے ساتھ ان کو رہا کیا گیا اور

بعض قیدی باگراہ لڑنے آئے تھے انہریہ گران گزرا تو اسالت فرمائی۔ بقولہ۔
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا لِّأُولَئِكَ
مِمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ وَإِنْ يَرِيدُ وَأَخِيَانَتِكَ فَقَدْ
حَاوَأَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَمَا مَكَنَ مِنْكُمْ مَوْلَا اللَّهُ عَلَيْهِ حَكِيمٌ
 کہ دے انکو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی ہو اگرچہ تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دیکھا تم کو
 بہتر اس سے جو تم سے چن گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ سے بخشنے والا مہربان اور اگر چاہیں گے تم سے دفا کرنی سو
 دفا کر چکے ہیں پہلے اللہ سے پھر اس نے پکڑوا دیئے اور اللہ سب ہا سبہ حکمت والا

یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ۔ کہ دے ان لوگوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں
 قیدی لوگ جو تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے اللہ سے دفا کرنی سے پہلے اللہ نے تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دیکھا تم کو

Marfat.com

کئے لگے اگرچہ قدرے بندھا ہوا اور ابن العلاء نے کہا کہ پکڑے جانے کے وقت بندھے ہوئے ہوں تو اساری کہلاتے ہیں اور نہ ہوں تو اسری کہلاتے ہیں اور شاید یہ بیان اہل سنت کا ہو اور استعمال میں ہر ایک کو دوسرے کے مقام پر پڑتے ہیں چنانچہ یہاں ہمد کے قیدیوں سے کہنے کا حکم ہے حالانکہ فدیہ لیکر وہ کھول دیئے گئے تھے اور مقولہ یہ ہے کہ۔ **اِنَّ يٰعَلِمُ اللّٰهُ فِى قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا**۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوگی تمہارے دلوں میں خیر یعنی اگر تمہارے دلوں میں ایمان و اخلاص معلوم ہوگا تو پھر تم کو خیر (ایما) آخذ منکم۔ عطا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو بہتر اس چیز سے جو تم سے فدیہ میں لی گئی۔ باین طور کہ دنیا میں اس سے کسی کو نہ زائد کر دینگا اور ثوابِ ثمرت اس سے بھی بڑھ کر تم کو ملیگا اور سب سے اعلیٰ یہ کہ **وَيَغْفِرْ لَكُمْ** اور تمہاری مغفرت فرمادینگا کہ قبل ایمان و اخلاص کے جو تم نے ایما و جدال و قتال فسق و خور کیا وہ معاف کرے گا۔ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اسکی مغفرت جسکو چاہے تو اس سے بڑھ کر کون نعمت ہو اور اسکی رحمت کا کون پایا دے اور معنی قولہ ان یعلم اللہ کے یہ ہیں کہ جملہ قیدیوں کے دلوں کا حال اور جو کچھ آئندہ ان سے ظاہر ہوگا سب اللہ تعالیٰ کو قطعاً معلوم تھا چنانچہ آخر آیت یعنی اللہ علیہم کلیم سے اسکا استدراک کر دیا اور یہاں بطور شرط و صیغہ شک کے بغرض تیسرا ارشاد کیا کیونکہ سب قیدی ایک حال پر نہ تھے بعضوں نے تو پسماندگی سے اقرار کیا تھا کہ ہم اب اسلام کے مقابلہ میں قتال نہ کریں گے اور اپنی قوم کو سلام کی نصیحت کریں گے اور بعضوں نے مکر و خیانت سے کہا تھا پس اسکو شرطیہ بیان کر دیا کہ اگر ایسا ہوگا تو اس کا بدلہ یہ ملیگا اور علم سے معلوم مراد ہے یعنی وہ امر سے علم متعلق ہوا اور اس سے عذابِ ثواب منوط ہوتا ہے حالانکہ قیدیوں سے جنگ و فدیہ لیکر چھوڑنا منظور ہے یہ کہہ دے کہ اگر تم سے ایسی بات ظاہر ہوئی جو خیر ہے یعنی ایمان و سچائی و اخلاص تو اللہ تعالیٰ تمکو اس مالِ فدیہ کے عوض میں اس سے بہتر دیدینگا و تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادینگا۔ **وَاِنَّ يٰقِيْنٌ سَوْا حِيَا نَتِكُمْ** اور اگر ان قیدیوں نے تیرے ساتھ خیانت کرنا یا ایسی ہی یعنی زبانی قول سے اپنے اور نیکو ایسی وغیرہ کا عہد و پیمانہ دیا اور دل میں غدور و خیانت چھپائی ہے اور تجھ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو تجھ کو اس کی پروا نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس سے بڑھ کر یہ لوگ پہلے کر چکے۔ **فَقَدْ خَا نُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ** کیونکہ قبل ان خود ہونے کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خیانت کی اسلئے کہ عہد زنی اور نطرت کو جو اپنے پروردگار معبود کی توحید کا تھا چھوڑ کر غرور کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے مقابلہ کیا۔ **فَاَصْحٰنٌ مِنْهُمْ** پس اللہ تعالیٰ نے موافق مشیت کے ان پر قابو دیا چنانچہ ضعیف کمزور کم تعداد و جماعت مومنین کو اپنے حکم سے ذہرت ہا سامان بہت تعداد و اولے لڑوہ کفار پر بدر کے موذ غالب کر دیا کہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور پکڑ لیا پس ان کی خیانت سے کچھ مغفرت نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کرنا مقدر کیا ہے وہ ضرور جیل جائے گا اور کتنا ہی لشکر اندیسی ہی تکیر اور خیانت کیوں کریں اس سے کچھ نہ ہوگا اور یہ طریقہ جو قرۃ اسلام اور فرقہ کفار کے درمیان جاری ہے وہ ہے یہ بقتضائے مشیت ازلی و حکمت بالغہ الہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم میں سے کافر بلاک ہو جاوین یا ایک دم سب مسلمان ہو جاوین ولیکن ہمیں و منافق کے اظہار کیلئے اور جزا و ثواب شہادت وغیرہ سے بعض کو سرفراز و بعض کو کفر و نفاق و نافرمانی سے خوار کرنے کیلئے اور دیگر اسرار و حکمت کے واسطے یہ طریقہ مشروع فرمایا ہے۔ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور کامل حکمت والا ہے چنانچہ اسکو معلوم ہے کہ ان قیدیوں میں کون سچا ہے اور کون خیانت کی نیت رکھتا ہے۔ واضح ہو کہ قولہ وان یریدوا خیانتکم مشعر ہے کہ ان میں اکثر خائن ہیں اور یہی سرتعہ ہوا کہ دوسرے سال احمد میں لوگ کفار قریش وغیرہ کیساتھ پھر لڑنے آئے۔ اگر پوچھا جاوے کہ قولہ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیر ایسی مشعر ہے کہ بعض کے حق میں اسکا ظہور ہو تو جو اب یہ ہے کہ ان حضرت عباس بن عبد المطلب وغیرہ اسکے مصداق ہوئے اور ائمہ تفسیر نے ذکر کیا کہ سبب نے دل اسکا بھی حضرت عباس ہوئے ہیں اور اگر تفصیلی علم منظور ہو تو سنو کہ شیخ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح روایات کو جن سے سابق و لاحق مضمون

بجسب واقف ظاہر ہو یوں ذکر کیا کہ محمد بن اسحاق نے اپنے اسناد سے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی کہ بدر کے روز لڑائی سے پہلے حضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ بعض نبی ہاشم وغیرہ باگراہ و مجبوری اس گروہ قریش کے ساتھ ہو کر آئے ہیں لہذا جو شخص لڑائی میں ابو بکر بن ہشام کو پائے تو اس کو قتل نہ کرے اور جو عباس بن عبد المطلب کو پاوے تو قتل نہ کرے کیونکہ وہاں گراہ ساتھ ہو لیا ہے تو ابو جندبہ بن عبد اللہ نے کہا کہ ہم لڑائی میں اپنے باپ بیٹوں بھائیوں و کنبے والوں کو پاویں تو مار ڈالیں۔ اور عباس کو چھوڑ دیں و اللہ اگر میں نے عباس کو پایا تو اس تلوار سے مار ڈالوں گا۔ یہ خبر آنحضرت صلعم کو پہنچی تو عرض فرمایا کہ اے ابو جندبہ! کہتے تھے کہ اللہ پہلے پہل اسی روز مجھے آنحضرت صلعم نے ابو جندبہ سے کینت کر کے فرمایا کہ پسندیدہ ہو کہ رسول اللہ کے چپکے منہ پر تلوار ماری جاوے عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص نفاق کا کلمہ بولا ہے مجھے اجازت ہو کہ میں اسکی گردن مار دوں۔ ابو جندبہ اس اقمہ کے بعد کہا کرتے تھے کہ واللہ میری زبان سے جو کلمہ نکلا مجھے اطمینان نہیں رہا اور برابر میں خوفناک ہوں کہ میرا کیا انجام ہو گا اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی راہ میں شہادت دے آخر جنگ یمانہ میں شہید ہوئے تھے اللہ عنہ۔ اس روایت سے ظاہر ہوا کہ عباس وغیرہ زبردستی مجبوری سے ساتھ آئے تھے اور عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ جب اقمہ بدر کا روز گذرا اور شام ہوئی تو قیدی لوگ بندے ہوئے جکڑے ہوئے قید گاہ میں پڑے تھے اور رسول اللہ صلعم کو اول رات میں نیند نہیں آتی تھی تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کیوں نہیں سوتے میں فرمایا کہ میں نے اپنے چچا عباس کے کراہنے کی آواز سنی یعنی جکڑ کر یا ندے جانے کے درد سے کراہتے تھے اور عباس کو انصار میں سے ایک مرد نے گرفتار کیا تھا پس لوگوں نے عباس کو کھول دیا تب آپ سوئے۔ محمد بن اسحاق نے ذکر کیا کہ بدر کے قیدیوں میں سے جن لوگوں نے فدیہ دیا ہے زائد عباس کو دینا پڑا کیونکہ والد ار آدمی تھے تو اپنے آپ کو سوا و قیہ سونا دیکر پھرایا اور صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ چند انصار یوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کو اجازت ہو کہ اپنی بہن کے بیٹے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔ (عباس کی والدہ قوم انصار کی بیٹی تھیں) تو فرمایا کہ نہیں واللہ ایک دم بھی مت چھوڑو۔ ابن اسحاق نے ہاسناد صحیح مشائخ زہری کی ایک جماعت سے روایت کیا کہ قریش نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا اور ہر قوم نے اپنے قیدی کو جس قدر قرار داد ہوئی دیکر پھرایا اور عباس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا تو فرمایا کہ تیرے سلام کا مال اللہ تعالیٰ جانے ظاہر میں تو ہم پر چڑھا آیا تھا پس تو اپنا اور اپنے دونوں بھتیجیوں نوفل بن الحارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ دے تو عباس نے کہا کہ اتنا میرے پاس کہاں ہے اور ایک روایت میں آیا کہ یہ فدیہ تو دیدیا اور کہا کہ اے میرے بھتیجے محمد تم نے مجھے ایسا مفلس کر کے چھوڑا کہ جیتی زندگی قریش کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ٹکڑے مانگوں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ این وہ مال کہاں گیا جو ام الفضل اور تم نے چپکے سے زمین میں گاڑا ہے اور تم نے ام الفضل سے کہا تھا کہ دیکھیں اس سفر میں مجھے کیا پیش آوے پس اگر میں نہ لوں تو یہ مال جو میں نے دفن کیا ہے اولاد فضل مسجد اللہ رقم کیواسطے ہے۔ عباس نے کہا کہ یا رسول اللہ! تم تحقیق میں نے جانا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کیونکہ میں نے آدھی رات کے وقت یہ مال گاڑا ہے سو لے ام الفضل کے اس سے کوئی آگاہ نہ تھا۔ چھ ماہ میں فدیہ دیتا ہوں لیکن تمہیں وقیہ سونا جو میرے ساتھ تھا اور تم نے لوٹ میں پایا ہے وہ اس میں حساب کرو۔ اپنے فرمایا کہ ہرگز نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا کیا ہے پس عباس نے فدیہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یا ایہا النبی قل من فی یدکم من الاسری الی قولہ غنور رحیم۔ عباس کہا کرتے تھے کہ یہ آیت میرے ہی حق میں نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا کر دیا کہ بجائے بیس وقیہ سونے کے حالت اسلام میں جکڑ میں غلام دے ہیں کہ ہر ایک میرے مال کثیر سے میرے لئے تجارت کرتا ہے اور ہر ایک خود بہت قیمت کا ہے چنانچہ جو ان میں سے گھنیا ہے وہ بیس ہزار درم کا اندازہ کیا جاتا ہے اور مجھے زرم عطا کیا کہ اس کے مقابلہ میں مجھے تمام

دنیا بچ رہا اور باوجود اس کے میں اللہ تعالیٰ سے ثواب جزیل آخرت کی اور نفرت کی اسید رکھتا ہوں۔ جاہد نے کہا کہ آیت عباس کے حق میں نادل ہوئی۔ اور ایسا ہی متعدد طرق سے ابن عباس سے صحیح ہوا ہے۔ اسلام میں عباس کو بہت مال ملا چنانچہ انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صوبہ بکین سے مال کثیر آیا تو سہرا یا کہ میری مسجد میں ڈال دو اور لوگ سامنے آئے پس آپ متوجہ نہ ہوئے اور نکل کر مسجد میں نماز پر قیام فرمایا پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ بکین تقسیم کرنا شروع کیا پس جس کو دیکھتے اسی کو دیتے یہاں تک کہ عباسؓ آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی دیکھئے میں نے اپنی جان کا فدیہ دیا اور عقیل کا فدیہ دیا پھر تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ لیلوس عباسؓ نے دو لون یا تھون سے اپنے کپڑے میں رول کر خوب بھرا اور چاہا کہ لاویجا دین مگر اٹھ نہ سکا تو عرض کیا کہ آپ کسی کو حکم دین کہ اٹھوادے اپنے مسکرا کر فرمایا کہ نہیں تب عرض کیا کہ اچھا آپ ہی اٹھوادے اپنے فرمایا کہ نہ میں اٹھوادوں آخر عباس نے اس میں سے کچھ نکال دیا پھر باندھ کر کاندھے پر لاد اور بڑے بوجھ کے ساتھ اٹھالے چلے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حرص پر قرب کی نظر سے ان کو دیکھتے رہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک ایک دم بھی وہاں رہا نہیں اٹھے اور بالکل جب تقسیم ہو گیا تو اٹھے اور اس مال سے ایک دم بھی اپنے گھر نہیں بھرا یا۔ رواہ البخاری و جامعہ من ائمة الحدیث۔

پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے طبقات بیان فرمائے بقولہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور

الَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا

جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا

مَالَهُمْ مِنْ وَلَا يَتِيمُونَ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِذَا كَانَ أَمْرٌ فِي الدِّينِ

تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک گھر نہ چھوڑا دین اور اگر تم سے مدد چاہیں دین میں

فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ الْأَعْلَىٰ قَوْمِ كُفَيْبِكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

تو تم کو لازم ہے مدد کوئی مگر مقابلے میں ایسوں کے جن میں اور تم میں عہد ہے اور اللہ جو کرتے ہو وہ دیکھتا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَابْعَثُوا أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوا لَأَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادًا كَبِيرًا

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو شورش پئے گی ملک میں اور بڑی ظلمی ہوگی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے طبقات و ان کے احکام جو اس وقت بمقتضای حکمت الہیہ مقدر تھے بیان فرمائے اور ائمہ تفسیر

کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزول ان آیات کا فتح مکہ سے پہلے ہی قال تعالیٰ - إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا - اسے ہجرت اور

وطن ہم و جہاد و یا باموالہم و انفسہم فی سبیل اللہ - مہاجرت ترک وطن گویا انھوں نے وطن چھوڑا اور وطن سے

بھی انکو چھوڑا پس مبالغہ ہے کہ بالکل نکاؤ نہ رکھا اور ہجرت میں طرح کی باعتبار احکام و ثواب کے ہر اول وہ ہجرت جو ابتدا میں واقع ہوئی جبکہ اسلام

ہست ضعیف تھا اور اسکو ہجرت ادنیٰ کہتے ہیں اور دوم وہ ہجرت جو بعد صلح حدیبیہ کے واقع ہوئی کیونکہ بعد فتح مکہ کے ہجرت نہیں بقولہ علیہ السلام لا ہجرة بعد الفتح! اور ہی محققین کا قول ہے! اور سوم وہ ہجرت جو عموماً قیامت تک ہوتی ہے اور وہ ہر ایسے ملک دیار سے جو کفرستان ہے ہجرت کر کے کسی ملک اسلام

میں چلا جانا خواہ کہ ہو یا کوئی اور ملک ہو اور اس ہجرت کی دو قسمیں ہیں! جب تک تمہیں جس ملک میں سبب غلبہ کفر کے آدمی اداسے فرائض اللہ جہاد

سے عاجز ہو وہ ان سے ہجرت واجب ہے اور قوم وہ ملک جہان اداسے فراتر و غیرہ سے عجز نہ ہو لیکن غلبہ کفر سے ضرور ہو تو وہ ان سے ہجرت مستحب ہے واللہ اعلم پس آیت میں ہجرت بمعنی اول مراد ہے اور مہاجرین صحابہ انہیں مومنوں کو کہتے ہیں کیونکہ انہیں نے اپنے دیار و اموال و اعزہ و اقربا کو دین کیلئے مجبور و متروک کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ میں اقامت دین کیلئے پہلے آئے اور اپنی جان و مال کو جہاد میں خرچ کیا پس قسم اول مومنین میں سے یہی مہاجرین اور قولہ تعالیٰ السابقون الاولون من المہاجرین سے مراد ہیں۔ اور قسم دوم وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَآلَهُمْ مِمَّنْ كَفَرُوا یعنی مومنوں میں سے لوگ جنہوں نے تمہارا دیا اور مدد کی۔ ایوار جگہ دینا یہی انصار سابقین اولین میں اور یہ اہل مدینہ کے مسلمان ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مہاجرین کو اپنے جگہ دی اور جان مال سے ان کی خدمت کی اور مملکتہ حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی حالانکہ وہ وقت تھا کہ اسلام ضعیف اور دشمن قوی تھے اور خود یہ لوگ بھی زیادہ وسعت اسے نہ تھے مگر انہوں نے اپنی تنگی و تکلیف پر مہاجرین کی راحت کو پسند کیا پس ان دونوں قسموں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ** یعنی یہ دونوں فریق ایسے ہیں کہ ان میں بعض کے بعض کی بہن اور باہم موالات ثابت ہو پس نسبت اور ان کے ان میں ہر ایک دوسرے سے اہل ہوا ہی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان عقد موافقہ ہاندھا تھا یعنی ایک مہاجری و ایک انصاری کو بھائی بھائی بنایا تھا چنانچہ ہر ایک کا ایک بھائی ہو گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ روئے ہوئے آئے کہ آپ کے سب کے درمیان موافقات کر دی اور میں خالی رہ گیا تو فرمایا کہ تو میرا بھائی ہو اور یہ امیر محمد فضائل علی رضی اللہ عنہ کے ہو۔ بالجلہ اس موافقات و موالات کے عقد سے انہیں باہم میراث جاری ہوتی تھی جو ارث قرابت سے مقدم تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی انتہا کر دی اور آیت میراث نازل فرما کر حکم میراث اسکے مطابق کر دیا جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباس سے ثابت ہے اور بعض نے کہا کہ اولیاء ہونا فقط نصرت مدد گامی میں ہے پس حکم اس آیت کا منسوخ ہو گا مگر قول اول کثر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور فتح جلال نے دونوں کو جمع کر دیا کہ نصرت میراث دونوں طرح سے ایک دوسرے کے ولی ہیں اور اولیاء کا اطلاق بھی اسی کو چاہتا ہے لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اس حدیث سے جو امام احمد نے حذیر بن عبداللہ الجلی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ مہاجرین و انصار باہم بعض ولیا بعض ہیں اور طلقا قریش و عتقا ثقیف باہم بعض ولیا بعض ہیں یہ قیامت تک ہے۔ قال بن کثیر تم فہم و ہم اور ابو یعلیٰ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کے مانند مرفوع روایت کی ہے اور جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ولایت سے خاص ولایت مراد ہے یعنی ولایت نصرت و معاونت چنانچہ اگر ان میں سے کسی نے شکار کو تیرا اور چوک کر وہ کسی آدمی کے لگا تھی کہ دیت واجب ہوتی تو ایک دوسرے کی مدد گار برادری قرار دیا جائیگی۔ فلیتأمل۔ بالجلہ سابقین اولین از مہاجرین و انصار باقی تمام مومنین پر مقدم ہیں اور فتح ابن کثیر نے مہاجرین کے انصار پر مقدم ہونے پر اجماع نقل کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے قیسری قسم کو بیان فرمایا بقولہ۔ **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ** لوگ ایمان لائے مگر اپنے دیار میں ہے وہ ان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں نہیں آئے تو۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ شَيْءٍ وَلَا يَتَّبِعُهُم مِّنْ شَيْءٍ** تمہارے لئے ان کی ولایت میں سے کچھ بھی نہیں ہو پس تمہارے دان کے درمیان میراث جاری نہ ہوگی اور ان کو غنیمت میں سے بھی کچھ حصہ نہ ملے گا بکشتی کی طرح جو پہاڑ تک کہ لے ہجرت کر کے تمہارے ساتھ لاحق ہو جاوے تب ان کے واسطے بھی ہی ہو گا جو تمہارے واسطے ہے حاصل آئے کہ جنہیں ایمان و ہجرت دونوں باتیں ہیں ان میں تو ولایت متحقق ہے اور جن میں ایمان ہے اور ہجرت نہیں ہے ان کو میراث و غنیمت نہ ملے گی اگرچہ فریق اول کے قرابت لے ہوں۔ قولہ **وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن شَيْءٍ** قرآنہ کسبہ اللہ وہو اور باقیوں کی قرآنہ بالفتح ہے اور میں زاہدہ واسطے تاکید نفی کے ہے یعنی کچھ بھی ولایت نہیں ہے۔ ظاہر اقوال مفسرین سے نکلا کہ ولایت سے اہل و حصہ غنیمت مراد ہے مطلق اعانت کیونکہ ولایت کی اصل

نفی فرمائی حالانکہ نصرت واجب فرمائی بقولہ۔ **وَإِنِ اسْتَنْصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ** اور اگر ہجرت نہ کرنے والے مومنین دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر نصرت واجب ہے یعنی تم پر واجب ہے کہ کافروں پر جہاد میں ان کی مدد کرو اور چونکہ یہ عام تھا کہ کافر خواہ ایسے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو یا ایسے ہوں سب پر معاونت واجب ہے حالانکہ عہد الون پر خلاف شرط کی معاونت نہیں ہو سکتی لہذا استثنا فرمایا۔ بقولہ۔ **إِنَّمَا عَلَى قَوْمِكُمْ وَبَيْنَكُمْ وَمِثْلَهُمْ مَبِيتًا** سولے ایسی قوم کافر کے جملے تھے اور درمیان عہد ہے یعنی یہ مسلمان اگر کسی ایسی قوم کافر پر جہاد کریں جملے تھے اور تم سے مدد چاہیں تو تم ایسی قوم پر انکی مدد کرو اور عہد شکنی مت کرو۔ **وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** اور جو تم کرو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور عدل و صراط سقیم سے برخلاف کوئی کام مت کرو کہ مستوجب عذاب ہو۔ اس جملے سے تہدید مقصود ہے اگر کہا جائے کہ معاہدہ والے کافروں نے اگر ایسے مومنون پر جنہوں نے ہجرت نہیں کی ہر حملہ کیا تو مومنون پر مومنون کی اعانت واجب ہے جو اب یہ کہ اس صورت میں کافروں نے خود خلاف عہد کر کے عہد توڑا تو مدد کرنا خلاف عہد نہیں رہا جیسے بنو خزاعہ کی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم نے مدد فرمائی حتیٰ کہ فتح مکہ کا ہی سبب ہوا چنانچہ سورہ براءہ میں آدیا گیا۔ اور پہلے قول کے موافق ولایت مذکورہ جبکہ معنی ارث و مونت لیا جائے موافق قول جمہور کے تو اسکا حکم اس سورہ کی آخری آیت سے منسوخ ہے جیسا کہ عنقریب آدیا جائے اور واضح ہے کہ ہجرت ان آیات میں قبل فتح مکہ کے ہجرت ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا ہے قولہ حتیٰ یا جہاد سے ہجرت تانیہ ہوگی جو ہجرت اولیٰ کے بعد ثابت ہوئی اور کلام امین عنقریب آتا ہے۔ محصل حکم اس آیت کریمہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے اقسام بیان کر کے ہر ایک کو اپنے ولی سے آگاہ کر دیا اور اس کی ولایت کے احکام بیان فرمادئے چنانچہ مومنون میں مین فریق کئے اول مہاجرین دوم انصار اور ان دونوں میں موالات کا حکم دیا۔ اور سوم مومنین خیر مہاجرین سوائے انصار کے پس ان کے لئے موالات کی نفی فرمائی یعنی تھے ان کے درمیان ارث و حصہ غنیمت کی موالات کو نہیں ہو جیسا تک کہ شے ہی ہجرت کر کے آدین اور بعد ہجرت کرنے کے آیا ان کے لئے موالات کامل ہوگی یا نہیں تو اسکا حکم آگے آتا ہے سب اقسام مومنون بندوں کے تھے اور سب کافر تو انکی نسبت فرمایا کہ **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ** یعنی جو کافر ہندے ہیں وہ بعض اولیاء بعض ہیں اگرچہ طریقہ موالات انکا مانند کفر کے خلاف شرع و موافق راہ شیطانی ہے اور مقصود یہ کہ مدد و میراث میں ان کی ولایت انہیں کے درمیان جاری ہوگی پس تھے ان کے درمیان کچھ میراث ہو موالات نہ ہوگی۔ کافروں کی ملتیں مختلف ہونے کے باوجود ان میں کچھ تفصیل نہیں فرمائی پس ظاہر کلام میں دلیل ہے کہ اگر باپ ہند ہو اور بیٹا نصرانی تو ان میں ارث جاری ہوگا لیکن حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً ہے کہ دو مختلف ملت لے باہم وارث نہ ہوں گے اور مسلمان کسی کافر کا وارث نہ ہوگا اور نہ کافر کسی مسلمان کا وارث ہوگا۔ کما رواہ الحاكم۔ اور تفصیلی کلام امین فقہ کے ابواب احکام اہل الذمہ سے متعلق ہے حاصل یہ کہ مومنون کو آپس میں موالات ہر دو مذکورہ چاہیے اور کافروں سے قطع موالات واجب ہے جو ہر مذہب کی ہے تاکہ فرمائی بقولہ۔ **إِنَّمَا تَقْعَبُوا** اسے قاعلموا فی الموالات کہا میں لکم وان لم تفعلو اما ذکر من تولی المومنین وقطع الکفار۔ یعنی موالات جس طرح بیان کر دی گئی اسی پر تم عمل کرو اور اگر اس کو نہ کرو گے یعنی مومنین ہی سے موالات کرنے کو اور کافروں سے بالکل قطع کرنے کو اگر عمل میں نہ لاؤ گے تو۔ **تَكُنْ فِتْنَةً لِّبَنِي الْاَرْضِ** ضی و فساد کی پٹی زمین میں فتنہ و فساد عظیم پیدا ہوگا جس سے کفر قوی اور اسلام ضعیف ہو جائیگا۔ اور صحیحین میں حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آتا ہے کہ کسی کافر کا وارث نہ ہوگا اور نہ کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہوگا۔ مرفوعاً ہے کہ دو مختلف ملت لے باہم وارث نہ ہوں گے۔ قال الترمذی حدیث حسن صحیح۔ دنی الحدیث میں ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں سکونت رکھے۔ و فی حدیث سمرہ بن جندب قومہ من جامع المشرک و مسکن منہ فادہ مشرک۔ جو مشرک کیساتھ بکجا ہوا اور ساتھ بسا وہ اسکے مثل ہے۔ واضح ہے کہ موالات مسلمان اور قطع کفار پر عمل نہ کرنا ایسے ایسے ظاہری

مذکورہ آیت کریمہ میں مومنون کے لئے موالات کی نفی فرمائی ہے اور کافروں کے لئے موالات کی نفی نہیں فرمائی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہوگا اور نہ مسلمان کسی کافر کا وارث ہوگا۔

و باطنی اسباب سے موجب فساد ہوتا ہے کہ آدمی کی لئے بسا اوقات نہیں ہوتی ہو اور بخدا ان کے یہ جو شیخ حافظ نے ذکر کیا کہ امر حق میں اتنا ہوا
 ہوگا اور کافر دوسرا من غلط ہو جائیگا ہے پس فساد عظیم پیدا ہوگا اور مترجم کتاب کہ سبب معنوی زیادہ سخت ہے وہ یہ کہ اسود و دستور کافروں کے
 اکثر فرین بزیت شیطانی اور غروب نفس امارہ ہیں پس ہر وقت مسلمان کو نفس کی رغبات سے ضعف قلب ہوگا اور اکثر انجام ہی ہوگا کہ خود
 بھی ان امور کی طرف راغب ہو کر ایمان سے ضیغ یا کم ہو جائے۔ اللہم وقتنا وانت ارحم الراحمین۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار
 کے کمال ایمان و طاعت کی تعریف منبرائی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَانصَرُوا أُولَئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں
 ہُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَجَرُوا وَجَاءَهُمْ مَعَكُمْ

تحقیق مسلمان ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی اور جو ایمان لائے پیچھے اور گھر چھوڑ آئے اور اللہ سے ساتھ ہو کر
 فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولَئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

سودہ تمہیں میں ہیں اور اتنے واسے آپس میں خدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں تحقیق اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

ہر چیز پر خبردار ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ - اور جو بندے سبقت کر کے ایمان لائے اور اولی ہجرت

کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کیا یعنی کافروں سے خالص اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو اور وہ مہاجرین سا بقین
 اولین میں بدلیل کلام اللہ یعنی قولہ والذین آمنوا من بعد و ہاجر و انھم۔ وَالَّذِينَ آوَوْا وَانصَرُوا۔ اور وہ بندے جنہوں نے
 رسول اللہ صلعم و مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی اور اعلا کلمۃ الحق۔ و تبلیغ رسالت میں آنحضرت صلعم کی ہاں دمال سے مدد کی۔ اُولَئِكَ
 ہُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔ ایسے بندے جن کے اوصاف مذکور ہوئے وہی تو مؤمنین ہیں۔ یہ بات میں یقین ہو۔ حقا مفعول مطلق فعل
 محذوف ہے جو مضمون سابق کی تاکید کے تاہم اسے حق ذلک حقا پس حذف فعل واجب ہے جیسا کہ علم نحو میں مستقر ہوا۔ اور بعض نے کہا کہ
 تقدیر کلام یون ہے اُولَئِكَ ہُمُ الْمُؤْمِنُونَ ایماناً حقا۔ اے صدقا۔ ہے ایمان لائے ہیں اور تو جہ اسکی یہ ہے کہ اُولَئِكَ ہُمُ الْمُؤْمِنُونَ ایماناً حقا۔
 لیکن اول اربع ہے۔ اُولَئِكَ ہُمُ الْمُؤْمِنُونَ نے لکھا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ان بندوں کے واسطے پاکیزہ شمار و صفت ہے اور غرور و تعالیٰ عزوجل
 سے دنیا ہی میں ان کے واسطے شہادت دیدی کہ ایمان کی منزلت میں وہ انتہا درجہ بلندی پر ہیں جہاں تک کہ اتباع نبوت میں کھا گیا ہے و حدہ
 بزرگ کے مترجم کتاب کہ آنحضرت صلعم منزلت نبوت میں نہایت بالاتر ہیں کہ آپ اور کسی مخلوق کا رتبہ نہیں ہے آپکی اتباع سے یہ مؤمن ہی
 قیاس پر اگلوں و پھلپوں سے بالاتر ہوئے۔ اگر پوچھا جائے کہ اُولَئِكَ ہُمُ الْمُؤْمِنُونَ۔ میں خبر معرفت بالام اور وسط میں تاکید بغیر متصل ہے پس مؤمنوں کا انحصار
 انہیں حضرات مہاجرین و انصار میں ہو گیا تو جواب ہے کہ کمال ایمان ہی مؤمنین تھے اور مترجم کتاب کہ ان بزرگ بزرگوں کے لئے نبوت کمال ایمان کیساتھ
 شام مقصود ہے یعنی آنکھ صفت کمال ایمان ان کے واسطے ثابت ہونے میں کچھ کی نہیں ہے لہذا فرمودہ انفسہ و غارہ جو ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں
 نقص کا بہتان لگاتے ہیں وہ صریح شہادت الہی سے مخالفت کرتے بلکہ گویا اللہ تعالیٰ کی گواہی کے ساتھ معارضہ کرتے ہیں اسبواسطے ائمہ تحقیق

تعمیر کے لئے فرمودہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں میں سے جو کچھ کہو اور کفر اور کفر کے شائبہ میں جان دلی سے کوشش کی ۱۱۰

۱۰
۱

و طارفقہ و اصول نے ان کی تکفیر کی ہے اور ان کو مرتد قرار دیا ہے پس ان کے ساتھ مناکحت و غیرہ جائز نہ ہوگی اور یہ جو بیعتیں فتاویٰ میں منصوص ہیں
 و اللہ اعلم اور اہل حق بسبب انہیں آیات کے جو اللہ تعالیٰ عزوجل کی جناب سے ان کے حق میں پاکیزگی و کمال ایمان کے شہادت ہیں ان کو اہل
 عدلی یقین کرتے ہیں اور جملہ وقائع و معاملات جو ان کے درمیان واقع ہوئے انہیں اپنی رائے سے کوئی فتویٰ خلاف آیات و شہادت الہی کے
 نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عظیم حکیم ہے اس کو گذشتہ و آئندہ کا سب علم ہے پس جو آئندہ واقع ہو اور اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں معلوم تھا اور
 او جو اس کے جب اللہ تعالیٰ نے انکو کمال ایمان فرمایا تو معلوم ہوا کہ یہ وقائع جو ان کے درمیان میں واقع ہوئے انہیں بوجہ نیت خیر و صدق معاملات
 و غیرہ کے کسی کو گناہ نہیں ہوا کیونکہ اگر ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعدیل نہ ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صریح آیات کثیرہ میں تعدیل فرمائی ہے پس یقین ہے
 کہ سب اہل صواب پر ہے ہیں اب ہا یہ کہ ان وقائع کو کس طرح عمول کیا جائے کہ ہمارے علم کے موافق بھی اہل صواب ظاہر ہے تو علماء نے اسکو صحیح بیان کر دیا ہے
 لیکن ابھی یہ ہم اس سے بھی بحث نہ کریں کیونکہ عمل تو آیات سے یقین ہو کہ سب اہل صواب پر تھے پھر اسے لگانے اور توجیہ بیان کرنے میں اپنے
 عقل و معقولات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ مرتبہ صحابہ تمام امت سے افضل ہے خواہ تھے قطب و غوث کیوں نہ ہو مگر ان کے رتبہ
 کو نہیں ہونے کا اور حدیث صحیح میں بھی یہ امر منصوص ہے اور نیز حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ان سے محبت کرنا عین محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے
 بغض رکھنا عین بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے لہذا فرقہ رافضیہ و خارجہ دونوں کے حق میں ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے ہیں
 اور جو ایسا ہو وہ کافر ہے۔ اور آیت کریمہ کی تفسیر سے ظاہر ہوا کہ آیت مکر نہیں ہے بلکہ اوپر کی آیت تو موالات کے بیان میں تھی جس میں ضمناً ان کے
 فضائل ثابت ہوئے تھے اور یہاں صرف ان کے فضائل و مراتب کا بیان مقصود ہے جس سے حکم حدیث المرتع من احب کے انہیں سے موالات کرنا
 ضمناً نکلتا ہے کیونکہ جو کوئی جس سے محبت کرے اگرچہ ویسے اعمال عمدہ نہ رکھتا ہو بسبب محبت کے ان کے ساتھ ہوگا پس جنگی یہ شتا و صفت حضرت
 پروردگار تعالیٰ بیان فرمادے ان سے محبت واجب ہے۔ لَقَدْ مَغْفِرٌ لِّذُنُوبِكُمْ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّةَ اللَّهِ يَكُنْ لَكُمْ جُزَاءٌ كَثِيرٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ
 سے لطافت کیساتھ نکلتا ہے کہ ہمیشہ دوام و استمرار کے ساتھ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی منفرت ثابت ہے پس جو لغزش اُسے ہوئی یا ہو جائے
 سب مغفور ہے اور حدیث صحیح میں اہل بدر کے حق میں ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے واسطے حکم دیدیا کہ جو چاہیں کریں میں نے اس کو بخش دیا۔
 مترجم کہتا ہے کہ جن ہڈوں کے حق میں اس طرح رحمت الہی متوجہ ہو وہ سراسر اپنے مہبود برحق عزوجل ہی کی طرف متوجہ ہونگے پس نادان یہ سمجھے گا
 کہ وہ ہیں جتنے گناہ کریں عمارتیں اور مسجدیں بنیں کہ جگہ جگہ جو بندے اس طرح رحمت میں غرق ہیں وہ سوائے اپنے مہبود کے اور طرف نظر ہی نہ کرے گا کہ جو ک
 ہو جائے اور اللہ آدم علیہ السلام کے لغزش ہو جائے پس خود اللہ کریم کے یہاں قابل عفو و مغفرت ہے۔ فالہم۔ اور قولہ رزق کریم سے یہ مراد کہ جنت میں
 اس کیلئے رزق کریم ہے اور جملہ اسمیہ سے نکلا کہ یہ رزق دائمی ہے کسی منقطع نہ ہوگا۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدِ السَّبْقِينَ إِلَى الْإِيمَانِ وَاللَّيْمَةُ
 اور جو بندے کہ ایمان لائے بعد کو یعنی بیعت سے ایمان لایا اور ان کو ہجرت کرنا اور ان کے بعد کو ایمان لائے۔ وَهَاجِرُوا وَاجْتَاهَدُوا
 اور ہجرت کی اور تھامے ساتھ ہو کر ہجرت کیا۔ فَأُولَئِكَ صَبَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيُخْرِجَ اللَّهُ فِتْنَتَهُمْ وَإِذْ هُمْ مُتَّبَعُونَ
 یعنی اے مہاجرین انصار سابقین یہ لوگ پچھلے بھی تھامے ساتھ لاق ہیں۔ واضح ہو کہ مفسرین نے اس میں اختلاف کیا کہ قولہ من بعد سے کس کے بعد ہونا مراد
 ہے پس مفسر حلال نے مفسران الیہ اسکا سابقین کو قرار دیا ہے بعد السابقین۔ مگر یہاں یہ ضرورت باقی ہے کہ سابقین کسوقت تک ایمان لایا ہے کہ ان کے
 ہیں جنکے بعد ان کی معرفت ہو اور شاید شیخ مفسر نے اسکو معروض قرار دیا کیونکہ ہجرت بجانب منہ منورہ معروف ہے اور بعض نے کہا کہ بعد عروہ بدر کے مراد
 ہے اور بعض نے کہا کہ اس آیت کے نزول سے بعد مراد ہے لیکن اس قول پر صیغہ آمنوا مجاز ہوگا کیونکہ الذین یؤمنون بعد نزول ہذہ الآیۃ۔ ظاہر ہے مگر

اسکے کہا جاوے کہ مبتدا متضمن معنی شرط ہو پس ماضی یعنی مستقبل ہو گا بدلیل آئینہ خیر بنار داخل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ بعد صلح حدیبیہ و معیہ الرسول ان کے مراد ہو گا بلکہ ان سب قول میں یہ کلام ہو گا کہ یہ بدیت کس حد تک ہو اور ظاہر یہ ہے کہ فتح مکہ تک اسکی اتہار ہو کیونکہ بعد فتح مکہ سے ہجرت کا حکم منقطع ہو گیا کیونکہ دارالاسلام ہو گیا اور یہی ہجو کا قول ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ بعد فتح مکہ کے ہجرت نہیں ہی۔ خازن نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ قولہ والذین آمنوا من بعد سے دوسری ہجرت و اسے اہل ایمان مراد ہیں جو فتح مکہ سے پہلے ہجرت کر گئے۔ مترجم کہتا ہے کہ علی بن ابی طالب اور ابوبکر وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی ان لوگوں میں داخل ہونگے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے ہجرت کر کے چلے آئے تھے اور قولہ فالذین آمنوا من بعد سے دوسری ہجرت اسے لوگ نسبت سابقین کے کہ تمہارے اور اولین سابقین ان سے اشرف و افضل ہیں قرطبی نے کہا کہ یہ اسوجہ سے کہ ان لوگوں کی ہجرت کے بعد دوسری ہجرت کا رتبہ اول سے کم تھا اگر کہا جاوے کہ آیت کریمہ میں تو دوسرے کو پہلے میں سے بیان فرمایا ہے تو جواب یہ ہے کہ بیان مدح میں دوسرے کو ان لوگوں کے ساتھ کرنا بطور احوال کے ہو گیا جن سے لاحق کیا وہ ضرور افضل ہیں بہ نسبت ان کے جن کو لاحق فرمایا ہے اور علی نے کہا کہ یہ تنبیہ بیان کسی نے نہیں لکھی کہ دوسرے کا احوال آیا حکم توارث میں بھی ہے یعنی اولین میں موالات وارث جاری تھا وہی دوسرے سے بھی ہو یا نہیں لیکن خطیب نے البتہ منصوص بیان کیا کہ میراث و غنیمت وغیرہ میں جو سابقین کا حال تھا وہی ان کیساتھ ہے اور مترجم کہتا ہے کہ ہجرت ثانیہ اگر بعد صلح حدیبیہ کے لی جائے تو آیت التوارث اگر اس سے پہلے نازل ہوئی ہو تو صرف موالات میں احوال ہوگا نہ احوال میں کیونکہ آیت التوارث سے حکم توارث ہجرت منسوخ ہو گیا فلیتامل۔ پھر واضح ہو کہ ان آیات سے توارث ہجرت جاری رہا پس موالات و ہجرت کو میراث میں قرابت پر تقدیم ہوتی تھی چنانچہ قرابت الاحرام و ما جاتا اور ہجرت سے استحقاق والا وارث ہوتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرمایا بقولہ **وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** اور ناسے والے باہم بعض کیساتھ بعض اولیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم میں یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپس میں ناسے والے میراث کے بارے میں اولیٰ ہیں بعض نے کہا کہ فی کتاب اللہ یعنی لوح محفوظ بعض نے کہا کہ قرآن مجید مراد ہے اور یہ حوالہ ہے آیت التوارث پر جو سورہ نسا میں گذر چکی لیکن اسپر وارد ہوتا ہے کہ اگر وہ ان مقدم حکم ہو چکا تو توارث ہجرت کے کچھ معنی نہ ہونگے اور اس آیت کو حکم توارث ہجرت کا ناسخ نہیں کہہ سکتے۔ اسکو رد کرنا چاہتا ہے اسی آیت سے امام ابوحنیفہ وغیرہ نے میراث ذوی الارحام کو ثابت کیا اور علم التوارث یعنی علم الفرائض والتركہ میں ذوی الارحام ان ناسے داروں کو کہتے ہیں جنکے واسطے کوئی حصہ مقدر نہیں ہے اور نہ وہ حصہ ہیں اور میں جو اختلاف ہے وہ کتب فقہ و فرائض میں معروف و مذکور ہے۔ شیخ ابن کثیر نے کہا کہ آیت میں اولو الارحام سے مخصوص ہے ہی لوگ نہیں مراد ہیں جنکو علم الفرائض واسطے ذوی الارحام کہتے ہیں یعنی جو عصبہ ہوں اور نہ ان کے واسطے سهم مفروض ہو جیسے خالہ و مامون و مہربھی وغیرہ۔ اگرچہ بعض علماء نے یہی زعم کیا اور ذوی الارحام کی میراث میں اس آیت کو لغص صریح تصور کیا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ آیت میں اولو الارحام کا لفظ بنا برکت کے عام ہے جو جمع قرابت کو شامل ہے جیسا کہ ابن عباسؓ جابڈ و عمرؓ و حسنؓ و قتادہؓ و ابوہریرہؓ علماء نے اس پر تفسیر کی ہے کہ اسی آیت سے منسوخ ہوا اور بھلف و مہوالات وغیرہ جس سے اول میں وارث ہوتے تھے اور علی ہذا یہ لفظ ان قرابت داروں کو بھی شامل ہے جنکو اصطلاح فرائض میں ذوی الارحام کہتے ہیں۔ بالکل اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے جملہ اسباب ارث کو منسوخ کر دیا سو اسے قرابت کے نہیں ہے امر مستقر ہوا کہ اہل قرابت ناسے والے اپنے ناسے والوں کے وارث ہوں جیسا کہ علم الفرائض میں مفصل مذکور ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ**۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم ہے یعنی اسپر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے چاہے کوئی شے ہو اور مجملہ ہر شے کے یہ بھی ہوں ان آیات میں مذکور تھا کہ آدمی بہ سبب بیان و ہجرت کے قرابت سے مقدم رکھا وارث کیا جاوے اور اس میں جو حکمت و مصلحت

تھی اس سے اللہ تعالیٰ وانا ترہی پھر فقط قرابت کی وجہ سے میراث کو منحصر کیا پس اب سوائے قرابت کے اور کسی وجہ سے وارث نہیں ہو سکتا
 پس ایمان و ہجرت میں شرکت والا وارث ہوگا اور جو قرابت رکھتا ہو اگرچہ وہ ایمان و ہجرت میں مشارک نہ ہو سے وارث ہوگا۔ فالتمس فی
 العرائس قولہ تعالیٰ۔ والذین آمنوا و ہاجرنا و اوجاہروا فی سبیل اللہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے برحق مومنین کی ثنا و صفت بیان فرمائی کہ ایمان
 لائے و ہجرت کی وراہ حق میں جہاد کیا۔ پس ایمان لایا ہے وہ ہیں کہ ازل میں جب اللہ عزوجل نے ان کو اپنی ذات پاک بقولہ است برکم لیکر
 ہجرت لائی تو رواج سے ازل میں انہوں نے مشاہدہ کر کے قابو پالی سے جو ابدی پس انوار مشاہدہ ازل میں ان اوقات کے ساتھ ازل سے اب تک باقی ہیں
 چنانچہ وہ ان انوار کو معائنہ کرتے اور اس خطاب پاک کے سننے کی لذت و حلاوت پاتے اور ہمیشہ وار و ات غیب سے وجد میں ہو کر غیب پر ایمان
 لاتے ہیں اور ہجرت انکی باطنی یہ ہے کہ دونوں جہان کے حوادث سے الگ اور اپنے حظوظ طبیعت کو چھوڑ کر مومن اور جہاد ان کا یہ ہے کہ محل امتحان
 میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے ہجر و دوری کے خوف سے نفس و شیطان پر جہاد کرتے ہیں اور ان دونوں دشمنوں کے دوسرے و فریب
 سے دور بھاگتے و پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں پس جب ہ ان اوصاف سے متصف ہوئے اور حقائق ایمان
 و عرفان اُنکو حاصل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انکو یقین و ایمان میں صادق و سچا و حقیقت کو پہنچنے والا فرمایا بقولہ اولئک ہم المفلحون حتی برحق
 مومنین یعنی ایمان کی حقیقت و معرفت ان کو حاصل ہو چھرا سکے ساتھ ان کے حال پر دوسرا احسان مزید مغفرت کا مبذول کیا کیونکہ حیات مستعار
 تک بندہ محل امتحان میں ہو پس اندرونی حرکات و خطرات سے محفوظ رہیں اور نیز حقیقت عرفان الہی میں بندہ ہمیشہ قصور و ارتکاب و کمزوری و فضل سے
 بطریق امتنان فرمایا ہم منفرد و رزق کریم۔ ان کو نظر قہر سے پوشیدہ کر دیا تاکہ حوادث قہریات ان کو نہ پہنچیں اور کشف وصال سے انکو
 رزق قرب عطا فرمایا۔ شیخ ابو یزید کا قول ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد اس طرح کہ اسکو چھو کر سے اس طرح کہ جن چیزوں کی وہ الفت رکھتا ہے اس سے
 جہاد کرے اور اہل مال و غیرہ سے اسکا تعلق توڑ کر اسکو راہ حق میں لگا دے بعض نے آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا ہجرت و جہاد انکا یہ تھا کہ بڑے
 ساتھیوں کو بد اعمال کو باطل و حودن کو چھوڑ کر اہل حق کے ہمیشہ صلح ہو گئے بعض نے کہا کہ ایمان لانا انکا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی سطرے دلون کو
 قربان کیا اور ہجرت اس طرح کہ اہل مال کو اللہ تعالیٰ کے ہی واسطے چھوڑا اور جہاد اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہان کو قربان کیا پس جس نے
 قلب کو محبت میں اور ملک کو رضا مندی میں اور نفس و روح کو اس کا کلمہ بلند کرنے اور بول بالا کرنے میں قربان کیا اسے محبت حقیقی کا درجہ پایا
 اور جو حقیقی محبت رکھتا ہے وہی سچا مومن ہے۔ شیخ ابو بکر بن الفارسی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دو باتوں سے جو فضیلت
 حاصل ہو وہ کسی کو لیکن نہیں اول یہ کہ ان کو آنحضرت مسلم کا دیدار و ہمیشہ نصیب ہوئی۔ دوم یہ کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا
 اور باطن سے بالکل اللہ تعالیٰ ہی کی واسطے منقطع ہو گئے اور اپنے نفوس سے غربت اختیار کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان آیت کریمہ میں ان کی
 کمال مدح فرمائی ہے کہ وہ ایمان لائے سلکوت عنیوب پر اور چھوڑ دیا حوادث کو اور سچی طاعت کی واسطے اپنے نفوس پر جہاد کیا وہی تو مومنین سابقین
 ہیں پس اللہ تعالیٰ جن بندگان کی ثنا و صفت فرمائے وہ اور ان سے بدرجہا افضل ہیں کیونکہ معرض مدح میں آنے کیلئے با اختیار آئی ہے لوگ کفار
 ہوئے نہ انکے نہ پچھلے پس وہ دونوں سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر متعالیٰ ہے اگر وہ اور ان کو ایسی طرح کیواسطے پسند کرتا تو ہو سکتا تھا پس جب اسے انہیں کو
 ممتاز فرمایا تو وہی افضل ہیں اور اس سے زیادہ شرف کیا ہوگا کہ حضرت رب العزت جل جلالہ جو انکا خالق ہے ان کی مدح فرماتا ہے۔ قولہ تعالیٰ اولوا الارحام
 بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ جل شئی عظیم مہتر کلمہ کہتا ہے کہ تم نے یہاں ارحام سے نسبت قدم یعنی عدم کو اشارہ میں راویکیر میراث قرب و
 مکاشفات وغیرہ کا وارث میں ان کے لئے اولیٰ قرار دیا چنانچہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے ان آیت میں بیان فرمایا کہ علوم غیبیہ و حکمتائے غریبہ و اخبار

عجیبہ و مشاہدات اسرار جذب و جد و واردات و لطائف مقامات و سیرت عبادات و غیرہ جو انبیاء و صدیقین کی میراث ہے۔ وہ اولوالارحام ہی کو پہنچا
 مخصوص ہے یعنی انہیں سے مریدوں کو ملتی ہے جو طلب میں صادق اور توفیق سے سرفراز اور محبت میں کامل اور یاد حق میں مستغرق اور فکر افعال
 و صفات میں متذکرین ہیں کیونکہ ارحام عدم سے تجلی قدم وہ اسی طرح نکلے تھے کہ مشاہدہ انوار ذات و صفات سے ان اوصاف میں کامل و منظور نظر
 ولایت ہوئے تھے اور یہ ہے وہ لوگ جو زبانی دعویٰ کرتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو منبع نبوت حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام قرار دیتے ہیں
 اور کہتے ہیں کہ ہم فرزندان حق و اس کے محبوب بندے ہیں حالانکہ اتباع نفس و شیطان میں سرگردان ہیں اور اتباع نبوت کا کہیں انہیں نام بھی نہیں
 اور جیسے اہل اسلام میں بھوئے دعویٰ والے عالم و درویش کہ زبانی خدایا سیدہ و پاک اعتقاد نیک کردار بنے ہیں حالانکہ اتباع نبوت و سنت سے
 دور پڑے ہیں اپنے نفس کی خواہشوں میں گرفتار اور شیطانی خطرات کو ایمان سمجھتے اور چال و چلن خلاف راہ صواب و صراط مستقیم کی اختیار کئے
 ہوئے لوگوں کے مال کھاتے اور دنیا پر نظر رکھتے ہیں تو ایسے لوگ بھی اس میراث نبوت و صدق سے حصہ نہ پاویں گے اور کبھی انکو بوسع ملکوت کی
 پاکیزہ ہوا ننگے گی اور کبھی گلشن جبروت سے نسیم گلہائے معطر نہ سونگھیں گے اور کبھی اسرار الحان کی آواز ان کے کالون میں پہنچے گی کیونکہ یہ لوگ
 نفس و شیطانی پروں سے پرواز کرتے ہیں جن کی انتہائی پرواز اُسے پاؤں قمر بدفعالی و خصائل ذمیہ اعتقادات فاسدہ ہیں جو کنارہ
 بہنم پر پہنچاتے ہیں بل انجام ان کا اسی ذوق کی بدبو و بدمنظر و بد غذا ہے جو پردہ اسرار میں ان کو برعکس مزین نظر آتی ہے اور ان لوگوں کے پاس
 وہ پر نہیں ہیں جن سے پرواز حقیقی ہوتی ہے کیونکہ وہ پرواز بیازوسے رسالت و نبوت و محبت و صدق و حیا و ولایت ہوتی ہے چنانچہ نیک خصلت
 و نیک انجام کو ہوا گلشن مشاہدہ و صدق و صفات میں انہیں پروں کے پرواز سے وصول ہوتا ہے اور وہیں پہنچ کر نسیم عطر آگین اسرار الحان پاکیزہ سے
 مشام روح معطر ہوتے ہیں۔ تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصف میں کیونکہ علم منطق الطیر و غیرہ کو ذکر
 فرمایا ہے پس جو کوئی معرفت کے ان طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ساتھ ان کی طرف منسوب ہو وہی ولایت میں اس کا نسب مانا تاہو اور اسکو
 اسی طریقہ کی میراث میں اسی طریق کا علم حقیقت حاصل ہوگا اگرچہ وصول و منزلت میں سبب انہیں ایک ہیں فرق فقط نزدیک و زیادہ نیکی کی
 راہ سے ہے مگر ہم کہتا ہے کہ یہ قول جو عوام میں شہور ہے کہ ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اسکا حاصل یہی ہے جو بیان شیخ کے کلام سے ظاہر
 ہوا۔ پھر شیخ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب لدنی میں اس میراث کی قسمت بیان فرمائی ہے۔ کہا قال تعالیٰ اولی بعض فی کتاب اللہ ہیں
 ہر ایک کی قسمت قبل اسکے اعمال بلکہ قبل وجود کے مقدر ہو چکی ہے پس یہ فضل الہی ہے جسکو چاہا عطا فرمایا اور جو تقدیر پر ایمان نہ لایا وہ کافر رہا۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسمت میراث کا اشارہ فرمایا بقولہ العلماء و رثۃ الابیاء الحدیث یعنی انبیاء علیہم السلام دنیا کمانے کو نہیں لے
 بلکہ بیڈن کو دنیا کے انہماک اس کی وجہ سے جو بد افعال پیدا ہوتے ہیں ان سے پھرانے کو آئے تھے پس مال متاع دنیا ان کی میراث نہیں ہے بلکہ علوم
 حقیقت و معرفت ان کی میراث ہے پس امت کے مومنوں نے بقدر اپنے اپنے حوصلہ و فہم کے ان علوم سے حصہ پایا یعنی جسقدر اتباع شریعت
 و طریقت میں امتی مومن پیش قدم ہوا اسی قدر اس کا ناتا نزدیک ہوا۔ اسی قدر حصہ میراث اسکو زیادہ ملا اگرچہ میراث کاملنا اللہ عزوجل کی طرف
 سے مخصوص ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کو خود عطا کرنے کا دخل نہیں ہے جیسے ظاہری ترکہ کی تقسیم میں خود اللہ تعالیٰ نے تقدیر فرمائی ہے ایسے ہی
 باطنی حقیقت میراث کی تقسیم بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور اسی وجہ سے ان کے احوال متفاوت ہوتے ہیں اور خود اشارہ فرمایا
 بقولہ و یا ابی اللہ و المؤمنون الا ابا بکر یعنی حصہ خلافت و امامت کسی کو نہیں مل سکتا سوائے حضرت ابو بکر کے کیونکہ اتباع میں انکا قدم
 سب سے پیشتر تھا پس ان کا ناتا سب سے اقرب ہوا لہذا حصہ میراث ان کو جناب الہی سے مخصوص ہوا پس اور کسی کو نہیں ملے گا پھر اللہ تعالیٰ نے

تو کہ ان اللہ بکلی شیء عليم۔ سے اس سورہ کو ختم فرمایا۔ اور جیسے حضرت باری تعالیٰ عز شانہ کی ثنا و صفت پاک ہو ویسے ہی اس میں تہنید ہو کہ تو تعالیٰ علم انبی سے عالم ہر اسے ازل میں قبل وجود ان بندوں کے جن کو جسیر میراث ہو نجا ہوا ہے فضل سے ان کو گزیریدہ فرمایا تھا پس صدیقین کو کرامت صدیقیت اور شہداء و صالحین کو اپنے اپنے مرتبہ کی کرامت اسی علم عظیم کے موافق بعد ان کے ایجاد کے ہوئی و قد قال تعالیٰ ولقد اخترنا اہم علی العالمین پس ان اللہ بکلی شیء عليم سے یہ مننی ظاہر ہوئے کہ جو برگزیدگی ان بندوں کیلئے ازل سے تقدیر فرمائی تھی وہ موافق تقدیر کے ان سے ظاہر ہوئی کہ سورت تقار آئی میں پاکیزہ طور سے طاعات ادا کریں گے اور اتہاس میں پیش قدم رہیں گے یہاں تک کہ تمام عالم سے براۃ و بیزاری کر کے خالص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورة التوبة مائة وتسعة وعشرون آية

سورة توبہ مدینہ مکہ اور قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کے مدینہ ہونے پر اتفاق ہو لیکن مفسرین نے اختلاف کی طرف اشارہ کیا بقولہ اول الآيتين آخرها۔ یا سب مدینہ ہو سوائے دو آیتوں کے جو آخر سورہ ہیں۔ اور یہ سورہ ایک سو تیس آیت کی ہے اور مفسرین نے اس میں بھی اختلاف کا اشارہ کیا بقولہ اول الآيتين یعنی بالیک آیت کم پس ایک سو تیس آیت ہوئیں۔ اس سورہ کے بھی مانند سورہ النور کے بہت نام ہیں اذ انجملہ سورة البراءة کیونکہ معاہدہ مشرکین سے برأت ہے یقال بریت منہ وانا منہ بری یعنی جو لگاؤ تیرا اس سے تھادہ لڑنے کاٹ دیا۔ سورة التوبہ کہ اس میں مومنین پر توبہ نازل ہونے کا بیان ہے طریقہ سے روایت ہے کہ تم لوگ اسکو سورہ توبہ کہتے ہو حالانکہ وہ سورة العذاب ہے۔ سورة الفاضلہ کیونکہ اس نے ازل نفاق کو فضیلت کر دیا۔ سورة الجوش و سورة البقرہ و سورة المئیدہ۔ کیونکہ پچھے نفاق کو بھٹ کر کے کھو دیا۔ سورة ممتحنہ و ممتحنہ یعنی بیزاری کیونکہ نفاق سے برأت کرتی ہے اور ایسی ہی سب سے دیگر نام ہیں مانند سورة الكافرون و الحافرون و النکمة و المدثر و المنقرہ۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ بعد فتح مکہ کے نازل ہوئی و عنہ ایضا مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور یہی ابن الزبیر وقتا وہ سے مروی ہے۔ برابر ابن عازب نے کہا کہ آخر جو آیت نازل ہوئی تو لہ سیفتو تک قل اللہ یفتیکم فی الکلام الایہ ہو اور آخر جو سورہ نازل ہوئی سورہ براءة ہو۔ رواہ البخاری پھر بیان ایک سوال وارد ہوتا ہے چنانچہ ترمذی رحمہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ جب عثمان نے صحابہ کے اتفاق سے قرآن مجید کو مصحف میں جمع کر دیا تو میں نے عثمان سے کہا کہ سورة الانفال تو مثالی میں سے ہے اور سورة براءة میںین میں سے ہے پھر آپ لوگوں نے کہوں ان دونوں کو نزدیک کر دیا اور درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا اور سب طویل میں داخل کر دیا تو عثمان نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ زمانہ گذرنا اور آپ پر متعدد آیات کے سورہ نازل ہوتے پس جب آپ پر کچھ نازل ہوتا تو وحی لکھنے والوں میں سے کسی کو پلاتے اور فرماتے کہ اس کو فلان فلان مقام پر لکھو اور سورة انفال تو مدینہ میں اول میں نازل ہوئی اور مدینہ میں سے تھی اور سورة براءة آخر میں نازل ہوئی اور قصہ اس کا اُس کے قصہ سے مشابہ تھا اور آنحضرت صلعم نے وفات فرمائی اور ہم کو نہیں بتلایا کہ یہ سورہ بھی اسی میں ہے اور ہم نے خیال کیا کہ اسی میں سے ہے لہذا دونوں کو ملا دیا اور درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور دونوں کو سب طویل میں رکھا۔ گذر واہ احمد والی و ابو داؤد والنسائی و ابن حبان و الحاکم۔ بعض نے کہا کہ حضرت عثمان کے وقت میں جب قرآن لکھا گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف ہوئے بعض نے کہا کہ سورة انفال و سورة براءة دونوں واحد ہیں اور بعض نے کہا کہ دو ہیں بنی سبط قرآن کر کے درمیان میں بسم اللہ محمدی لکھی اور کثافات وغیرہ میں کہا کہ جنہوں نے اسکو ہی سورة قرار دیا ان کا قول اظہر ہے اس واسطے کہ مجموعہ دو سو پانچ آیتیں ہیں بنی دونوں مل کر طویل سورتوں میں ساتویں سورة قرار دیا جائیگی۔ وقال لمرزحکم قاہرہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے بوجہ عدم یقین کسی جانب کے

سورة التوبة مائة وتسعة وعشرون آية... مواہب اللعین... ترمذی رحمہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ بعد فتح مکہ کے نازل ہوئی...

سطر بسملہ کو ترک کیا لیکن یہ قول بنا بریکہ سملہ واسطے فصل کے نازل ہوئی ہو جیسا کہ قدام خفیفہ کا مذہب ہے۔ وقال المفسر بسملہ اسو سطلے نہیں
 کسی گئی کہ آنحضرت صلعم نے اس کا حکم نہیں دیا جیسا کہ مستدرک عالم کی حدیث سے نکلتا ہے قشیری رحم کا بھی یہی مطلب ہے کہ جبرئیل اس سورہ کیساتھ
 بسملہ نہیں لائے تھے۔ قال المترجم علی ہذا یہ سورہ مستقل ہے اور افعال کا کلمہ انہیں ہی چاہیے اس کا نام علیہ بلکہ متعدد نام سے سہمی ہونا بھی اسی پر دلالت
 کرتا ہے اور یہ امر زمانہ صحابہ نے سے ثابت ہے جیسا کہ حذیفہ نے سے اوپر مذکور ہوا۔ وقال ابو السعود ان ناموں سے مشہر ہونا اسکے مستقل سورہ ہونے
 کی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ علیہ نام سے انہیں صحابہ نے سہمی کیا جو اسکو مستقل سورہ جانتے تھے تو یہ خلاف ظاہر ہے علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ سے
 روایت ہے کہ بسملہ ان ہی اور سورہ برآۃ نازل ہوئی تلوار کے ساتھ۔ امین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترک تسمیہ کی جہ کا اشارہ بتلایا۔ اور ایسا ہی
 سفیان بن عیینہ سے بھی مروی ہے۔ وقال الخفافی گوی قول صحیح ہے۔ ابو السعود نے کہا کہ تسمیہ ترک ہونے کی یہی حکمت ہے کہ سورہ برآۃ تو ان
 دور کرنے کی واسطے نازل ہوئی پس بسملہ سے جو الرحمن الرحیم کو شامل اور موجب مان ہے شروع نہیں کی گئی جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ جب کسی کو پھرتے
 کا خط لکھتے تو ایسے عنوان سے شروع نہیں کرتے تھے پس ترک تسمیہ کی وجہ یہ نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسکے مستقل سورہ ہونے یا غیر مستقل ہونے
 میں اشتباہ تھا جیسا کہ ابن عباس سے حکایت کیا گیا اور یہ رعایت بھی نہیں تھی کہ صحابہ نہیں اختلاف تھا پس ہر دو فریق کی رعایت سے فصل کر دیا
 گیا کیونکہ ترک تسمیہ عدم ترک میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ امر تو یقینی ہے پس جیسے جہاں شارع نے واقع کر دیا ویسا ہی وہاں کیا جائے گا
 اور امین شک نہیں کہ یہاں بسملہ کا نزول نہیں ہوا۔ قال المترجم لیکن یہ اشکال اور ہے کہ افعال ثانی میں سے اور برآۃ میں سے ہے ان
 دونوں کو بیس طویل میں کیوں داخل کیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کو اجماع کے ساتھ موافق ترتیب لوح محفوظ
 کے بارشاد آنحضرت صلعم جمع فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے ذکر پاک کا حافظ ہے پس یہ جمع و ترتیب معصیت و حفظ آتی ہے اور جو حالت موجود ہے
 امین کسی ہم و گمان شیطانی کو دخل دینا لغوی و السلام۔ قال حافظ رحمہ اللہ اس سورہ کا اول حصہ اس وقت نازل ہوا جب آنحضرت صلعم غزوہ تبوک سے
 واپس ہوئے اور آپ نے حج کا قصد فرمایا پھر ذکر ہوا کہ موسم حج میں مشرکین اپنی عادت کے موافق آتے ہیں اور وہ لوگ ننگے طواف کرتے ہیں پس
 ان کے ساتھ خلط ملط ہونا مکرمہ جان کر ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج قرار دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو مناسک حج پر قائم کریں اور مشرکوں کو آگاہ
 کریں کہ اس سال کے بدھے لوگ حج میں آئیں اور لوگوں میں پکارتیں کہ برآۃ سورہ اللہ والایات جب وہ روانہ ہوئے تو انکے پیچھے علی بن ابیطالب کو روانہ کیا تاکہ آنحضرت
 صلعم کی طرف ایسی بات پہنچا دے کہ آپ کا عصبہ پھینکا گیا اور انہیں انکار کیا اور اللہ تعالیٰ انہیں پس پیش یا جائیں یقین لیکر روانہ ہوئے۔ من قولہ تعالیٰ
 بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ

جواب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اسکے رسول سے اور مشرکوں کو جن سے تمکو عہد تھا
 اَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَلِمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ فَخْرٌ مَّا لِكُفْرِيكُمْ وَ
 چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تمکا سکوتے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرتا ہے منکروں کو اور
 اِذْ أَمَرَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ
 سبتا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے رسول سے لوگوں کو دن بڑے حج کے کہ اللہ الگ ہے
 الْمُشْرِكِينَ لَا وَرَسُولَهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ
 مشرکوں سے اور اس کا رسول سوا کرتے تو یہ کرو تو تم کو بھلا ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم

Marfat.com

غیر مخرجی اللہ وکثیر الذین کفروا بعد اب الیمین الا الذین عاہدتم من المشرکین لئلا

تھکا سکے اللہ کو اور غیر مخرجی دے منکرین کو ڈکھوائی باز کی مگر جن مشرکوں سے تم کو عہد تھا پھر

لئلا یفرضوا علیکم شیئا وکم لیطاہر واکلیکم احد فاقوال الیہم عہد ہمارا کی مدت تمہارا ان اللہ یحب المتقین

تصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور عہد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سوا ان سے پورا پورا عہد نہ کیا ہے تک اللہ کو خوش آنے میں احتیاط ملے

بذاتہم من اللہ ورسولہم خبر مبتدا محذوف اسے ہذہ برارۃ من ابتداء یہ متعلق بحدوث اسے واسلۃ من اللہ ورسولہ اور ہاں نہ ہو

کہ صفت موصوف بل کر مبتدا ہو جائے کیونکہ کمرہ مخصصہ ہو گیا اور خبر اسکی را الی الذین عاہدتم من المشرکین۔ لیکن اول اولی

ہے۔ ہمد زبانی قول جو قسم کے ساتھ ہو اور عہد کا خطاب مومنین کو ہو اور الذین موصول بہم کا بیان من المشرکین ہو اور حال یہ تھا کہ مومنین

نے اس سے پہلے مشرکین کہ اور دیگر مشرکین سے مختلف معاہدے کئے تھے بعض میں مدت کا بیان نہ تھا بلکہ مطلق تھے اور بعض میں مدت تھی پس کسی

میں چار مہینہ سے زائد اور کسی میں کم و لیکن اس سے کم مدت کے معاہدہ کا بیان کسی خبر صحیح سے ثابت نہیں ہوتا۔ بہر حال المشرکین سے عہد یا مشرک

مراد ہیں یا خاص ہیں اور معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ داس کا رسول دونوں بری ہوئے اس عہد سے جو تم نے مشرکوں سے باندھا یعنی نے کہا کہ کافروں نے

نقض عہد کیا اس سبب عہد کا پھینک مارنا واجب ہوا لیکن اس قول میں تاں ہو بلکہ اظہار اسلام سے معاہدہ اہل کفر کی تحقیر فرمائی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ

کے عہد سے بری ہونے کے معنی ہیں کہ مومنون کو مشرکین کا عہد ان پر پھینک مارنے کی اجازت ملی۔ یا اسم جلال بغرض توہیل ہے جیسے برارۃ کی تئوین

بغرض تفریق شان برارۃ ہے۔ اور برارۃ کو اللہ تعالیٰ ورسول کے ساتھ اور معاہدہ کو مسلمانوں کے ساتھ اس واسطے معلق فرمایا کہ دلالت ہو کہ مسلمانوں پر مشرکوں

کے عہد ان پر اٹے پھینک مارنا واجب ہو اگرچہ مسلمانوں نے جو معاہدے کئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاق سے کئے تھے

پھر ایمن اختلاف ہو کہ یہ برارۃ کس عہد سے ہو یعنی عہد مطلق سے جس میں مدت کا ذکر نہیں تھا یا چار مہینہ سے کم مدت والے عہد سے یا چار مہینہ سے

زائد والے عہد سے جس میں نقض عہد کیا گیا اور کلام الیمین آتا ہے بالجملہ ہرات کے بعد حکم دیا فیسبحوا فی الارض اربعۃ اشھر۔ ساح

یعنی سیاحت۔ سیر کرنا۔ جانا۔ بولنے والوں نے لکھا کہ سیاحت زمین میں چلنے کو کہتے ہیں جو آسانی و سہولت کیساتھ ہو پس اس اشارہ سے کہ بہت بے گنتے چار مہینہ تک پھینکا

حکم دیا یعنی مشرکوں کو کہا کہ پھر زمین میں بے گنتے چار مہینہ تک ان کوئی نکل نہیں کرے گا جہاں پہنچے اور غریبوں کو کہہ دو واعلموا انکم

لے بیوی کرکے اسات گئے ہو اللہ سے ۳۳

پس مشرکین تو چار مہینہ تک ان کے بعد اپنے آپ کو بے ایمان سمجھیں اور جب مسلمان بھی اقامت ہو جاوین کہ چار مہینہ کے بعد کسی مشرک کے لئے عہد
 و ذمہ نہیں ہے اور نہ آئندہ کوئی مسلمان کسی مشرک سے معاہدہ کر سکتا ہے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ نوین سال ہجرت میں آنحضرت صلعم نے
 حضرت علیؑ کو بھیجا کہ انھوں نے یوم النحر کے روز منی میں باؤ اور بلند اجلام کر دیا ان کلمات کے ساتھ اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ ہو
 شریعت ہو اور کوئی سنگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو توبہ کی طرف بلا یا بقولہ **فَإِنْ تَبَتُّهُ فَبِئْسَ خَيْرًا لَّكَ بَيْنِي**
أَسْرِي میں اسے منکر بند و اگر تم کفر و نافرمانی سے توبہ کر لو تو تمھارے لئے بہتر ہے۔ **وَإِنْ لَوْ كُنْتُمْ كُفْرًا لَّوَدَّ كُفْرًا نَافِرًا** اور نافرمانی
 پر اڑو گے تو تمھارا بڑا ہوا کسی کا کچھ نقصان نہیں۔ **فَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ كُفْرًا فَجَاءَ بِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ** اور یہ جان لھو کہ تم کبھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو
 نہیں ہو اور وہ پاک پروردگار اپنا دین اور اپنا نور پورا کرے گا۔ **وَلَيْسَ الَّذِي يَنْ كُفْرًا وَابْتِغَاءَ آبِ الْيَعْقُوبِ** اور اسے جو صلعم تو کافروں کو
 عذاب الیم کی خوشخبری سناوے۔ کافروں پر حکم ہے کہ توبہ جو خوشخبری سن رکھو کہ تم سب توبہ بندے ہو تمھارے لئے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ دردناک
 عذاب اٹھاؤ گے کہ دنیا میں قتل و قید و خوار ہو گے مال اولاد برباد ہوگی اور آخرت میں عذاب بہنم میں پڑو گے ہاں ان اہل علم ہم مشرکوں
 و عہد الون کو دیا اگر ان میں سے استثناء فرمایا بقولہ **إِنَّا لَنَنصِرُكَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** تمہیں اللہ تعالیٰ سے تم نے عہد کیا
لَكُمْ لَمْ يَنْقُصُوا كُفْرًا۔ پھر انھوں نے تم سے عہد کی شرطوں میں سے کسی شرط میں کچھ نقص نہیں کیا۔ **وَلَمْ يَطَّأْهُرُوا عَلَيْكُمْ**
أَكْفَادًا اور نہ تم پر کسی کی مظاہرت کی یعنی کسی گروہ کافر کے جو تم سے بڑا یا مانند اس کے کوئی امر کیا اس کی انھوں نے معاونت بھی نہیں کی تو۔
فَأَتَمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدْيَنَ پورا کر دو ان کو ان کا عہد ان کی مدت تک کیونکہ عہد پورا کرنا از حوالہ تقویٰ ہے اور حال
 یہ ہے کہ۔ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ** اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو محبوب کہتا ہے و مفسرین نے اس میں اختلاف کیا کہ برآء مذکورہ کن عہد الون
 سے اور کیسے عہد الون سے ہے اور چار مہینہ کی مدت کب تک ہے کیونکہ آگے کی آیت میں ہمارے حرام گزرنے کے بعد ہی مشرکوں کے حق میں یہ
 حکم ہے کہ جان پاؤ قتل کر ڈالو۔ **قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ** رحمہ اللہ اختلافی اقوال ہیں سے ایک یہ ہے کہ اس آیت میں ان عہد الون سے برأت ہو جن کے
 ساتھ مطلق عہد بدون بیان مدت کے تھا یا جن سے چار مہینہ سے کم مدت تک عہد تھا پس ان کے لئے چار مہینہ کی بیعاد دی گئی اور جگہ ساتھ
 اس سے نام کسی مدت معلومہ تک عہد تھا ان کا عہد اسی مدت تک باقی ہے بقولہ تعالیٰ۔ **فَأَتَمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدْيَنَ** اور حدیث میں بھی آیا ہے
 کہ من کان بنیہ و بن رسول اللہ صلعم اللہ علیہ وسلم فعدہ الی مدینۃ یعنی جس کے اور رسول اللہ صلعم کے درمیان کسی بیعاد معلومہ تک عہد تھا اسکا
 عہد اپنی مدت تک ہے اور یہی قول مجملہ اقوال کے حسن اقصیٰ ہے اور اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور مفسر نے ان عہد الون کو بھی اسی میں داخل
 کیا ہے کہ کسی مدت معلومہ تک چار مہینہ سے نام نہ تھا مگر انھوں نے کسی شرط میں خلاف کیا یا مظاہرت کی تو انکا عہد بھی باطل ہو گیا اور یہ بھی صحیح
 ہے۔ **مجاہد** سے مروی ہے کہ صحابہ عہد کو ایزان دیا گیا کہ چار مہینہ امن سے پھر ان اور یہ چاروں مہینے پہلے درپے ہیں پس گیارہ مہینہ ذی الحجہ
 سے لیکر ربیع الآخر کی دسویں تک ہے۔ یہی ہے جو قول ہے۔ **النس بن مالک** سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے برآء کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا
 تھا جب وہ ذوالحلیفہ تک پہنچے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں ہو پنا و بیگا اس بات کو کوئی سوائے میرے یا میرے کسی اہل بیت کے
 پس سکو علی کریم اللہ وجہہ کے ساتھ روانہ کیا۔ **رواہ احمد والترمذی و بیضاوی** نے کہا کہ یہ جو حضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں ہو پنا و بیگا میری طرف
 کوئی سوائے میرے یا میرے اہل بیت کے تو یہ عام پر نہیں ہے یعنی ہر بات میں یہی حکم نہیں ہے کیونکہ اکثر آنحضرت صلعم نے ایسے لوگوں سے
 تبلیغ فرمائی جو اہل بیت سے نہ تھے بلکہ یہ فقط عہد سے مخصوص ہے کیونکہ عرب کی یہ عادت تھی کہ جس قبیلہ کی طرف نقض عہد کا پیغام ہوا سکو وہ

یا اسی کا گھروالا کوئی پہنچائے اور دلیل سپر بعض آیات کے الفاظ ہیں کہ لایلتہما کوئی اس برآة کو نہ پہنچا دے لیخ۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر روایات اسی
امر کو مشعر ہیں کہ فقط برآة مذکورہ کے ساتھ تخصیص ہو۔ بعض نے زعم کیا کہ پہلے ابو بکرؓ کو مقرر کیا تھا پھر معزول کر دیا اور حضرت علیؓ کو مقرر کیا حالانکہ
یہ غلط ہے بلکہ حضرت ابو بکرؓ اسی طرح امیر المومنین اور برآة اہود کے پکارنے کیلئے حضرت علیؓ کو بھیجا تھا چنانچہ محمد بن اسحاق نے امام
ابو جعفر محمد باقرؑ سے روایت کی کہ جب سؤہ برآة نازل ہوئی تو آنحضرت صلیم نے ابو بکرؓ کو معراج کے واسطے امیر کر کے روانہ کیا پھر کہا کہ میری طرف
کوئی ادائے پیغام نہ کرے سوائے میرے اہل بیت کے پھر علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ قصہ برآة لیجاؤ اور یوم النحر کو جب منیٰ میں جمع ہوں تو پکار دو
کہ جنت میں کوئی کافر نہیں اعلیٰ ہو گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک معراج نہ کرے اور کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے اور جس کسی سے آنحضرت صلیم
سے عہد تھا اس کا عہد اسکی مدت تک ہو۔ پس علیؓ آنحضرت صلیم کے نافرمانی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور راہ میں ابو بکرؓ سے مل گئے پس ابو بکرؓ نے
نے دیکھ کر فرمایا کہ امیر ہو یا مامور ہو یعنی مجھ پر سوار کر کے بھیج گئے ہو یا میری ماتمی میں ہو۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ مامور ہوں پھر دو دن چلے یہاں تک
کہ ابو بکرؓ نے لوگوں کو معراج کرایا انی اخر ما قال۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلیم نے ابو بکرؓ کو اقامت معراج اور اعلام برآة دونوں کے واسطے بھیجا تھا
اور وہ دونوں باتوں پر قائم رہا اور حضرت علیؓ کو پیچھے سے اعلام برآة کے واسطے بھیجا تا کہ اہل عرب میں سے کسی کو اپنی عادت کے موافق غدر
نہیے چنانچہ امام بخاریؒ نے روایت کی کہ ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ابو بکرؓ نے اس سال جن چکاروں کو بھیجا تھا ان میں مجھے بھی مقرر کیا تھا
کہ یوم النحر کو منیٰ میں ہم پکارتے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک معراج نہ کرے اور کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔ حمید بن عبد اللہ ثمالی نے کہا کہ
آنحضرت صلیم نے پیچھے پیچھے علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور حکم دیا کہ برآة کو پکارے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ہمارے ساتھ علیؓ نے بھی منیٰ میں یوم النحر
کو بھی پکار دیا۔ دوسری روایت بخاری میں اس مضمون کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یوم الحج الاکبر وہ یوم النحر ہے اور اگر اس جنت سے کہا گیا کہ لوگ معراج
نہیں کرتے تھے پس ابو بکرؓ نے اس سال میں لوگوں کے عہد ان پر پھینک دیا۔ پھر سال حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلیم نے معراج کیا کسی مشرک
نے معراج نہیں کیا۔ اتنی مانی الروایت۔ اور حضرت علیؓ سے نذر امین چار باتیں مروی ہیں یعنی کوئی کافر بھی جنت میں داخل نہ ہو گا اور کوئی مشرک
اس سال کے بعد معراج نہ کرے اور کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے اور جس کے وہ آنحضرت صلیم کے درمیان عہد تھا اس کا عہد اس کی مدت
تک ہے۔ رواہ ابن جریر وغیرہ۔ چھواضیح ہو کہ یوم الحج الاکبر وہ یوم النحر ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور روایت بخاری از ابو ہریرہ اور ترمذی
اور ابن جریر نے خطبہ حجۃ الوداع میں ہا سناد صحیح مرفوع یہی روایت کیا اور ہی ابن مسعودؓ و ابن ابی اوفیٰ وغیرہ بن شیبہ رضی اللہ عنہم و مجاہد و جماعت
کا یحییٰ بن محمد اللہ کا قول ہے اور حضرت عمرو بن عمرو بن عباس طاؤس وغیرہ نے کہا کہ وہ یوم عرفہ ہے اور مجاہد سے یہی روایت ہے کہ جملہ ایام حج میں حسن
پہنچائی ابن سیرین سے مروی ہے کہ یہ نقطہ معراج ابو بکرؓ اور معراج رسول اللہ صلیم کا دن تھا اب نہیں ہے۔ اور معراج اول ہے کہ انص علیہ بن جریر نے اللہ
فی العرائس قولہ تعالیٰ برآة من اللہ رسول اللہ الذین عاهدتم انہم۔ جانتا چاہیے کہ وہ معرفت و محبت و عبودیت کا پورا کرنا نہیں ممکن ہے مگر اسی شخص سے
جس نے عدم سے نکلنے وقت بلو بیت کو بنور الہی مشاہدہ کیا ہے اور جو کوئی محبت و عشق قدیم سے خالی ہو وہ وفار نہیں کر سکتا اور کیونکر وہ فراق کرے
کیونکہ درگاہ کبریا سے مردود ہے اور کسی اہل تکمبول نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان رحمت والوں سے برآة فرمائی جو اپنے نفوس کی خواہشوں و دنیا
و اس کی زینت مجاہد مال و منال کو چھوڑتے ہیں اور داغ فراق ان پر لازم کر دیا کیونکہ عہد اول سے باہر ہو گئے ہیں کاش اگر وہ فراق سے واقف ہوتے
تو اس حسرت میں مر جاتے۔ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول نے سوائے مشرک کے جملہ مذکورہ قبول فرمایا کیونکہ مشرک سے رخصت کوئی ظلم نہیں ہے اس لئے
کہ مخلوق نے اپنے خالق سے منہ موڑ کر یہ غضب سمیٹا کہ دوسری مخلوق کو اپنے ہمہ قدیم خالق عزوجل سے شریک کر دیا بعد ازاں یہ فرقت واقع ہوئی

کیسی سخت بات ہے۔ زمانہ عہد میں تو رسول کی امید تھی کہ ناگاہ غیرت کی بجلی گری اور ان کو لٹکے ہوسات میں جلا کر خاک کر دیا پھر حق تعالیٰ نے انکو
 اتنی مہلت دیدی جس میں کھوئے ہوئے کا تدارک ممکن ہو لیکن یہ بھی تمام محبت ہے۔ کما قال تعالیٰ فی حوائی الارض ربیعہ اشہر۔ اور جہور خلافت کے درمیان
 انکی بد عہدی کا اشتهار دیدیا بقولہ واذ ان من اشد ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ہندون کو یوم عید کی معرفت دیدی اور یہ وہ دن کہ آسمان زمین
 وعرش و کرسی سب مستوی تھے کہ اپنے انہیا رو اولیا کیواسطے کشف جلال فرمایا اور وہ اب بروز عرفہ ظاہر ہوتا ہے پس اس ذریعہ اشتهار دیدیا کہ اللہ تعالیٰ
 ان مشرکوں سے جو اپنی خواہش نفس میں اللہ تعالیٰ واسطے رسول سے محب پڑے ہیں بری ہے اور اس کا رسول بھی ان مردوں سے بری ہے کیونکہ حبیب اپنے
 حبیب سے موافقت کھتا ہے اور غیرت توحید اسی امر کو مقتضی ہے کہ وہی وہ رہے اپنی مراد کا نام بھی ہو۔ ابن عطاء نے کہا کہ جو امر کہ حضرت باری تعالیٰ سے
 مخصوص ہے خواہ صفت ہو یا فعل ہو اس میں جو کوئی بندہ اسکے ساتھ کسی غیر کو شریک کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے غیرت فرماتا ہے یعنی اپنی درگاہ سے اس کو
 محروم کر کے دور کرتا ہے پھر اپنے کرم و رحمت سے ان کو باغ امید سے بالکل خارج نہیں کیا اور توبہ طلب کی بقولہ فان تبتم فو خیر لکم۔ یعنی اگر اپنے نفوس
 کے حظوظ دنیاوی میں نہکٹانے سے پھر اور اپنے قلوب کے حظوظ شاہدہ ربانی میں اذ توبہ تھامنے واسطے ہتر ہے یعنی یہی ہے جو کہہ سرتا ہے جلا
 قرب حضور حضرت باعزت جل سلطانہ میں ہے۔ اہل اشارہ کے نزدیک توبہ یوں ہے کہ مشاہدہ بارگاہ قدیم و درگاہ حق القیوم کے وقت قلب سے حرکت
 بالکل جاتا ہے یعنی قلب کو حادث چیزوں سے حتی کہ اپنے آپ سے بھی لگاؤ نہ رہے اگرچہ خود جیسا حادث ہے ویسا ہی ہے گناہ یعنی فانی ہو کر بانی بقار
 حق القیوم ہو جائیگا۔ شیخ ابو عثمان رحمہ اللہ نے کہا کہ بجز قولہ تعالیٰ فان تبتم فو خیر لکم۔ توبہ ہر عملانی کی گنجی ہے۔ اتنی پھر جن عہد والوں سے برأت فرمائی
 اور انکا عہد ان کو پھینک دیا اور چار مہینہ کی ان کو مہلت دی تو انکے حق میں اور بے عہد نام مشرکوں کے حق میں حکم دیا۔ بقولہ تعالیٰ۔
فَاِذَا انْسَلَخْتُمُ الْاَشْهُرَ الْحَرَامَ فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصِرُوْهُمْ وَهُوَ وَاَقْعُدُوْا
 ہر جب گد جا دین بیٹے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہان باؤ اور کپڑو اور گھیرو اور بیٹو
لَهُمْ كَلِمَاتٌ مَّكَرًا لِّئَان تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ فَاَقْبَلُوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
 ہر جگہ ان کی تاک پر پھر اگر وہ توبہ کریں اور کھڑی کھین نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑو ان کی راہ اشد ہے بشتا ہر بان
فَاِذَا انْسَلَخْتُمُ الْاَشْهُرَ الْحَرَامَ۔ انسلخ اشہروں دن کر کے مہینہ کا پورا ہوتا جانا یہاں تک کہ گزر جائے۔ خجائی نے کہا کہ سلخ کبھی
 بمعنی کشط آتا ہے یعنی پوست کھال انا لینا جیسے سخت الاہاب عن الشاة۔ مذلوہ بکری پر سے مین نے کھال کھینچی۔ اور کبھی اخراج و باہر کرنے
 کے معنی میں آتا ہے جیسے سخت الشاة عن الاہاب۔ مذلوہ بکری کو مین نے کھال میں سے نکال لیا۔ پس مہینہ پر انسلخ کا اطلاق استعارہ از معنی اول
 سے کیونکہ کھال کے مانند زمانہ بھی اشیاء پر محیط ہے۔ اور بیضادی نے دوسرے معنی سے استعارہ قرار دیا کہ باہر گز گیا تو جس کو محیط تھا وہ اس میں سے
 نکل آیا۔ یعنی مومنوں کو حکم دیا کہ جب مہینے گزر جائیں جو حرام ہیں **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوْهُمْ** تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں
 کہیں تم ان کو پاؤ خواہ ایسے مقام میں پاؤ جو حرم کہلاتا ہے خواہ ایسے مقاموں میں جو محل میں۔ اور چاہے کوئی وقت ہو۔ واضح ہو کہ یہاں دو
 مقام ہیں ایک کہ اشہر الحرم سے کون مہینہ مراد ہیں اور مشرکین کا لفظ اہل کتاب بت پرستوں وغیر سب کو شامل ہے یا اہل کتاب کو شامل نہیں ہے پس
 علمائے سہین اختلاف کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اشہر الحرم سے ذی القعدہ و ذی الحجہ و محرم اور جب چار مہینہ مراد ہیں کما فی قولہ نہا ربیعہ محرم۔ اور اسی سورہ میں
 انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر آئی اور یہ قول امام محمد باقر کا ہے لیکن ابن جریر نے کہا کہ آخر مہینہ اس وقت میں آئے جس میں محرم ہے اور اسی کو علی بن ابی طلحہ نے
 ابن عباس سے حکایت کیا اور یہی صحاح کا قول ہے۔ **وَقَالَ الْبَيْضَاوِيُّ** رحمہ اللہ یہ غلظت ہے کیونکہ الاشہر الحرم پر الف لام عہد ہے جو معنوں سابق پر

ولالت کرتا ہے اور نیز یہ مخالف جماعت کو کیونکہ یہ مقتضی ہے کہ ماہرہائے حرام کی حرمت ابھی تک باقی ہو اسلئے کہ جو بعد کو نازل ہوا اس میں اسکا نسخہ کوئی کلام نہیں ہے بالجملہ یہ قول منظور ہے و خلاف سیاق ہے اگرچہ ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ قول دوم یہ کہ مراد ماہرہائے عملیہ ہیں جو قولہ فاتموا ایسہم علیکم میں مقصود ہیں اور یہی مجاہد و ابن ندیم وغیرہ سے حکایت کیا گیا لیکن یہ قول ضعف ہے اس واسطے کہ مدت معاہدہ چند ماہ ہیں پر جمع اشہر کا اطلاق جائز نہیں اور نہ اشہر کی تعبیر میں کوئی وجہ و حسیہ ظاہر ہے اور اسقہ بھی نظم قرآنی میں متعل نہیں ہو سکتا۔ فاتم۔ قول سوم یہ کہ وہ چار مہینہ مراد ہیں جو قولہ تعالیٰ فسحوا فی الاصل ربعہ اشہر۔ میں مذکور ہیں اور یہی بتقریب سیاق و نظم کلام و ازراہ معنی جیسہ ہے اور یہی ابن عباس مجاہد عمرو بن شیبہ ابن اسحاق و قتادہ و سدی و ابن ندیم سے مروی ہے اور یہی ائمہ اہل علم کے قول پر درست ہے اور ان چار مہینوں کو اشہر الحرم اس واسطے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں تک مشرکوں کی جانوں و مالوں کو حرام فرمایا ہے۔ المعنی پھر جب چار مہینہ گزر جائیں جن میں ہم نے تم پر ان کا قتل کرنا حرام کیا ہے تب ان کے گزرنے کے بعد مشرکوں کو جہان کہیں باوجود حسیہ بھی پاؤ قتل کر ڈالو۔ لیکن خانہ مکہ میں قتال اکثر علماء کے نزدیک حلال نہیں ہے و ہوا لاصح۔ اور مشرکین اگرچہ آیت میں عام ہے لیکن مخصوص ہے چنانچہ سنت میں عموماً عورت و طفل کے قتل سے ممانعت ہے اور بوڑھے ضعیف جس سے مہرت نہ ہو وہ بھی قتل نہ کیا جاوے اور ایسی ہی اپنی قتل نہ کیا جائے یا جو ان لیکر آئے اور سدی سے روایت ہے کہ آنحضرت معلوم نے براءہ کے بعد کسی مشرک سے معاہدہ نہیں کیا۔ اور اہل کتاب ایک قول پر داخل ہیں تو وہ بھی در صورتیکہ خواری کیساتھ چیز دینا منظور کریں اس سے مخصوص ہونے اور ایک قول پر داخل ہی نہیں ہیں پس کچھ اشکال نہیں ہیں اور ابن کثیر نے ذکر کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار تلواروں کے ساتھ بیٹھ کر ایک تلوار تو مشرکین عرب کے حق میں کہا قال تعالیٰ فاتموا المشرکین حیث وجدتموہم الا یہ۔ ہذا رواہ ابن ابی حاتم مختصراً اور میرا گمان یہ ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب کے حق میں تھی۔ کہا قال تعالیٰ قاتلوا الذین لا یؤمنون با اللہ و لا بالیوم الآخر و لا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اتوا بالکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوہم صاغرون۔ اور تیسری تلوار منافقوں کے حق میں کہا قال تعالیٰ یا ایہا النبی ہاد الکفار و المنافقین الایۃ سادہ جو تھی تلوار با عینوں کے حق میں کہا قال تعالیٰ وان طائفان من المؤمنین اقتتلوا فاحلوا بینہما فان یفت احدہما علی الاخری فقاتلوا الی تبغی حتی تقی الی امر اللہ الایۃ ساتھی اور چہرہ کے قول پر جن مشرکوں کا عہد بیعہ کی سبب ان کی وفاداری کے پورا کرنے کا حکم ہے ان کے حق میں جیسے چار ماہ کی مدت نہ تھی ویسے ہی بعد چار ماہ مذکورہ گزرنے کے قبل ان کی مدت تمام ہونے کے ان پر یہ حکم بھی نہیں کہ فاتموا المشرکین حیث وجدتموہم مارڈو المشرکین کو جہان کہیں جب پاؤ۔ و کذب و کھس۔ اور ان کو گرفتار کر وینی قیدی و اسیر بناؤ۔ آخیز پر وزن فعل یعنی ماخوذ یعنی پکڑا ہوا۔ و احصروہم بعض نے کہا یعنی حرم میں ان کے آنے کو روکو اور حائل ہو جاؤ اور صحیح معنی یہ کہ ان کو حصار میں محسوس کرو اور قلعوں کا محاصرہ کر لو یہاں تک کہ ناچار قتل ہونے پر رضی ہوں یا اسلام لادیں کہ فساد شرک بدرعملی مٹ جائے۔ و اقعوا علیہم کل قوس صلیا مرصد طرف ہر جہان دشمن کے انتظار میں بیٹھا جائے یعنی گھات کی جگہ کہیں گاہ۔ اور نصب کو بنا بریکہ طرف ہے اور بعض نے کہا کہ علی کل مرصد من صوبہ بنزع الخافض ہے و لیکن اصل صحیح ہے۔ یعنی ان کے لئے ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔ یعنی ان کے لئے تاک لگاؤ بھر اور جس راہ جاوے اسی طرف انکا فساد دور کرنے کیلئے ان کو مارو کر ڈو۔ فان قاتلوا پھر اگر وہ توبہ کریں یعنی جو سبب فتنہ کا تھا اس سے توبہ کریں یعنی شرک کفر سے توبہ کریں۔ و اقاموا الصلوۃ اور اس کو اس طرح ظاہر و ثابت کریں کہ بدنی اعمال میں سے جو سبب اعلیٰ ہے یعنی نماز اس کو قائم کریں یعنی ٹھیک طور سے جمعہ و جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ و اتوا الزکوۃ اور مالی امور میں سے جو سبب اعلیٰ عمل ہے یعنی زکوۃ اس کو ادا کریں۔ انہیں دونوں باتوں پر اسی جہ سے اکتفا کیا کہ بدنی اعمال میں سے یہی دونوں اشرف ہیں اور باقی ان کے تابع ہیں پس مقصود انکے فیاض

وواجبات اسلام کو ادا کریں جنہیں سے اہل و اشراف یہ دہین اور کیا آسان ہیں۔ فخلوا سبیلکم۔ تو تم ان کی راہ خالی کرو جس میں انکو
 قتل کرنے قید کرنے انکا غم کر لو اور انکو شروع کے موافق تصرف کرنے سے روکو۔ رات اللہ غفور رحیم کیونکہ البتہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
 اگلے زمانہ میں جو شرک فساد و بندگان خدا کی ایذا رسانی جو بوجہ ہماہم و کفر کے ان سے صادر ہوئی اسکو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ قال البیضاوی
 آیت میں تفسیر ہے کہ جو شخص نماز کو چھوڑنا یا زکوٰۃ نہ دینا ہو اس کی اہل و چھوڑی جائے گی۔ قال بن کثیر رحمہ اللہ ابن عمر سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ گواہی دین کی کوئی مسجد نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ کے اور یہ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے بندے رسول
 ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ الحدیث فی الصحیحین۔ ابن مسعود نے کہا کہ تم لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز کو ٹھیکہ کرنا اگر اور زکوٰۃ دو سہ برس سے
 زکوٰۃ دی اس نے نماز بھی نہ پڑھی۔ ہا بعد ازاں اسلام و حود اسلام و شرک سے تو یہ کیوں اسلئے ضرور میں ہند جو بیت صحیح میں نماز پڑھنے والے پر کفر کا
 اطلاق آیا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ سے مانع لوگوں پر جہاد کرنے میں ای آیت کریمہ و اسلئے امثال پر اعتنا کیا اور احادیث مانع
 روایت ابن عمر کے اسکی مؤید بہت ہیں وقال عبد الرحمن بن زید بن سلم اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا کہ بڑی زکوٰۃ کے نماز کو قبول کرے اور کہا کہ حضرت
 صدیق رضی اللہ عنہ کیا ایسے کامل فقیہ تھے بیس بن النبی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا کو اس حال سے چھوڑا کہ خالص اللہ تعالیٰ
 ہی کی واسطے توحید کرنا وہی کی عبادت کرتا تھا کچھ بھی اس سے شرک نہیں کرتا تھا تو اس نے دنیا کو ایسے حال میں چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ اس سے رضی ہو
 اور کہا کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے کہ جس کو اس کے رسول لائے اور اپنے پروردگار کے حکموں کو پونچھا دیا لیکن یہ سب
 اس سے پہلے کہ لوگوں کی گڑھی بائیں اور نفسانی خواہشوں کے مقتضی اختلاف میں مل جا دین اور اس کی تصدیق کتاب الہی عزوجل میں موجود ہے
 کہ فرمایا۔ فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ الا یہ کیونکہ ان کی توبہ یوں تھی کہ بتوں سے یا جو چیزیں بتوں کے حکم میں ہیں ان سے اپنی گڑھی چھوڑا اگر فقط
 اپنے پروردگار و وحدہ لا شریک کی عبادت کریں اور نماز ٹھیک ادا کریں و زکوٰۃ صلوس سے دیدین پھر دوسری آیت میں فرمایا فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ
 و اتوا الزکوٰۃ فاخراکم فی الدین۔ رواہ ابن جریر و ابن مردودہ و محمد بن نصر المروزی۔ انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ
 میں لوگوں سے مقاتلہ کروں اسوقت تک کہ لے لو کہ وہی کہ لالہ الا اللہ و محمد رسول اللہ پس جب یہ گواہی دی کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی پروردگار ہے تو
 کوئی اور ایسا نہیں جسکے واسطے جہودیت کی کوئی بات لائن ہو اور گواہی دی کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہمارے قبلہ کا استقبال کیا اور ہمارا
 ذبیحہ کھایا اور ہماری نماز پڑھی تو ان کی جانیں ان کے مال سب حرام ہو گئے مگر جو حق الہی توحید عبادت سے لیکر بڑی بلکہ مردہ لوگوں تک عدل انصاف
 دنیا پڑے گی یا عدا مارا تو قتل میں قتل کیا جائے گا، ان کے واسطے وہی سب برتاؤ ہوگا جو مسلمانوں کے لئے ہے اور ان پر وہی سب لازم ہوگا
 جو مسلمانوں پر لازم ہے۔ رواہ البخاری و اہل سنن الا ابن ماجہ۔ واضح ہو کہ آیت السیف یہی کہلاتی ہے اس کے بعد تمام وہ احکام مرتفع ہو گئے جو
 مشرکوں کے بد اعمال سے چشم پوشی و صبر و غیرہ کے تھے اور حکم دیدیا گیا کہ اگر حقوق الہی توحید عبادت سے لیکر بڑی بلکہ مردہ لوگوں تک عدل انصاف
 و محاکم اخلاق و اذیت سے برتاؤ نہ کریں تو مار کر ان کو راہ راست پر رکھو اور ان کا فتنہ و فساد بندگان خدا سے دور کرو پھر مفسرین نے اس میں
 اختلاف کیا کہ اس آیت میں سے بھی کچھ منسوخ ہوا نہیں صحاح کے سنہی و عطار نے کہا کہ منسوخ ہے بقولہ تعالیٰ فاما من بعد و اما فلا یعنی مشرک قیدی
 پر احسان کر کے چھوڑ دیا فدیہ لیلو۔ مجاہد و قتادہ نے کہا کہ نہیں بلکہ وہی اس سے منسوخ ہے پس احسان فدیہ کچھ نہیں جائز ہے بلکہ اسلام لائے یا قتل کیا
 جائے۔ اور ابن زید نے کہا کہ نہیں بلکہ دونوں حکم میں کوئی منسوخ نہیں ہے اور قرطبی نے کہا کہ یہی قول صحیح ہے کیونکہ احسان کے طور پر چھوڑنا یا
 فدیہ لینا یا قتل کر دینا اول ہی لڑائی ہر سے برابر حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری رہا۔ امام رازی نے کہا کہ دونوں آیتیں باہم متوافق ہیں اور دونوں

1
ع
2

ان امر و دلالت کرتی ہیں کہ جملے سخت گرفت کے بعد ہر ذریعہ اختیار کرنا اور اللہ علم۔
 وَلَنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجْرُكَ سَخِي كَيْسَمَعُ كَلِمَةَ اللَّهِ تَعَالَى فَيَكْفُرُ بِمَا كَفَرَ وَهُوَ يَكْفُرُونَ
 اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اسکو پناہ دے جب تک کہ اس نے کلام اللہ کا پھر پوچھا ہے اسکو جہاد نہ ہو یہ ہوا ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے
 وَلَنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجْرُكَ سَخِي كَيْسَمَعُ كَلِمَةَ اللَّهِ تَعَالَى فَيَكْفُرُ بِمَا كَفَرَ وَهُوَ يَكْفُرُونَ
 ان میں سے کوئی آدمی اور فعل مخلدوں کی تفسیر کرتا ہے۔ قولہ اسْتَجَارَكَ یعنی دان استجارک حدیث میں اللہ کی پناہ طلب الجوار۔ و مراد
 امان چاہنا اور مشرکین سے وہی مراد ہیں جسے بعد افتقار چارہاہ کے تعرض کا حکم دیا ہے۔ والمعنی اور اگر بدت امن گزرے کے بعد امان مانگے تجھ سے
 کوئی شخص ان مشرکوں میں سے جن سے بعد چارہاہ کے تعرض کا حکم دیا گیا ہے۔ فَأَجْرُكَ سَخِي كَيْسَمَعُ كَلِمَةَ اللَّهِ تَعَالَى تاکہ وہ کلام
 الہی کو سنے اور سمجھ کر معلوم کرے کہ وہ ایمان کیا ہے جسکی طرف تم ان کو دعوت کرتے ہو اور اس کی خوبیاں و عہدائیاں اسکو معلوم ہوں۔ تَعَالَى
 مَا أَهْنَهُ بَيْنَ جَانِبَيْنِ مَعْنَى پھر اسکو اس کے دیار میں جہان سے آیا ہے پوچھا ہے اور اگر وہ بالفعل اسلام نہ لائے۔ ذَلِكَ بِمَا كَفَرُوا
 قَوْمًا لَا يَعْلَمُونَ۔ یہ حکم ان میں سے ہے کہ مشرکین ایسی قوم ہے کہ وہ جانتے نہیں ہیں کہ ایمان کیا چیز ہے اور عدل و اخلاق جمیلہ سے کیونکر
 بھرا ہوا ہے پس ضرور ان کو اس طرح امان دیکر سنانا چاہئے تاکہ اس کی خوبیاں پر واقف ہوں اور رحمت الہی ان پر پوری ہو جائے۔ قَالَ بِن
 کثیر و من ہذا کان مسلم یعنی الامان کا چارہ یوم الحدیثیہ جامعہ الی آخرہ۔ مراد شیخ کی یہ ہے کہ یہی حکمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برتتے تھے جس جو کوئی
 راہ ہدایت دریافت کر لے آتا یا اپنی بن کر آتا اس کو امان دیتے چنانچہ حدیبیہ کے روز قریش کی ایک جماعت آنی جنہیں سے عروہ بن مسعود اور
 سہیل بن عمرو وغیرہ تھے کہ صلح کی بابت طرفین سے گفتگو کرتے اور انہوں نے یہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکرم و محبت میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا
 سہانہ کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے یہاں نہیں دیکھا گیا۔ اور اگر آپ بن مبارک پھینکتے ہیں تو وہ لوگ اپنے دامنوں میں لیتے ہیں پس حیران و بہوت
 رہ گئے اور وہاں ہی ہو کر قوم کو اس سے آگاہ کیا اور یہی ان میں سے اکثروں کی ہدایت پر آجائے کا باعث ہوا۔ الحاصل جو کوئی دار الحرب دار الاسلام
 میں پیغام پوچھانے یا تجارت یا صلح چاہنے یا جزیرہ لیکر آنے وغیرہ کاموں کے لئے آنا چاہے اور امام المسلمین یا اسکے نائبے امان مانگے تو اس کو امان
 دیکر آنے دے یہاں تک کہ وہ اپنے وطن کو لوٹ جائے لیکن علماء نے کہا ہے کہ اسکو یہ اجازت نہ دے جائے گی کہ وہیں رہا کرے الا انکہ ذمی ہو کر رہے
 پھر کسی دار الحرب میں نہ جائے یا دیگر طریق تجارت وغیرہ نہ یہاں نہ رہے یا دیگر۔ ان چارہ میں سے کہہ سکتا ہے اور اس سے زیادہ ایک سال سے کم تک
 میں علماء کے و قول ہیں۔ پھر ظاہر یہ ہے کہ اگر رسول اللہ کے حقیقت سے واقف ہونے کے اور کسی عرض تجارت وغیرہ کے لئے امان چاہے
 تو امام کو اختیار ہے چاہے آنے دے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدُوا عِنْدَ الْمَسْجِدِ
 کیونکر ہوسکتا ہے مشرکوں کو عہد اللہ سے اور اس کے رسول سے مگر جن سے تم نے عہد کیا مسجد الحرام میں
 اَلْحُرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا فَاسْتَقِيمُوا وَانِ اللّٰهُ يَحِبُّ الْمُتَّقِينَ كَيْفَ وَاِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ
 ۔ سو جب تک تم سے یہ نہ آئے سیدے ہو اللہ کو خوش آنے میں عیاد والے کیونکر صلح رہے اگر وہ
 لَا يُرْتَابُوا فِيكُمْ وَلَا ذِمَّةٌ يُرْضَوْنَ كَمَا رِضُوا بِأَنَّهُمْ وَتَأْتِي قُلُوبُهُمْ وَأَلْزَمَهُمْ فِسْقُونَ
 اتمہ باوین نہ لگتا کہ میں تمہاری دینداری کا جملہ تم کو رضی کرتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور انکے دل نہیں آتے اور بہت ان میں ہے حکم میں

کیف استقامت تجب لانی کو متقمن معنی انکار ہوا سے لایکون نہیں ہوگا۔ **للمشركین عهدا** مشرکوں کے لئے کوئی عہد عند اللہ
وعند رسولہم۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک۔ حالانکہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول سے
منکر و غدر کر سولے ہیں۔ یعنی جس نے عہد فائدہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے عہد وفا کرنے کا حکم نہ فرمائے گا۔ اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں
کے پاس عہد ہونا تجب ہو۔ نہیں ہوگا کیونکہ تمہارے حق میں وہ غدر دل میں رکھتے ہیں پس تم ان کی طرف سے عہد کا خیال ہی میں نہ لاؤ۔ **والذین**
کھاہد شتم **مہند المسجدا الحرام**۔ بعض نے کہا استثنا متصل ہوئے لاکون للمشرکین **عہد الا الذین عاہدتم**۔ پس مشرکین اپنے
عموم پر ہوگا اور بعض نے کہا کہ الابی لکن ہو پس مشرکین سے وہی مراد ہیں جن سے برآء کی گئی ہو اور معنی یہ کہ لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے مسجد
احرام کے پاس معاہدہ کیا۔ یعنی قریب مسجد الحرام کے حدیبیہ میں معاہدہ کیا اور وہ قریش ہیں کہ حدیبیہ میں اس سال تک کا عہد ان سے کیا گیا تھا
اور وہی سابق میں قولہ **الا الذین عاہدتم من المشرکین** آیت سے مستثنی ہوئے تھے۔ یہی ابن عباسؓ نے فرمایا کہ **روایت** ہے انہیں کے حق میں حکم دیا کہ
فا استقاموا والکم فاستقیوا والکم۔ پس جب تک عہد پر وہ لوگ ٹھیک قائم رہیں اور نہ توڑیں تب تک تم بھی ان کیلئے قائم رہو۔ اس
اشارہ ہے کہ ادھر سے استقامت انہیں کے نفع کیلئے ہو۔ پھر قریش نے آخر میں یہ حرکت کی کہ بنو خزاعہ جو حضرت صلعم کے حلف میں تھے ان سے
بنو بکر سے جھگڑا تھا پس قریش نے بنو بکر کی خزاہ پر مدد کی اور کچھ لوگ ان کے قتل کئے۔ پس عہد توڑا اور آنحضرت صلعم نے حکم الہی حکم کر کے مکہ فتح
کر لیا اور عنقریب دیگا اور نظم کلام میں مشرکوں کی طرف سے عہد ہونے پر تعجب لانے سے اور قولہ **فا استقاموا** سے یعنی جب تک وہ قائم رہیں۔ اس طرف
اشارہ ہے کہ ان کا عہد کچھ نہیں ہو لیکن تم بنظر تقویٰ قائم رہو کہ وہی آخر توڑینگے۔ **سدی** اور ابن اسحاق نے کہا کہ مراد مستثنی سے بنو ضمرہ ہیں کہ قریش کیساتھ
آنحضرت صلعم نے ان سے بھی معاہدہ کیا تھا اور قریش کے عہد توڑنے کے وقت انہوں نے نہیں توڑا پس مراد ہیں نہ قریش کیونکہ امر گذشتہ کی
نسبت کیونکہ یہ فرمایا کہ **فا استقاموا والکم فاستقیوا والکم**۔ کیونکہ آیت بعد فتح کے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ قریش کے ساتھ جنہوں نے تفسیر کی ہے شاید وہ
اس بنا پر ہو کہ یہ آیات قبل فتح مکہ نازل ہوئی ہیں اور جامع البیان میں بھی کہا کہ آیات میں تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کا نزول قبل فتح مکہ کے
ہے واللہ اعلم۔ بالجملہ نزول اگر قبل فتح مکہ کے ہے اور قریش مراد ہیں یا بعد فتح مکہ کے ہے اور بنو ضمرہ مراد ہیں تو جنہوں نے جب تک نقض عہد نہیں کیا تب تک
اہل ایمان کو وفاق عہد کا حکم دیا کہ عہد پورا کرو۔ **ان اللہ یحب المتقین**۔ یہ جملہ تفسیر الیاف عہد یعنی عہد پورا کرو کہ یہ تقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ
اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔ **مفسر** نے قریش ہی کے ساتھ تفسیر اختیار کی لہذا کہا کہ اس حکم الہی کے موافق آنحضرت صلعم اپنے عہد پر قائم رہے
یہاں تک کہ قریش نے خزاہ پر بنو بکر کی مدد کی اور عہد توڑا۔ اور بنو بکر سے قریش مخالفت یعنی باہمی قسم رکھتے تھے اور خزاہ نے عبدالمطلب سے بھی قسم
مضبوط کر لی تھی چنانچہ جب وہ لوگ آنحضرت صلعم کے پاس عبدالمطلب کا نوشتہ لائے تو اپنے اسکو برقرار رکھا اور فرمایا کہ جاہلیت میں جو قسم تھی اسکو سلام
سے اور مضبوطی ہوگی لیکن سلام میں کوئی حلف نہیں ہے پھر بنو بکر و خزاہ میں کچھ خون کے دعوے چلے آتے تھے پس بنو بکر نے قریش سے درخواست
کی کہ خزاہ سے ہم بدلا چاہتے ہیں تم ہماری مدد کرو پس قریش نے مدد کی اور خزاہ کو قتل کیا۔ آخر انہوں نے آنحضرت صلعم کو نظم ایک عرصہ
لکھا اور قسم یاد دلائی اور جب حضرت صلعم کو معلوم ہوا تو اپنے مدد فرمائی اور قریش نے ہر چیز دوبارہ عہد و پیمانہ چاہا مگر منظور نہ ہوا اور مکہ فتح ہو گیا
و الحمد للہ رب العالمین۔ پھر ظاہر یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ **کیف یكون المشركين عهدا** مشرکین کا لفظ مشرکین عرب مشرکین اہل کتاب یعنی یہود وغیرہ
وقیامت تک مشرکین عجم وغیرہ کو شامل ہے۔ اور مستثنیٰ کی طرف بھی کلام ہے چنانچہ عنقریب بیان آدیک انشاء اللہ تعالیٰ۔ بالجملہ بیان اہل ایمان کو استقامت
انکاری کیساتھ مشرکین کے عہد سے تعجب لایا اگرچہ عہد ان کے ساتھ اپنی طرف سے بدون ان کی بدعہدی کرنے کے عہد شکنی سے منع

کہ دیا کیونکہ عہد توڑنا خلاف تقویٰ ہے پھر ظاہر فرمایا کہ شرک والے سبب عام نورا ایمان کے امانت سے خارج اور اپنی ہوا اور اس کے بندے ہوتے ہیں
 لہذا جب جیسا موقع پاتے ہیں وہاں لگتے ہیں اور نفس انکا مقید نہیں چنانچہ فرمایا۔ **كَيْفَ وَرَأَىٰ يَظْهَرُ مَرُوءًا عَلَيْكُمْ لَيْسَ كَيْفَ كَيْفُونَ**
للمشركين عہد والحال انہم ان یظفروا بکم۔ لا یؤخسوا فیکم الا ولا ذمۃ۔ لایرا عوا فیکم قرابتہ ولا عہد اہل یؤکم ما استطاعوا یعنی
 مشرکوں کیلئے عہد کہاں سے یا کیونکر ہو گا ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر قابو پا جاویں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ کسی عہد کا بلکہ
 جہاں تک ان سے ہو سکے تم کو ایذا پہنچا دیں۔ ظہور تجدید علی معنی غلبہ قابو پانا۔ **یقال ظہر علیہ۔** اسپر غالب ہوا۔ **الآل** یعنی قرابت و عہد۔ کما فی
 اصلاح وہاں مراد قرابت ہے بقریبہ قولہ **ولا ذمۃ** اے ضمان و عہد نہیں دو لوزن لفظ کو ایک معنی پر لیکر تاکید قرار دینے سے تاہیں ولی ہے۔ کما اختارہ
 المفسر کیونکہ ذمہ معنی عہد و ضمان متعین ہے اور اسی سے ان لوگوں کو جو دارالاسلام میں جزیہ قبول کر کے کسی بنی باطل پر رہتے ہیں ان کو اہل الذمہ
 کہتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کی ضمانت میں داخل و ان کے معاہدہ میں چنانچہ اہل اسلام پر ان کے جان و مال کی حفاظت موافق شرع کے لازم ہے۔ احوال
 مشرکین نے اپنے نفس کی پیروی کی یہ کیفیت ہے کہ کیسا ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حلف و قسم سے عہد باندھا ہو لیکن اگر تم پر قابو پا جاویں تو نفس
 کی عداوت سے اپنی قسم وغیرہ کا یا قرابت کی رعایت کا جو مکارم اخلاق میں سے ہے کچھ محال نہ کریں گے بلکہ جہاں تک ممکن ہو گا بدی پہنچا دیں گے
 چنانچہ ہونے بارہا آنحضرت صلعم سے عہد و پیمانہ کئے کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہوں گے اور تمہارے دشمنوں کی اعانت وغیرہ کچھ نہ کریں گے پھر جب
 موقع پایا تو عہد و قسم کا کچھ لحاظ نہ کیا اور قریش کے ساتھ سازش کر لی اور دل سے یہی چاہا کہ مسلمانوں کو ضرر پہنچے بلکہ مٹ جا دیں پس ان کے پاس
 امانت و صدق و دیانت کا نام نہیں ہو منہ سے کچھ اور دل میں کچھ اپنے نفس کے بندے اور بھدراں اس حدیث شریف کے ہیں کہ **أدین من سے**
بیرتوہ ہو جو دو منہ والا ہو اس سے ایک منہ سے لبتا اور اس سے دو منہ سے لٹا ہو۔ اگرچہ اصلی بیباکی میں مشرک سب کیساں ہیں کہ اپنے نفس
 کے بندے ہوتے ہیں مگر قریش جیسے امانت میں فی الجملہ اچھے تھے ویسے ہی یہود امین سب بدتر تھے۔ **وقال تعالیٰ۔ یٰرُحْمَؤُا کُفُّوا فِیْ اَہْہِمُ**
وے لوگ تم کو اپنے منہوں یعنی میٹھی باتوں سے رہی کرتے ہیں۔ **وَ تَابِیْ قُلُوبُہُمْ** اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ یعنی عہد پورا کرنے کی
 اور جزائی تمہارے بھلائی کی باتیں کہی ہیں ان کے پورا ہونے سے ان کے دل منکر ہیں بلکہ قابو نہیں پاتے تو ایسا کہتے ہیں اور دل سے ویسے ہی
 بدخواہ ہیں۔ **وَ اَکْثَرُہُمْ فٰسِقُوْنَ** اور ان میں سے ہتیرے فاسق ہیں یعنی عہد توڑنے والے ہیں۔ **وقال البیضاوی قولہ تعالیٰ**
یرضونکم باقواہم۔ جملہ ستانفہ یہ امین ایسی حالت کا بیان ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے عہد پر ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور نہ قابو پانے کی صورت میں
 ان کی رعایت و مروت کر سکتے ہیں اور یہ جملہ قولہ لایر قبوا کے فاعل سے حال نہیں ہو سکتا کیونکہ بعد غلبہ پانے کے وہ مومنوں کو زبان سے
 راضی نہیں کرینگے اور نیز اسوجہ سے کہ مراد تو یہ ہے کہ مومنوں کو فی الحال اس طرح رہنی کہتے ہیں کہ عہد و فار کریں گے اور ہر طرح شریک ہیں گے
 حتیٰ کہ آخر مسلمان ہو جاویں گے اور دل میں کفر و عداوت پوشیدہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ قابو پا دیں تو زندہ بھڑوڑیں پس حالیہ جملہ کفر و قرار
 دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس سے تو یہ نکلیں گا کہ آئندہ بروقت ظفر کے رضی کرینگے اور یہ خلاف مقصود ہے اور قولہ تعالیٰ **وتابی قلوبہم** یعنی حوزبان منہ کی
 باتیں جکتے ہیں ان کے دل میں ان باتوں سے انکار اسکے خلاف ہوتا ہے اور قولہ **واکثرہم فاسقون** یعنی سرکش مترو ہیں انکا کوئی عقیدہ نہیں یعنی
 یقین نہیں کہ وہ انکو روکے اور نہ مروت ہو کہ انکو با دے کہے۔ اور اکثر کی تخصیص اس واسطے ہے کہ بعضے کا ذوق مشرکوں میں ایسی خصلت ہوتی ہے کہ غدر بیوفائی سے
 بچتے ہیں اور جن باتوں سے انکے حق میں بدگویی و ذممت بیان کی جائے ان سے باز رہتے ہیں۔ قلت نہیں بعض مشرکوں میں سے اہل قریش تھے چنانچہ
 آنحضرت صلعم نے قریش کے حق میں فرمایا کہ وہ لوگ اہل امانت و دیانت ہیں اور حقیر تھے ان کے کاموں کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو حقیر دیکھنے کا لیکن

یہ اگلی اہل جنت کا بیان ہے۔ ہر حالت میں کفرین بسبب اندسے بن کے دین پروردی نفس کے انکے عہد کا ہی عموماً کچھ اعتبار نہیں چنانچہ آخر کار انہوں نے بدعتی کی۔ اور انہیں اکثرین سے سب سے اول ہو دینے کہ بڑے بیڑہ بکے واسے منافق بر عقیدہ بدویانیت تھے۔ وقد قال تعالیٰ۔

اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَصْدًا وَعَنْ سَبِيلِهِ ۗ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
 یہ انہوں نے حکم اللہ کے حق پر قیمت پر ہر ایکے ان کی راہ سے وہ لوگ بڑے کام ہیں جو کہ رہے ہیں
 لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا أَقْلًا وَلَا ذِمَّةً ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝

دلائل انہیں کسی مسلمان کے حق میں دینداری کا نہ عہد کا اور وہی ہیں زبانی پر

اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ اے استبداد! بالقرآن قلیل اس دنیا یعنی قرآن کے بدلے لیا۔ انہوں نے قلیل دین کو دنیا میں سے کیونکہ کل دنیا محض قلیل ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ دنیا کی قدر اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پھر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو گھونٹ پانی نہ ملتا۔ بس باوجود اس حقارت کے انکو کل دنیا حاصل نہ ہوتی بلکہ انہیں سے بھی بہت قلیل ملی تو انکی کے پیچھے انہوں نے آیات الہی کو نہ مانا اور اشتراک خرید لیا جیسے یہاں یعنی استبدال بدل لینا مجازاً ہے تو استبدال ہی باین معنی کہ قرآن چھوڑ کر دنیا اختیار کی۔ حاصل آنکہ خواہش نفس کیلئے اتباع حق و آیات قرآن کو چھوڑ کر دنیا کو اختیار کیا اور یہود انہیں بھی سب مشرکوں سے بڑے ہوئے تھے۔ فَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِهِ۔ پس انہوں نے دین الہی سے روکا۔ یا خود منہ موڑ گئے۔ مروی ہے کہ ابوسفیان عرب کی دعوت کو کے چند قلم طعام پر آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں لے لایا اور مروی ہے کہ اہل طائف نے مشرکین کو مال سے مدد دی تھی کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے رسول سے ٹرین۔ اور یہود کے عالم تو یہاں ہو چکا ہے نذرانہ دہریے و دعوہ میں جانتے دہنے کے خوف سے آپ اسلام نہ لاتے اور لوگوں کو آنحضرت صلعم کے شائل پاک و صفت و نعمت سے ہرکاتے مثلاً کہتے کہ آخر اللہ پیغمبر تو سنا لاکھو گرواے بل والا ایسا ایسا ہوگا پس عوام یہودی پیمان لیتے اور حضرت صلعم و قرآن پر ایمان نہ لاتے تھے۔ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ ان کا یہ عمل بہت برا عمل تھا کہ شرک کرنے و عہد توڑنے و آیات الہی کو چھوڑ کر اتباع نفس و متاع قلیل دنیا لیتے اور لوگوں کو راہ حق سے ہرکاتے تھے لایزقیون فی مؤمنین الا و لا ذمۃ۔ اس کی تفسیر اور گدہ چکی اور معنی یہ کہ کسی مؤمن کے حق میں قریب و عہد کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں۔ خاص نے کہا کہ یہ تکرار کلام نہیں ہے بلکہ اول جو کذا راہہ تو تمام مشرکوں کی حالت کا بیان تھا اور یہ مخصوص یہود کا حال ہے بدیل قولہ تعالیٰ اشتروا آیات اللہ ثمناً قلیلاً یعنی منجملہ مشرکین کے یہود ایسے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اول میں تو مخصوص ایک گروہ نہیں کے حقوق کا لحاظ نہ رکھنے کا بیان ہے اور انہیں عموماً سب مؤمنین کا بیان ہے اور بعض نے کہا کہ اول تو قولہ وان ینظروا علیکم لایرہقوا الخ جو اب صورت غلبہ ہے اور یہاں انکے قبیح اعمال کا شمار ہے۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ۔ اور یہی لوگ جن کے اوصاف و صیغہ بیان ہوئے ہیں حد سے تجاوز کر پھوٹے ہیں یعنی عہد شکنی میں۔ یا یہ معنی کہ گسٹی و شرارت و بدکاری میں حد سے گزر جائیو الے ہیں و فی العراس قلم لایرقیون فی مؤمن الا و لا ذمۃ الخ بیان ہے کہ مخالف و ہمینی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اہل جنت کی رعایت نہیں کرتے اور اہل معرفت کا احترام نہیں کرتے کیونکہ انکو معرفت سے نصیب نہیں ہے اور اہل معرفت پر جو کرامات کے انوار ہیں ان کو نظر نہیں آتے ہیں۔ محمد بن فضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مؤمن کی حرمت کرنا اور اسکی تکریم کرنا بڑی طاعت ہے اسی آیت کی دلیل سے۔ قال المسترجم اہل فقہ نے ہی کتاب الکراہیۃ میں اسکے مسائل کو فرمائے ہیں اور شیخ کا استنباط اچھا ہے و باجملہ چھوٹو لوگوں کی تنظیم جب ہے اور مسلمان کا دل خوش کرنا تو اب ہر وہی الحدیث ان تلقی انکاک بوجہ طلیق۔ نیکی ہے کہ بھائی مؤمن سے خندہ پیشانی ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حالت کفر و شرک کے انکے اطوار و صیغہ بیان کر کے لطافت کیساتھ ایمان ہدایت اخلاق کر یہ کیطرن اشارہ کیا بقولہ

فَانْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوْا اَنْكُمْ فِي الدِّيْنِ مَا كُنْتُمْ لِقَوْمٍ لَّعِنْتُمْ فِي الدِّيْنِ

سو اگر توبہ کریں اور کھڑی کھین نماز اور خیرہ میں زکات تو تمہارے بھائی ہیں حکم شرعی میں اور ہم کھڑے ہیں پتے ایک جاننے والے لوگوں کو
فَانْ تَابُوا پھر اگر وہ لوگ توبہ کریں یعنی نقص عہد اتباع نفس اختیار دینا ترک کر دیں وغیرہ سے۔ قتادہ نے کہا یعنی لات وعزری وغیرہ کو
چھوڑیں اور لا الہ الا اللہ و محمد الرسول اللہ کی شہادت دین و اقامہ الصلوٰۃ اور نیک طور پر نماز قائم کریں جو فرض واجب ہیں والذکر
اور زکوٰۃ ادا کریں جن پر واجب ہے چنانچہ ان کے تو انگریزوں سے لیکر انھیں کے فقہوں تقسیم کر دی جائیگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل قرابت
نبی اشم پر مال زکوٰۃ حرام تھا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ کو جو اشراف ہو ذکر فرمایا اور مراد یہ کہ تمام شرائع اسلام کا التزام کریں جنہوں سے اشراف
صلوٰۃ و زکوٰۃ ہی اور ایک بدون دوسرے کے مقبول نہیں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مخرج گزرا وہی اسے حضرت خیر الامۃ صدیق علیہ السلام نے
نے مانعین زکوٰۃ کے اور کہا کہ ان سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا تھا کہ واللہ ان دو چیزوں کو جو نہ ہونے دوں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے یکجا جمع فرمایا ہے
باللہ اللہ تعالیٰ نے جملہ اقسام شرکین کے حق میں حکم دیا کہ اگر توبہ کریں اور نماز قائم و زکوٰۃ ادا کریں۔ فَخِوْا اَنْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ تو دین میں
تمہارے بھائی ہیں یعنی اسلام میں جو تمہارے واسطے ہی وہی ان کے واسطے اور جو تمہارے اوپر ہو وہ ان پر بھی ہوگا۔ اور ایمان تو اس کا علم
اللہ تعالیٰ کو ہے اگرچہ جن لوگوں کے ایمان کامل ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کیلئے آئینہ ہیں اور ان کے مراتب اتحاد کے بہت بڑے ہوتے
ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت نے تازیوں سے قتال حرام کیا یعنی جو لوگ فرانس اور کان اسلام کے پابند ہیں ان سے قتال حرام ہے
وَ كَفَعَلِ الْاٰلِیْتِ لِقَوْمٍ لَّعِنْتُمْ اور فصل بیان فرماتے ہیں ہم آیات کو ایسی قوم کیلئے جو جانتے ہیں یعنی علم و فہم رکھتے ہیں
اور آیات سے مراد اوپر کی آیات متعلقہ باحوال شرکین ہیں کہ ہر ایک میں قلبی بیماری بعد شرک کے وجود متعلقہ سے مختلف اقسام کی ہو گئی ہے
اور چونکہ ان بیماریوں کو اہل علم الہی جانتے ہیں جو منور بنور ایمان ہیں لہذا انھیں کو خاص کیا اور یہ جملہ معترف ہو۔ حاصل یہ کہ مشرکین کے حالات
بیان فرمانے کے بعد حکم میں تفصیل فرمائی کہ فان تابوا یعنی اگر توبہ کریں اور اصل مرض شرک کفر سے توبہ کریں تو ان کا یہ حکم ہے کہ دین میں
تمہارے بھائی ہو گئے ہیں جو تمہارا برتاؤ ہو وہی انکا ہوگا اور اگر توبہ نہ کریں تو شرک ہے۔

وَ اِنْ تَكْتُمُوا اٰیْمَانًا بَعْدَ عَهْدٍ هُمْ وَ طَعَنُوا فِي دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوا اُمَّةَ الْكُفْرِ

اور اگر تو دین اپنی تسمین عہد کے نیچے اور عیب دیوں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں کے

اِنَّهُمْ لَا اٰیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ

ان کی تسمین کہ نہیں شاید وہ باز آدین
وَ اِنْ تَكْتُمُوا اٰیْمَانًا بَعْدَ عَهْدٍ یعنی ایمان بفتح اول جمع میں یعنی قسم و سوگند۔ نکتہ درہل ڈورے کے ہن کھول دینا پھر ہر اُدھیر نے
میں استعمال ہوا اور عہد توڑنے میں مستعار بولا گیا اور مراد ایمان سے یہ نہیں کہ فقط قسم ہوتا کہ ہر قسم توڑ دینا اسے سے قتال لازم آوے بلکہ
عہد و مواثیق مراد ہیں یعنی اگر انھوں نے شرک سے توبہ نہ کی بلکہ تم سے قسم کے ساتھ عہد و بیمان لیا تو جب تک فاکر سے تم بھی قائم رہو جیسا
اوپر گذرا اور اگر ان عہد کو توڑیں۔ مِنْ بَعْدِ عَهْدٍ هُمْ اِنْ تَكْتُمُوا سے انھوں نے عہد باندھا اور قسم سے منکر کیا ہو وَ طَعَنُوا
فِي دِيْنِكُمْ اور تمہارے دین میں طعن کریں یعنی صریح اس کو ٹھلا دین اور لوگوں سے بھوٹا ہونا کھلم کھلا بیمان کرنا اور اس دین
کے احکام کو جو میں عدل و انصاف و صریح اطلاق جلیلہ و پسندیدہ ہیں عداوت کی آنکھ سے دیکھ کر قبیح کہیں۔ فَقَاتِلُوا اُمَّةَ الْكُفْرِ

قوله قتال کروا کہ کفر سے۔ اسے قتل تو ہم ہیں ان لوگوں سے قتال کرو۔ واضح ہو کہ نکتہ عہد ہی ان سے قتال کرنے کیلئے کافی ہے مگر قولہ و طعنوا۔ کو جو اس پر عطف کر کے قتال کا حکم دیا تو مومنوں کو آمادگی دلا دی کہ عہد توڑنا ایسے ہی فساد ہی اور مومن کا کام ہے جو اچھے اخلاق کے پابند نہیں ہوتے کیونکہ اپنے پروردگار سے ڈرتے نہیں اور آخرت سے خوف ہیں جو ان کا جی چاہتا ہے وہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں سے دنیا میں مخلوق کو ہمیشہ خوف ہوا ایذا پہنچنے کی کوئی کام اور کوئی قاعدہ ٹھیک ہو گا لہذا ان کو درمیان سے دور کر کے امن و عدل قائم کرو۔ پھر بجائے قاتلوں صلیب کے قاتلوں ائمہ الکفر سے ان کا حال قبیح ظاہر کر دیا کہ ایسے لوگ کفر ہی پر نہیں بلکہ کفر کے سرغنہ ہیں اور وہ اس فعل سے کفر میں سردار بنے اور قتل کئے جانے کے مستحق ہوئے کیونکہ باقی زمین تو انہیں کی دیکھا دیکھی اور لوگ ان کے تابع ہو گئے بعض نے کہا کہ ائمہ الکفر سے مشرکوں کے بڑھ اور سردار مراد ہیں پس ان کی تخصیص سوا اسے ہی کہ بڑھ ہونے کی وجہ سے ان کے قتل میں زیادہ اہتمام کر دیا اس لئے کہ اسلام کے اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ جب کسی قوم کا سردار اوسے تو اس کو اسکی لیاقت کے موافق ملحوظ رکھیں اور حکم ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے درجہ پر رکھیں لیکن یہاں نکتہ کر دیا کہ ایسے سردار شرک کے بڑے مفسد ہیں ان کی کچھ رعایت مت کرو۔ **اَلْاِيْمَانُ لَيْسَ بِاِيْمَانِ الْاَشْرَاقِ** قرأت ہے اور ابن عباس نے ایمان بجز سولہ پڑھا۔ **قَالَ لَوْ شِئْتُمْ لَوَجَدْتُمْ اِيْمَانًا لَيْسَ بِاِيْمَانِ الْاَشْرَاقِ** یعنی قتال سوا اسے کر وہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے واسطے عہد کا وجود نہیں یعنی خواہش نفسانی کے پابند ہیں پس قسم وغیرہ کسی چیز سے ان کا نفس مقید نہیں تو ان کے پاس عہد کہاں سے آیا۔ اور قسم کہاں سے ہوگی علماء حنفیہ نے اسی سے استشہاد کیا کہ کافر کی قسم کچھ نہیں ہے۔ **وَقَالَ الْبَيْضاوِي** اے ضعیف ہے کیونکہ معنی یہ ہیں لا ایمان لم علی الحقیقۃ اُنکے واسطے درحقیقت قسم نہیں ہے اور مراد اس سے یہ کہ اسپر وثوق نہیں ہے اور یہ معنی نہیں کہ قسم بھی نہیں ہے کیونکہ قولہ تعالیٰ **وَاِنْ نَكُثَا اِيْمَانَهُمْ**۔ دلیل ہے کہ قسم کا انعقاد تھا اس کو توڑ دیا مترجم کتاب کہ کافر کی قسم شروع ہونے میں یہ خلاف ہے اور قولہ **اِيْمَانَهُمْ** سے استدلال ضعیف ہے اسلئے کہ مراد عہد ہے ورنہ قسم کے ساتھ نکتہ مستعمل نہیں بلکہ حنث وغیرہ ہے اور قسم شرعی ہونا کافر کی قسم کا ظاہر ہے حالانکہ حقیقتاً قسم ہونے پر اتفاق ہے علاوہ برین عدم وثوق سے قسم بجا رہے پس شروع ہونا بیکار ہے لہذا فرمایا کہ انہم لا ایمان لهم۔ ان کی طرف سے ایمان کا وجود ہی نہیں ہے ان سے قتال کرو۔ **لَعَلَّكُمْ يَتَّقُوْنَ** تاکہ تم سے باز رہیں اس حال سے جس پر ثابت ہے یعنی قتال سے تمہاری غرض یہ ہے کہ ان اخلاق ذمیرہ سے ان کو پھیر دو کہ جن سے وہ خود خراب اور دوسروں کو خراب کرتے و فساد پھیلاتے ہیں اور یہ مقصود اصلی ہے کہ ان کو موزوں کے طور پر اپنی خوشی کے لئے ایذا پہنچادین۔ بعض نے ان دنوں آیتوں کے معنی یوں بیان کئے کہ قولہ تعالیٰ **فَاِنْ تَابَلَوْا فَاَمَّا الْاَشْرَاقُ** یعنی اگر مشرک لوگ شرک سے توبہ کریں اور نماز قائم کریں و زکوٰۃ دین تو تمہارے بھائی ہیں ان کے ساتھ برتاؤ ایسا ہوگا جیسے بھائیوں سے ہوتا ہے اور اگر کفر میں رہے عہد توڑا یعنی اسلام کا عہد توڑا اور توبہ نہ کرے اورین اسلام میں رہے تو وہ کفر کے سردار ہیں ان کو قتل کر دو کیونکہ شرک کفر کے بد اعمال ہیں ایسے رہے ہوئے ہیں کہ عہد اخلاق میں داخل ہو کر ان سے واقف ہو کر خبر گئے بلکہ اُسے اُنہیں عیب لگایا۔ انہم لا ایمان لهم۔ ان کے لئے اسلام و ایمان کا ثبوت نہیں **قَالَ الْبَيْضاوِي** ترجمہ شد اس سے بعض نے حجت پر مبنی کہ مرتد کی توبہ قبول نہیں بلکہ قتل کیا جائے اور یہ حجت ضعیف ہے سوا اسے کہ شاید یہی قوم کا حال ہو کہ علم الہی میں ان کیلئے ایمان نہیں یعنی کسی قوم خاص کی خبر ہو کہ اے ایمان نہ لادینگے واقول یہ جواب کچھ نہیں اسلئے کہ عموم مشرکین کے حق میں کلام ہے بان و سر اجواب جو دیا وہ البتہ قومی ہے کہ قولہ انہم لا ایمان لهم کے معنی کہ ان کے پاس ایمان نہیں جس کی وجہ سے انکی رعایت کر کے قتال نہ کیا جائے فعلی ہذا اگر توبہ کر کے ایمان کا اعادہ کریں تو مقبول نہ ہونگے اور یہ ظاہر ہے۔ واضح ہو کہ اکثر مفسرین نے آیت کو مشرکین کے عہد توڑنے کے بیان میں لیا ہے مرتدوں کے ارتداد کے معنی نہیں لئے۔ اور اسی سے استدلال کیا کہ جو مشرک ارالہ اسلام میں عہد

بیان کر کے مطیع ہو کر رہیں جس کو ذمی کہتے ہیں اگر وہ دین اسلام میں طعن کرے تو اس نے عہد توڑا۔ قال حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ یہاں سے استنباط کیا گیا کہ جو شخص کہ آنحضرت صلعم کی شان میں بدگوئی کرے کوئی طعن یا عیب لگائے وہ قتل کیا جائے جیسے دین اسلام میں ایسا کرنے سے قتل کیا جائے۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحابہ اجمعین کی شان میں طعن سے قتل کیا جانا میرے نزدیک بھی مختار ہے اگرچہ فقہائے حنفیہ نے اس کے خلاف اختیار کیا ہے۔ پھر جانتا چاہیے کہ قولہ ائمة الکفر کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ قتادہ وغیرہ نے فرمایا کہ جیسے ابو جہل و عقبہ و شیبہ و امیر بن خلف وغیرہ چند مشرکین کے نام بیان کئے جو مشرکوں کے سردار تھے۔ لیکن مترجم کہتا ہے کہ قتادہ وغیرہ کی یہ مراد نہیں کہ جن ائمة الکفر سے قتال کا حکم ہے وہ یہ لوگ مراد ہیں اسلئے کہ یہ لوگ تو بدر و احدی میں فی النار ہو چکے تھے۔ اور آیت کریمہ ظاہر انون سال ہجرت میں بعد فتح مکہ کے نازل ہوئی اور اس سے پہلے ہی نازل ہوئی ہو جیسا کہ بعض آیات میں نازل سے ظاہر ہوتا ہے تو بھی بعینہ یہ لوگ مقصود نہیں بلکہ مثال ہی کہ ائمة الکفر ایسے لوگ ہیں اور سعد بن ابی وقاص ایک خارجی کی طرف گذرے اس نے طعن سے کہا کہ یہ شخص بھی ائمة الکفر میں سے ہے تو سعد نے فرمایا کہ بد بخت جو طعن میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں نے ائمة الکفر سے قتال کیا ہے۔ رواہ ابن مزیہ۔ حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ جو لوگ اس آیت میں مراد ہیں ابھی تک ان سے قتال نہیں کیا گیا اور علی بن ابی طالب سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ قال المترجم یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل نے مومنوں کو آگاہ فرمایا تھا کہ ایسے لوگ ہوں گے جس جہاں ایسا کریں تو تم ان سے قتال کرنا لیکن شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ سبب نزول ان آیات کا مشرکین قریش ہیں اور صحیح یہ ہے کہ آیت کریمہ عام ہے اور مشرکین قریش و دوسروں کو جو ان کے مانند ہوں سب کو شامل ہے اور اسی پر حالت کرتا ہے جو عہد کریم میں جہیر بن نفیر سے مروی ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب لشکر مومنین کو شام کی طرف متوجہ کیا تو ان کو فرمایا کہ عنقریب تم ایسی کافر قوم پاؤ گے جن کے سروں پر چند یا مونڈی ہوئی اور اس پاس بال ہوں گے یعنی پنج میں شیطان کی کھڑی رکھائے ہوئے پس شیطان کی کھڑی پر تلواریں مارو قسم ہے اللہ تعالیٰ عزوجل کی کہ اگر میں ان میں سے ایک کو قتل کر دوں تو دوسرے کافروں میں سے ستر کو قتل کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فقاتلوا ائمة الکفر الایہ۔ اسکو ابن ابی حاتم نے روایت کیا یعنی یہ لوگ کفار جن کی یہ پہچان بتلائی کہ سروں کے بال پنج میں سے منڈائے ہوئے شیطان کی کھڑی بنائے ہوں گے یہ لوگ دنیا میں بڑے مفسدین کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بڑی گستاخ بائین کہتے اور رسولوں پر بہتان باندھتے ہیں اور باوجود اس کے اللہ ملک دولت دے دے جن میں کفر کی ان سے بہت ترقی اور بڑا فساد پھیلتا ہے پس ان کو دفع کرنا بہت بہتر ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ ائمة الکفر اہل فارس و روم تھے یعنی اس زمانہ میں یہ لوگ جو سی و نصرانی تھے اور جن سے روایت ہے کہ یہ لوگ اہل دیلم ہیں۔ صحیح وہی ہے کہ آیت عام ہے کسی زمانہ و کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں ہو چنانچہ اس زمانہ میں بھی جو قومیں کفر و شرک پر ایسی صفت سے موجود ہیں سب ائمة الکفر ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اہل حق کو ہدایت فرما کر قوت دے کہ خود ایمان کامل پر ہو کر نازانہ میں دین حق و عدل پھیلا دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نساد شرک و کفر مٹانے پر آمادہ کیا۔ بقولہ تعالیٰ۔

اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اٰیْمًا كُفَرُوْا بِمَا كُفَرُوْا بِهَا سُوْا اُولٰٓئِکَ اُولُوْا مِرَّةٍ
 کینوں نے طوایف سے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انھوں نے پہلے چھبر کی تم سے
 اَخْضَعُوْا لَہُمْ قَالَتْ لَہٗ اَنْ تَخْشَوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنٰٓیْنَ ۝ قَالِیْ کُوْہُ حُرِّیْعَتٍ بِہُمْ وَاللّٰہُ
 کیا ان سے ڈرتے ہو سوائے کہ ڈرنا چاہیے تم کو زیادہ اگر ایمان رکھتے ہو تو ان سے تا عذاب کرے اللہ ان کو

بَايِدَ يَكْفُرُ وَيُخْرِجُهُمْ وَيُنَصِّرُكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مِّنْ مِّنِيْنَ ۗ وَذُهِبَ

تھارے ہاتھوں اور رُسوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل کتے مسلمان لوگوں کے اور ننگا لے

غِيْظَ قَلْبِكُمْ بِهِمْ طَوَّيْتُ لَكُمُ اللّٰهَ عَلٰی مَنْ يَّشَاؤُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

اون کے دل کی جلن اور اللہ تو بہ دینگا جس کو چاہے گا اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

اَلَا لَقَاتِلُوْا مَنْ - ہمزہ انکاری داخل ہوا یعنی فعل پر پس نفی کی نفی سے اثبات ہوا اور فائدہ اُسکا ساتھ وجود فعل میں ہے کیونکہ کسی فعل کے کرنے کا حکم دینا اس فعل کے وجود کو مقتضی ہے اور اس طرح حکم دینا کہ اس فعل کا عدم نہ ہونے سے زیادہ مبالغہ ہے لہذا مفسر نے کہا کہ اس میں تخفیف ہے یعنی خوب برا بھلا متی و آمادہ کیا یعنی کیوں نہیں مقابلہ کرتے ہواے مومن۔ قَوْمًا تَكْفُرُ اَلَيْسَ اِنَّهُمْ اِسْمٰی قَوْمٍ سے جسکا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قسموں کو اپنی معاہدے کو توڑ دیا جو قسم کے ساتھ تھا اور اس میں یہ بھی تھا کہ تم پر ہم بھی معاہدت بھی نہ کر چکے ہیں۔

اسمیں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اس طرح کہ خزاہہ جو آنحضرت صلعم کے حلیف تھے ان پر جو بیوہ کرنے سے ان کے ساتھ چھاپا مارا تو قریش نے اپنے حلیفوں کی بکری کی معاہدت کی اور حرم تک ان پر چاروں کو فریب سے مارا اور یہ خبر رسول اللہ صلعم کو پہنچی اور خزاہہ نے ظلم و ستم سے بھاگ کر آنحضرت صلعم کو اپنی مصیبت سے آگاہ کیا اور عبدالمطلب حضرت صلعم کے دادا کے ساتھ حلف قرار پانا یا ود لا یابسین آیت کریمہ میں قوم سے یہی قریش مراد ہیں جنہوں نے باوجود قسم و عہد و پیمان کے اس طرح عہد توڑا اور انہیں سے قتال کرنے پر مبالغہ مومنوں کو آمادہ کیا اور کتب سیرت میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور قریش کا عہد حبشہ کی بد عہدی سے ٹوٹا تو حضرت صلعم نے اپنے خلفاء خزاہہ کے ظلم کا بدلہ لینے کو حکم فرمایا اور چھ سال ہجرت تھا اور آخر مکہ فتح ہو گیا اور بہت سے قریش مسلمان ہو گئے اور بہت سے بھاگ گئے آخر وہ بھی آ کر مسلمان ہو گئے اور تھوڑے لوگ بڑائی میں مارے گئے۔ اسی حال میں مومنوں کو حکم دیا کہ ضرور تم ایسی قوم سے لڑو جن کا یہ حال ہے کہ انھوں نے عہد توڑ دیا اور اپنی قسموں کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ وَ هَمَّ اَبَا خُرَاحٍ الدَّرَسُوْلِ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو نکال دینے کا قصد کیا یعنی جبکہ دارالندہ میں شیخ نجدی شیطان کیساتھ بیٹھ کر آنحضرت صلعم کے بارے میں مشورہ کیا تھا جیسا کہ قولہ واذ یکررک الذین کفروا لایذک التفسیر میں مذکور ہے اور ان لوگوں نے نکال دینے و قید کرنے و مار ڈالنے ہر ایک کا مشورہ کیا تھا لیکن یہاں اخراج ہی پر اقتصار کیا اسوجہ سے کہ ظاہر میں یہی واقع ہوا اگرچہ آنحضرت صلعم اپنے اختیار سے حکم الہی وہاں سے نکل کر مدینہ چلے آئے بعض مفسرین نے کہا کہ یہ یہود کے حق میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم کے عہد کو توڑا اور یہ قصد کیا تھا کہ سب مل کر آپ کو مدینہ سے نکال دین بلکہ فریب سے مار ڈالنے کا بھی قصد کیا تھا و آقول فعلی ہذا آیت کریمہ کے بعد فتح مکہ نازل ہونے میں چند ان اشکال نہیں اور بنا بر قول اول کے کہنا چاہیے کہ قولہ براء من اللہ ورسولہ آیات جو بعد فتح مکہ نازل ہوئی ہیں ان سے یہ آیت پہلے بلکہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں ایسی قوم سے قتال کا حکم ہے جنہوں نے عہد توڑا اور اخراج رسول کا قصد کیا تھا۔ وللاذندہ ایک مکان تھا جسکو قریش کے جہڑ علی نقی نے مشورت کیواسطے بنایا تھا اور جب اللہ تعالیٰ عزوجل نے کفر توڑا اور وہ مقام داخل مسجد ہوا تو اب مصلائے حقیقیہ میں مسجد وین شکر باطل ہو کر معبود دین صلیف ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ذلک پھر اس قوم کا حال فرمایا۔ وَ هُمْ بَدَاؤُكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اور حال یہ کہ انھیں نے ابتدا کی تھاکے ساتھ اول بار اس طرح کہ تمہارے ساتھ دشمنی و مقابلہ کیا کیونکہ آنحضرت صلعم نے ان کو دین حق و اخلاق جمیلہ و عبادت کی دعوت کی اور قرآن مجید سے انکی اسکین سے آیات دین اور ان کا خیال باطل توڑنے کو قرآن کے مانند لائے کی تفسیر کی کر جیسا ان سے یہ ہو سکا تو دشمنی کرنے و ایذا دینے

اور اس طرح کہ انھوں نے عہد توڑا اور انھیں سے قتال کرنے پر مبالغہ مومنوں کو آمادہ کیا اور کتب سیرت میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور قریش کا عہد حبشہ کی بد عہدی سے ٹوٹا تو حضرت صلعم نے اپنے خلفاء خزاہہ کے ظلم کا بدلہ لینے کو حکم فرمایا اور چھ سال ہجرت تھا اور آخر مکہ فتح ہو گیا اور بہت سے قریش مسلمان ہو گئے اور بہت سے بھاگ گئے آخر وہ بھی آ کر مسلمان ہو گئے اور تھوڑے لوگ بڑائی میں مارے گئے۔ اسی حال میں مومنوں کو حکم دیا کہ ضرور تم ایسی قوم سے لڑو جن کا یہ حال ہے کہ انھوں نے عہد توڑ دیا اور اپنی قسموں کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

وہاں پٹ و فساد و ظلم پھیلنے کی طرف لوٹ پڑے ہیں مومنوں کو آمادہ کیا کہ تم کو ان کے فساد دور کرنے و دنیا میں عدل قائم کرنے کے لئے ان سے لڑ کر ان کو زیر کرنے سے کون ہاتھ دکتی ہے۔ **اِنَّ شَوْقَ نَهْمِ رَاۤءِہِمْ** کیا تم یہ ڈرتے ہو کہ اگر ان سے لڑو گے تو تم کو ان کی طرف سے برائی پہنچے گی پس ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے قبضہ قدرت میں تمام مخلوقات ہر بدون اس کی تاثیر کے ایک ذرہ نہیں جنبش کرتا کہ اللہ **اَمْحَقَ اَنْ تَخْشَوْا** پس اللہ تعالیٰ ہی سزاوار ہے کہ اس سے ڈرو پس جب سے حکم آیا ہے کہ تم نے انکا شر و فساد و ظلم و عناد مٹانے کیلئے ان پر جہاد کرو اور حکم بجالانے میں ذرا درنگ نہ کرو۔ **اِنَّ لَكُمْ مَوْجِبَۃً مِّنْہِمْ** اگر تم مومن ہو کیونکہ ایمان تو ہی اثر دیتا ہے کہ سولے حق عزوجل کے کسی سے نہ ڈرے۔ جملہ شرطیہ سے شک مقصود نہیں بلکہ آمادگی و دلالتی کہ تم تو مومن ہو اور ایمان ہی چاہتا ہے کہ سولے حق تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے پس فوراً حکم کی تعمیل کرو اور کافروں سے مت ڈرو۔ اس کلام پاک سے جب ان کے دلوں میں المیہ پائی کہ یہ کیا ہے جو جب جہاد موجود ہے تو پھر حکم دیا کہ **فَاتَّقُوا** ہمارے شریکوں کا فرسے قتال کرو اس کا نتیجہ فرمایا کہ **یُعَذِّبُ اللہُ بِآیٰتِہِ لِقَوْمِہِمْ** اللہ تعالیٰ ان کو تھکے ہاتھوں عذاب دے اگرچہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے ان کو عذاب دے اور ایک دم میں نیست کر دے لیکن تمہاری بہتری کے لئے ہی چاہا کہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے۔ **وَسِیْخِزِہُمْ** اور ان کو خوار کرے جیسے وہ تکبر و عجز کرتے و نیک چال چلن والوں کو ستاتے و اپنے نفس کی خوش پر چلنا چاہتے اور برا راست میں عیب لگاتے ہیں۔ **وَعَوْنُہُمْ** اور تم کو ان پر غلبہ و فتح دے۔ یہ مومنوں کو وعدہ ہے کہ ٹھیکے تو ان پر فتح پائیں گے اور انکو قتل و خوار کرنے پر قادر ہوں گے۔ **وَلِیْسَ فِیْہُمْ مِّنْہُمْ** اور قوم مومنین کے سینوں کو شفا دے یعنی بنو خزاعہ جن کو بنو بکر کے ساتھ مدکر کے قریش نے مارا تھا ان کے سینہ جو غم سے بھج رہے ہیں دشمنوں بد عہدوں کو مار کر خوار و ذلیل دیکھ کر راحت پادین۔ بعض نے کہا کہ بنی سبا کے بعضے خاندان نے مکہ میں آکر مسلمان ہو گئے تھے ان کو قریش نے سخت اذیت اور تکلیف دی تھی انھوں نے رسول اللہ صلعم سے شکایت کی تو کہا گیا کہ خوشخبری سنو کہ عنقریب فرحت و راحت آیا چاہتی ہے۔ **وَلِیْسَ فِیْہُمْ** **عَظِیْمٌ** اور مومنین کے دل کا غیظ دور کرے یعنی ان کی طرف سے ذکر و دردا ٹھانے سے جو ان کے دلوں میں جوش غم سے غیظ بھرا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں ان کے دشمنوں کو خوار کر کے دور کرے پوچھا گیا کہ شفا الصدور عطا کرنا اور غیظ قلب دور کرنا تو ایک ہی ہے جواب دیا گیا کہ نہیں بلکہ سینہ کے نسبت دل محل خاص ہے اور بعض نے یوں جواب دیا کہ شفا الصدور وعدہ فتح ہی جس سے سینے خوشی میں پھولے جاتے ہیں اور غیظ قلب دور کرنا تو فتح سے ہی اور مترجم کہتا ہے کہ صدور میں مرض غم تھا اور قلب ان کے سبب ایمان کے باطل تنہا رہتا ہے لیکن ایمان کی ضد جو کفر و شرک ہے اسکا غلبہ دیکھ کر ان کے قلوب میں غیظ تھا وہ دور کرنے کا وعدہ دیا۔ **قَالَ اللہِ بِنَاوِی** یہ آیت کریمہ مجملہ ہجرت کے ہے کہ وقوع سے پہلے خبر فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو پورا کر دیا سنا محمد شہد العلیٰ اعظم ہیں بعض امور محسوسات سے ہیں وہ بھی پورے ہوئے اور بعض امور مخفی دلوں کے اندر تھے وہ بھی پورے کئے اور مفصل قصہ سے ثابت ہے کہ ابوسفیان نے اہل مکہ کی طرف سے پھر جہاد پر جہاد نامہ کرنا چاہا وہ منظور نہیں کیا گیا پھر مکہ پہنچ کر سبب ان چلنے سے سردار مشرکین کے امان دی و لیکن ایک گروہ مشرکوں کا لڑائی پرا لڑ لیا اور مارا گیا پھر آنحضرت صلعم نے خالد بن الولید سردار بعض لشکر کو قتل سے منع کر بھیجا لیکن ابلیس کے سننے میں فرق ہوا اسنے ایسا لفظ کہا کہ جس سے قتل سے ہاتھ نہ اٹھانا نکلتا تھا پس بنو خزاعہ وغیرہ کے دل خوب ٹھنڈے ہو گئے اور یہ تقدیر الہی عزوجل تھی کہ جو موافق ارشاد آید کریمہ کے پوری ہوئی پھر فرمایا۔ **وَلِیْسَ فِیْہُمْ** یہاں سے پھر اخبار شروع ہو کہ کافروں میں سے بعضے کفر سے توبہ کر گئے یعنی وہی جن کے حق میں شہادت الہی علم قدیم میں جاری ہو چکی ہے۔ یعنی اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما دیا جس کے حق میں چاہے یعنی

ازی مشیت سے جس کو چاہا اسکو توبہ کی ہدایت فرما دیا پس سنی توبہ قبول کرے گا۔ قال البیضاوی اور یہ بظہیر بھی واقع ہوئی یعنی ان میں سے
 نسل ابوسطیان و عکریمہ بن ابی جہل وغیرہ کے مسلمان ہوئے اور اچھے مسلمان ہوئے۔ ایک قرآن میں توبہ بظہیر ہے پس ان مقدمہ اور یہ بھی جواب
 امر یعنی قائلوا ہم کے جوابات میں داخل ہو کیونکہ ہر جیسے ایک قسم کے حق میں تعذیب ہو کلاس سے وہ قوم اپنی بدکرداری کی سزا پاتی ہو ویسے ہی
 دوسری قوم کے لئے وسیلہ توبہ ہو۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ اَخْبِرٌ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ہر چیز کو جو ہو چکی اور جو ہو سکی ہے وہ بظہیر کا
 ہے کوئی فعل اسکا حکمت سے خالی نہیں اور کوئی بندہ اس کی حکمت کو نہیں گھیر سکتا ہے بچاری خلق کی کیا طاقت ہے کہ حضرت خالق عزوجل کی
 حکمت پر حاوی ہو سکے۔ اُس کی حکمت بے انتہا ہے پس جو اُسے فرمایا وہ سب برحق ہے اور جو حکم دیا وہ میں صواب اور جس سے منع کیا وہ میں
 حکمت ہے۔ وہی علیم و حکیم ہے واللہ اعلم بہ فی دینی و دنیا مسلما و انت رحم الراحمین **فان العرا لیس**۔ قولہ تعالیٰ اغشونہم فاشترحوا ان تخشوه الا یہ
 امین حق تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرے کہ اس سے مجھے ضرر پہنچے گا یعنی اُس کو خود کچھ قدرت
 مجھے ضرر پہنچانے کی ہے تو اُس کو معرفت میں کچھ نصیب نہیں۔ دشمنوں کو اپنے مطیع بندوں کی آنکھوں میں حشر کر دیا کہ بھلی باتیں سمجھاتے دیکھتے ہیں اور بڑی
 باتوں سے ممانعت و روکنے میں کچھ گھبراہٹ نہ کریں۔ اور اپنی ہیبت و جلال کے نور سے اُن کے دل بھر دیئے اور دین میں براہنست و نہی ملی بیان
 باتیں کرنے سے اُن کو پرہیز کرنے کا حکم دیدیا اور اپنا جلال و کمال بچھو کر ان پر ظاہر کر دیا کہ تمام مخلوق اُسکے قبضہ قدرت میں سخرے کسی کو کچھ طاقت
 نہیں کہ سرٹاٹھے اور کسی میں قوت نہیں کہ بے قدرت حق جنبش کرے سب کے سب عاجز مخلوق ہیں معنی یہ کہ کیا تم ان مخلوق سے ڈرتے ہو حالانکہ
 تم پر بوبیت کے تحت میں مقہور و سخر بندے ہیں۔ ہاں مجھ سے ڈرو کہ میں پروردگار کا ماہر ہوں جو میرے اولیائے سے بڑا وہ میرے قہر و جلال
 میں تا ابد مقہور ہوا۔ اور ان کو اپنے سے خوف کرنے کا حکم دیا تو نام پاک جامع یعنی اللہ۔ ذکر فرمایا اور یہ نام پاک عین الجمع میں عین ذات صفات ہے
 بعض نے کہا کہ خشیت تو ذات کے واسطے ہے اور خون صفات کیلئے ہے۔ کما قال تعالیٰ یخشونہم وہم و بجانہم سورۃ الحساب یہ یخشونہم کا امتحان فرمایا بقولہ تعالیٰ
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَاْتُرُوْا عَلٰی لَدُنِّ اللّٰهِ اَنْ تَنْجُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
 کیا جانتے ہو کہ پھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کہ اللہ نے تم میں سے جو لوگ ڈرتے ہیں اور نہیں بگڑا انہوں نے سوائے اللہ کے
وَلَا رَسُوْلٍ وَّلَا مَوْمِنٍ وَّلِيْبَةٌ وَّاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
 اور اُس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو مجیدی اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے کام کی
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَاْتُرُوْا عَلٰی لَدُنِّ اللّٰهِ اَنْ تَنْجُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور بعض مفسرین نے کہا کہ خطاب منالقول کو ہر اور
 حق ہے ہر کہ خطاب اہل ایمان کو ہے لیکن منافقین چونکہ ظاہر میں اسلامی احکام میں شریک تھے لہذا امتحان میں ان کا اخراج مقصود ہے۔ آم منقطعتہ
 بل ہے اور یہ اضراب ہر ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف پہلے بیان ہے کہ ہر جہاد جیسے دنیا میں باعث عزت و حرمت و امن و عدل ہے
 ویسے ہی دین میں علامت ایمان و کمال رغبت آخرت و مورث ثواب جزیل ہے۔ اور اس مقام امین تو بیچنے کے لئے ہے اور جو تو بیچ اس حبان
 و خیال کرنے پر ہے اور معنی یہ کہ کیونکر تم نے یہ خیال بانڈہ لیا کہ۔ اَنْ تَاْتُرُوْا عَلٰی لَدُنِّ اللّٰهِ اَنْ تَنْجُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
 سیدوئے کے قول پر ان تتر کو ایمان دونوں مخلوق کے قائم مقام ہے اور میرے نزدیک مفعول و مفعول ہوا ہے ان تتر کو اللہ کے غیر ان تتر کو با بظہیر یعنی اللہ
 یعنی کیونکر تم نے خیال لیا کہ تم لوگ ایسے ہی چھوٹے جاؤ پڑن اسکے کہ امتحان کے ہلکے آیت کریم میں منافی کھل جائے اور ہر جاؤ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
 تَعْمَلُوْنَ اور حال یہ کہ ظاہر نہیں ہوئے تم میں خاص لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہلکے کرتے ہیں ان لوگوں سے جو خاص نہیں ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

لہ حبان اہم شکر طاعت و زکات

۸

لما حوت نفی مع معنی توقع یعنی اب تک نہیں کھلے لیکن آئندہ کھل سکتے ہیں بخلاف معنی تم کے اور یہی دونوں میں فرق ہے اس میں علم کی نفی فرمائی حالانکہ تم نے
 اسے ان لوگوں کی نفی ہے جن سے ایسا علم متعلق ہو پس یہ بطریق مبالغہ ہے کیونکہ علم کی نفی کو یا دلیل ہو معلوم کی نفی پر کیونکہ علم ہونا تو مستلزم ہے کہ معلوم
 کا وجود ہو پس جب علم نہیں تو معلوم بھی نہیں کیونکہ جو تا تو اس کا بھی علم ہوتا لیکن حرف لیس میں جو معنی توقع میں اس سے تشبیہ کر دی کہ عنقریب ایسا
 واقع ہو گا اور اس طرح تعبیر کرنے میں کہ علم الہی نہیں ہے یہ فائدہ ہے کہ ایسا ظہور مقصود ہے جو مدار ثواب و عقاب ہوتا ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ تم نے
 یہ سوچ کر خیال کر لیا کہ تم ایسے ہی خلط ملط پھوڑے جاؤ گے اور قتال جہاد کے بجائے پر ماور نہ ہو گے جس سے اخلاص اے اور نفاق منحلے
 ظاہر ہو کر ثواب عقاب کے مستحق ہوں اور حال یہ ہے کہ ابھی تک مخلص منافع متمیز نہیں ہوئے اور علم الہی ان لوگوں سے متعلق نہیں ہوا جو تم میں سے
 خالص مجاہد ہیں یعنی اخلاص اے متمیز نہیں ہوئے اگرچہ تم میں سے خلط ملط میں سے اللہ تعالیٰ کو مخلص منافع ہر ایک معلوم ہیں اور قولہ **وَكَفَر**
بِتَيْبَتِنَ وَأَهْلِ ذُوقِ اللَّهِ وَكَارَسُوْلِهِ وَكَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْبَيْتِ الْحَرَامِ عطف ہے جاہل پر اور داخل صلہ ہے یعنی ظاہر نہیں ہوئے
 تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے جہاد کیا یعنی مخلص ہیں اور نہ وہ لوگ جنہوں نے نہیں بنایا سوائے اللہ تعالیٰ واسکے رسول و مومنین کے اور کسی کو وجہ
 یعنی بظاہر اندرونی دوست جس سے موالات کریں اور اپنا معیار اس سے ظاہر کریں۔ **الْوَجْهَ** یعنی دخول ازون مع صلح ہے ولیم یعنی و خلیہ ابو عبید
 نے کہا کہ کسی چیز میں جو ایسی چیز داخل کی جائے کہ اس میں سے نہیں ہو وہ ولیم و خلیہ ہے اور مرد و تشبیہ جمع سب کے واسطے ہی لفظ واحد کافی ہوتا ہے
 اور کبھی جمع اس کی دلائل و وجہ ہما تہ صحائف و صحف جمع صحیفہ کے لاتے ہیں اور منافقین چونکہ اہل شرک کفر میں سے پوشیدہ دوست بناتے تھے
 بریں نظر فتادہ و ضحاک نے خفیہ دوست کے ساتھ تفسیر فرمائی اور راغب نے مفردات میں کہا کہ ولیم از و خلیہ نہیں بلکہ جس کو آدمی اپنا مستعملیہ
 بنا لے وہ ولیم ہے و بنا برین حاصل یہ ہو گا کہ ایسے لوگ متمیز نہیں ہوئے جنہوں نے سوائے اللہ تعالیٰ و اس کے رسول و مومنین کے کسی کو اپنا
 مستعملیہ نہیں بنایا اور مقصود یہ ہے کہ تم لوگ ضرور جہاد سے مکلف کئے جاؤ گے تاکہ ظاہر ہو جاؤں جہاد و اسے اور جنہوں نے سوائے اللہ تعالیٰ و رسول
 و مومنین کے باطنی دوست نہیں بنایا یعنی مخلصین و منافقین کھل جاؤں۔ **وَ اللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ** اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے
 خبردار ہے یعنی تمہارے کاموں سے جو تمہاری عرض ہے اور جو تمہاری نیت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور جو فرمایا کہ **لَمَّا عَلِمَ اللَّهُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا**
جَاهِلِيَّةَ قُوَّةٍ مَشْرُكَ مَنَافِقِينَ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب و الشہادہ ہے دونوں کے معیار کو جانتا اور تمام
 مخلوق کی حقیقت و ماہیت کو اور جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو گا سب کچھ اسکے حضور و علم میں قطعاً ایسی طرح معلوم ہے کہ کسی کا علم ایسا ممکن نہیں ہے
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يَقُولُ الْمُؤْمِنِينَ أَصْحَابُ اللَّهِ قَدْ كَانَتْ فِي قُلُوبِهِمْ آيَاتٌ لِّمَن يَعْلَمُ
 منکر اشارت سے خطاب میں وہ دعویٰ بھی داخل ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ مرتبہ احسان یعنی حقیقت خالی و عوسے سے حاصل ہو جاتا ہے بدن
 اسکے کہ معنوی تحقق ہو پس ان کو ایسے خیالات پر مفرد ہونے سے ملامت فرمائی گئی اور ارشاد ہوا کہ جو کوئی اپنی ہستی کو اپنے خالق پاک کے لئے
 قربان کرنے والا نہ ہو اور غلوں کے ساتھ بشریت کے خصائل و مہمہ زائل کر کے معرفت حاصل کرے اللہ اللہ ہو اور اولیاء الہی کی صحبت میں صدق
 ارادت سے کمال حاصل کرے اللہ اللہ ہو ۱۱ اپنے اوہام میں خلط و خیالات میں خطا کا رہے گا اشریہ الیہ بقولہ تعالیٰ **وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ**
وَلَا الْمَنِينِ رِجْئًا پھر اپنے کلام پاک یعنی قولہ **وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ** سے انکو حال دعویٰ و باطل خیال سے ڈرا یا کہ اللہ تعالیٰ سب خیالات نیت
 و خطر سے آگاہ ہے اسکو ہر دم اپنی نیت حال کا عالم تصور کر کے شرم رکھو اور ہوشیار رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اوہام کو بابت بعض افعال
 کے جو پہلے کاموں کی صورت میں خصوصاً مشرکین کے اوہام کو تشبیہ کے ساتھ مثالیاً بقولہ تعالیٰ۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشِكْ إِلَى اللَّهِ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا

مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ طَوْقًا لَّيْهَدِي

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يَكْتَسِبُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ

وَبِحَبْلِ لَحْمٍ فِيهَا أَعْلَمُ مُقْتَدِرًا ۝ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ آجُرٍ عَظِيمٍ

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ - لے ماصح لہم یعنی مشرکین کے حق میں صحیح نہیں ہے۔

ان کی مسجدوں کی عمارت کریں۔ یعنی کسی مسجد کی عمارت ان سے صحیح نہیں تو جہلاً بجا احرام جو ہے فضل ہے اس کی عمارت کا دعویٰ مشرکوں کی طرف سے

محض یہم غلط ہے اور یہ معنی بنظر آنکہ عموم مساجد سے نفی فرمائی ہے پس مسجد احرام جو خاص ہو اس سے بالضرور نفی بطریق یلغ ہوگی۔ اور بعض نے کہا کہ

مساجد اشرف سے مسجد احرام مراد ہے یعنی مسجد احرام کی عمارت مشرکین سے صحیح نہیں۔ اور بصیغہ جمع اسوہ سے کہ مسجد احرام جملہ مساجد کیلئے قبلہ امام ہے پس

اسکی عمارت کرنے والا کو یا تمام مساجد کا عمارت والے کہہ کا ہر لقبہ وناحیہ ہر جہت سے قبلہ ہے پس وہ مساجد اور قرآن ابن کثیر والوعمر اور العقوب

رحم اللہ کی مسجد اشرف صیغہ مفرد ہی اسی کی مؤید ہے جیسے قولہ وغارۃ مسجد احرام۔ بھی اسی تفسیر کا مؤید ہے۔ پھر عمارت سے یا معنی حقیقی مراد ہیں یعنی مسجد کی عمارت

بنانا مشرک سے صحیح نہیں یا معنی مجازی مراد ہیں یعنی مسجد میں حاضر ہونا داخل ہونا وایمن عبادت کرنا وغیرہ اور یہ بھی مشرک سے صحیح نہیں کیونکہ

کافروں کی عبادت کہ نہیں باوجودیکہ مسجد احرام سے نزدیک ہونے سے ان کو منافعت ہے نہیں سے کہا گیا کہ اگر دارالاسلام میں کسی ذمی کافر نے

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجد میں اور مانتے جا دین اپنے اور کفر کو وہ لوگ خراب گئے

ادوں کے گئے اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ وہی آباد کرے مسجد میں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر

اور کھڑی کی نماز اور دی زکوٰۃ اور نہ ڈر اسوائے اللہ کے کسی سو امیدار ہیں وہ لوگ کہہ رہے دین

برایت والوں میں کیا تم نے ٹھہرایا حاجین کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا بسانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر

اور پچھلے دن پر اور اللہ کی راہ میں نہیں برابر اللہ کے پاس اور اللہ راہ نہیں دیتا

بے انصاف لوگوں کو جو یقین لئے اور گھر چھوڑ آئے اور بڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے

ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس اور وہی پونے مراد کو خود بخبری دینا ہے ان کو بڑا کار کا اپنی طرف سے ہرمان کی اور رضامندی کی

اور باخونگی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا رہا کریں امین ام اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

یہ انصاف لوگوں کو جو یقین لئے اور گھر چھوڑ آئے اور بڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے

ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس اور وہی پونے مراد کو خود بخبری دینا ہے ان کو بڑا کار کا اپنی طرف سے ہرمان کی اور رضامندی کی

اور باخونگی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا رہا کریں امین ام اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

یہ انصاف لوگوں کو جو یقین لئے اور گھر چھوڑ آئے اور بڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے

ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس اور وہی پونے مراد کو خود بخبری دینا ہے ان کو بڑا کار کا اپنی طرف سے ہرمان کی اور رضامندی کی

اور باخونگی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا رہا کریں امین ام اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

یہ انصاف لوگوں کو جو یقین لئے اور گھر چھوڑ آئے اور بڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے

اس حدیث سے استدلال کیا۔ حسین آنحضرت صلعم نے تمامہ بن امان کو ستون مسجد سے باز رکھا تھا تاکہ وہ کافر تھا اور حق یہ ہو کہ اس قبل خاص سے یہاں استدلال نہیں چاہیے کیونکہ حکمت خاصہ کا احتمال ہے چنانچہ جب اسکو روکا گیا تو خوشی و رحمت سے وہ جا کر ہوا اور سلام سے آیا پس مختار قول ہے اور کفار کے لوث سے مسجد پاک کی جائے۔ **شَهِدْ بَيْنَ عَمَلِ الْفَسِيهِمْ بِالْكَفْرِ**۔ سطر حال انصیر لیسوا۔ ہر اور یہ شہادت باہنا شرک تکذیب الرسول صلعم ہے اور معنی ہے کہا کہ درحالیکہ شاہد ہیں وہ لوگ اپنے اوپر کفر کے ساتھ بحال قال معنی یہ کہ مشرکین سے یہ بات ٹھیک نہیں کہ دو ہر تثنائی جمع کرین ایک بیت اللہ تعالیٰ کی عمارت اور دوم اللہ تعالیٰ کے سوائے غیر کی عبادت۔ پس جب غیر کی عبادت سے مشرک میں تو اللہ تعالیٰ کی مسجد کی عمارت اُن سے صحیح نہیں۔ روایت ہے کہ جب عباس بن ابی طالب جنگ بزمین قید ہو کر آئے اور مسلمانوں نے اُنکو سلامت کی اور عار دلایا کہ تم لوگ شرک کرتے اور نانا کا شے ہو اور سب سے زیادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُن کو سخت سخت بائین اسی قسم کی کہیں تو عباس نے کہا کہ یہ تمہارا کیا انصاف ہے کہ تم ہماری برائیاں تو بیان کرتے ہو اور ہماری بھلائیاں ہیں اُن کو نہیں کہتے دیکھو کہ ہم مسجد الحرام کی عمارت کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کے حاجب میں اور حاجون کو پانی پلاتے ہیں اور قیدی کو مال خرچ کر کے پھوڑاتے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی اور سمجھایا گیا کہ مشرک ہو کر جو کام کرو وہ بیچ ہے۔ **أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ** یعنی جو لوگ شرک کفر میں گرفتار ہیں ان کے اعمال جن پر فخر کرتے ہیں بسبب شرک کے سب جھٹھیں۔ **وَلِيَالْتَارَهُمْ خَالِدُونَ** اور اس شرک کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں ہیں گئے مشرک کو اپنے اعمال کا بدلہ دینا میں جو کچھ مل جائے وہ تو بلا لیکر دینا خود بیچ ہے ملا تو کیا اور عاقبت میں اسکے لئے کچھ نہیں بولے دوزخ کے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا کہ مشرک کبھی نہیں بخشا جائیگا۔ پھر ان بئذوں کو بیان فرمایا جن سے عمارت مسجد درست ہے بقول **لَا تَعْبُرُ عَجْرُ مَسَاجِدِ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ** یعنی مساجد کی عمارت ایسی صفات کو کون سے درست ہے جن کے اعتقاد شرک پاک توحید کے ہیں اور ان کے اعمال موافق حکم الہی کے ہیں۔ صلوة و زکوٰۃ کو جمع کیا اور اعمال غرضہ میں سو دو عمل شرف کر کے اللہ جل جلالہ کلن سلام میں ایمان رسول اللہ صلعم اسلئے نہیں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ رسول پر ایمان نہ واسلئے کہ رسول ہی معرفت حاصل کی اور صفات کے واسلئے سے بچان کہ وہی پر عبور ہونے کا اعتقاد کیا۔ اور یوم الآخر کے یہاں کرین حکم ہے کہ عمارت مسجد کا فائدہ ثواب آخرت ہے جو روز جزا یعنی قیامت کو حاصل ہوگا اور مشرکین اسکے قائل نہ تھے پس عمارت مسجد انہیں لوگوں سے مستقیم ہے جو روز جزا پر ایمان کہتے ہیں کہ یہاں مسجد بنا دین اور وہ ان اچھا بدلہ پادین۔ اسلئے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کے واسلئے کوئی مسجد بنائی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو اللہ تعالیٰ اُسکے واسلئے جنت میں مگر دیتا ہے۔ رواہ الترمذی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مانند فرود روایت ہے اور واضح ہو کہ ظاہر کلام اکثر مفسرین کا یہ ہے کہ عمارت یہاں بطور عموم مجاز کے حقیقی عمارت بنانے اور مجازی عمارت کرنے یعنی با د کرنے دونوں کو شامل ہے۔ **وَقَالَ لَبِيضَاوِي** ہر عمارت کی عمارت کے یہ بھی ہے کہ اس کو فروش سے آراستہ کرے اور چراغ روشن کرے اور ہمیشہ اس میں عبادت یاد آئی و علم شریعت کا پڑھنا پڑھانا جاری رکھے اور جن باتوں کیلئے مسجد نہیں بنائی گئی ہے اُن سے محفوظ رکھے جیسے دُنیا کی باتیں کرنا۔ قلت در حقیقہ کہنے کا کہ سونے کیلئے جس کا گھر ہو اسکو مسجد میں سونا کر دہ ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو مسجد میں سونا روئی ہو اور بظاہر اس غرض سے تھا کہ عبادت و تہجد ادا کرنے میں مقام پاک ملنے سے آسانی ہو اللہ علم۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ **اِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ لَوْحًا يَبْنِي جِبْتًا كَسَى آدَمِي كَو دِيكُو كَه مَعَادُ طُورٍ** مسجدوں میں آڈریت رکھتا ہے تو شہادت دے کہ وہ مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **انما يبرمسا جہد اللہ من آمن بالشر الا یہ**۔ رواہ احمد والدارمی وابن ماجہ وابن النذر وعبد بن حمید والبیہقی وحسنہ الترمذی۔ اس حدیث میں سے

Marfat.com

فائدہ بھی یاد رکھو کہ اگر دیکھنے سے کوئی امر ثابت ہو تو گو وہی داکر ناروا ہو۔ اگر حق متعلق ہو و الکلام فی الفقہ۔ بالجملة مسجد سے دل لگے رہنے
 و اسکو آباد کرنے و اس کی تعمیر و عبادت کیلئے وہاں آمد و رفت کرنے وغیرہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ انس بن مالک سے روایت
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدوں کے آباد کرنے والے وہی اہل اللہ تعالیٰ ہیں یعنی اولیاء اللہ ہی ہیں و اہل حق ہیں و وہ عبد بن عبد
 و البرزخ اور عبد البرزاق نے عمرو بن مہیون الاودی سے روایت کی کہ میں نے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایائے لوگ فرماتے تھے کہ زمین میں مسجدیں
 خانہ خدا ہیں و جو ان میں نیارت آئی کو حاضر ہو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار کے طالب کو کرامت عطا فرمادیکھا۔ دنی تفسیر الحافظ۔ ابن عباس
 رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس نے اذان کی آواز سنی پھر وہ تمیل کر کے مسجد میں حاضر ہوا تو اسکی نار نہیں اور اسے اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کی نافرمانی
 کی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمایا انا میر مساجد اللہ الایۃ۔ رواہ ابن مردویہ و قد روی مرفوعاً من جہ آخر وہ شواہد انتہی۔ بالجملة ایمان سے ہے کہ مسجدیں آباد
 ہوں لہذا آخر زمانہ میں جب ضعف اسلام کا حال بطور مجرہ و خیر خیر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا تو اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ قریب قیامت کے
 مسجدیں ان لوگوں کی ویران ہوگی اور گمراہوں کے آباد ہونگے۔ و المتعرجم بعد الاستغفار و طلب التوبین والهدایۃ کتباہ کہ یہ مجرہ نبوت اب شاہد
 کرو اور دیکھو کہ یہی حال ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حال آنکہ مسجد کی عمارت و آبادانی ایسے لوگوں سے درست ہے جو اللہ تعالیٰ پر بواضعہ تعریف
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور روز آخرت پر ایمان لایا اور نماز ٹھیک واکرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ و کفر یجیش لکھا اللہ۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے
 اسکو کسی سے خوف نہیں۔ فی البیضادی؟ یعنی دین کے امور میں اسکو سوائے حق تعالیٰ کے کسی عبوت پلیدیہ نہ ہو جن کسی کا خوف نہیں۔ اور ہا خوف
 ایسی چیزوں سے جن سے ضرر ہو چکا کرتا ہو مثلاً شیر سانے آیا تو خوفناک ہو جانا جبلت کی بات ہے اس میں آدمی کا اختیار نہیں ہو۔ و قال المترجم
 ظاہر کامل ایمان حملے جب تا شیر فقط اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین جانتے ہیں تو ان کو کسی چیز سے خوف نہیں ہوتا اور تحقیق یہ ہے کہ جو امر خوفناک
 پیش آوے وہ وحال سے خالی نہیں یا تو اس میں کوئی حکم از جانب حق تعالیٰ قرآن یا حدیث میں موجود ہو مثلاً دو ہزار لشکر اسلام کے مقابل میں جا کر
 کافر آگے تو خوف نہ کرنا مقتضائے ایمان ہے کیونکہ جہاننا یہاں حرام و کبیر گناہ ہے اور یا ایسا ہو گا کہ اس میں کوئی حکم شرع اس طور پر نہیں ملتا جسک میں
 شیر سانے آگیا تو خوف یہ آئے کہ شاید عذاب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اسکو بھیجا تو میں ضرور مارا جاؤنگا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرا اور چونکہ نظر احتیاط
 اس کے سامنے سے ہٹنے و بچاؤ کرنے کا حکم ہے لہذا اس نظر سے بھاگنا وغیرہ تدبیر کو عمل میں لا دیکھا۔ پس ہر صورت میں خوف اسکو فقط اللہ تعالیٰ ہی
 سے ہوا اور مقام بہت سست چاہتا ہے اور اسقدر شاہد امید ہے کہ کافی ہو و اللہ تعالیٰ اعلم فقہی او لکھا ان فیکون لک من المہتدین
 پس ایسے لوگ بہتہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرف عسی معنی تحقیق ہے و ابلیس حاق کا بھی ایسا ہی قول ہے اور
 شاید عسی ہڈوں کی طرف ہو یعنی تم امید رکھو اور معنی یہ کہ پس ایسے لوگوں کو توقع ہے کہ ہدایت پائے ہوں میں سے ہوں فقط امید کیسا تم انکو ذکر
 فرمائے میں مشرکین کی طبع کا طبعی معنی جب ایسے بندے باوجود ان اعمال کے امیدار ہوتے تو مشرکین باوجود نجاست شرک کے اپنے اعمال سے
 راہ پر ہونیکے یا ان اعمال سے انتفاع حاصل کرنے کی کیا طبع کرینگے اور نیز مشرکوں کو ملامت کی کہ کس برستے بر قلعی عوی کرتے ہیں کہ ہم لوگ
 بڑے محبوب کو گاہیں حالانکہ جن اہل ایمان کا حال مذکور ہوا ہوا و جو دیکھ نجاست شرک سے پاک اور مسجد میں آباد کرنے والے اور اعتقاد و عمل
 دونوں طرح سے کامل ہیں ان کا حال تو توقع و امید میں داخل ہے اور مشرکین تو مرتکب ان کے برعکس ہیں۔ اور نیز بھرت توقع فرما کر مومنوں
 کو تنبیہ کر دی کہ کبھی اپنے اعمال پر نظر نہ رکھیں اور غرہ ہوں کیونکہ حضرت جلال الہی کے سامنے کسی مخلوق کی کچھ ہستی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ حیر و بندگی
 سے سرسجدہ ہوں کہ لے پروردگار ہم تو اولاد آدم سب ظلم ہوں ہم تیری بندگی کی قدرت کہاں رکھے ہیں تیرے لائق کون بندگی

کہ سکتا ہو تیری مخلوق میں جو سے اشرقت تیرا رسول ہو وہ تو فرماتا ہو کہ ما عبدناک حق عبادتک میرے مولائین تیری شان کے لائق تیری بندگی نہ کر سکا
 وہ تو گڑ گڑاتا ہو کہ ما عرفناک حق معرفتک میرے سوا تو نے مجھے اپنی معرفت حاصل کرنے ہی کیلئے پیدا کیا تھا مگر میں تیری معرفت جیسی چاہیے نہیں
 حاصل کر سکتا تو عفو کر دے تو بخشدے پھر ہم ناچیز کس شمار میں جو ہم سے ادا ہو تیرا فضل ہو جو ہم سے خدمت ہو وہ تیری ہی توفیق کا کام ہے
 جیتے نے اول سے کرم ہی کرم فرمایا تو اب بھی ہم تیرے ہی کرم پر نظر لگائے ہیں۔ رینا اغفر لنا ذنوبنا و افراتنا فی امرنا و ثبت اقدارنا و توفنا
 مع الابرار پھر اہل شرک کا دعویٰ ایک تشبیہ سے رد فرمایا۔ بقولہ۔ اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المذنبین الحکم امیر
 کیا قرار دیا تم نے اے مشرک کو حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد الحرام کی عمارت کرنے کو۔ کمن امن بالله و المیوم الاخر و جاہدا
 فی سبیل اللہ۔ مانند اس شخص کے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر در راہ خدایں جہاد کیا جسکو تشبیہ سی وہ تو مصدر ہے
 یعنی سقایہ و عمارۃ اور جس سے تشبیہ دی و آدمی ہی نہیں کن امن یعنی مومن۔ اور مصدر کی تشبیہ عمارت سے ظاہر نہیں ہے لہذا تقدیر کلام دو طرح سے ہو ایک
 یہ کہ۔ اجعلتم اہل سقایۃ الحاج کن امن یعنی کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے والوں کو مانند قرار دیا ایسے شخص کے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر آئج۔
 پس معنی اسکا یہ کہ ایسی صفت والوں کو اس صفت والوں کے مثل کیا۔ دوم یہ کہ۔ اجعلتم سقایۃ الحاج کا بیان من امن یعنی کیا تم نے حاجیوں
 کے پانی پلانے کو مانند کیا اس شخص کے ایمان لانے کے جو آئج۔ اسکا معنی یہ کہ تم نے یہ فعل متشابہ اس فعل کے قرار دیا۔ تقدیر دوسری اول کی
 مؤید اس شخص کی قرآنہ ہے جسے آیت میں یون پڑھا۔ اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام۔ سقایۃ جمع ساقی یعنی پانی پلانے والے عمارۃ
 بمانند کفرۃ جمع عامر ہے۔ ہمزہ اجعلتم۔ انکاری ہے۔ المعنی انکار ہے اس بات سے کہ مشابہ ہو دین مشرکین یا مشرکوں کے اعمال جسطرح شدہ اہل ایمان
 یا ان کے اعمال مثبتہ سے یعنی موافق تقدیر اول کے معنی یہ ہیں کہ مشرکین کبھی مومنین سے مشابہ نہیں اور دوسری تقدیر پر معنی یہ کہ مشرکوں
 کے کام جو جہت میں وہ کبھی مومنین کے اعمال سے مشابہ نہیں جن کے عوض خصوص آخرت میں ثواب جمیل پادینگے۔ پھر اسی امر کو مصرع فرمایا۔
 بقولہ۔ لا یستکون عند اللہ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہیں یعنی مشرکین مومنین کیساں نہیں۔ یہ بھی مؤید توجیہ
 اول ہے۔ پھر ان کے کیساں نہ ہو نیکی و کبیرن اشارہ فرمایا۔ بقولہ۔ و اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔ یعنی کافر لوگ بوجہ
 شرک کے جو انہما درجہ کا ظلم ہو ظالم ہیں اور آنحضرت صلعم کی عبادت سے مردود اور جاہ ضلالت میں ڈبے ہوئے ہیں وہ کیونکر ایسے بندوں
 کے برابر ہو سکتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور ان کو راہ صواب کی توفیق دی بیض نے کہا کہ ظالمین سے وہ مشرک مراد ہیں جو
 اپنے آپ کو مومنوں سے مساوی کہتے تھے۔ پھر مومنین کا درجہ بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ اذین امنوا و جاہدوا و جاہدوا
 فی سبیل اللہ یا امنوا الیہ صحت یعنی اہل ایمان جن کے ایسے ایسے نیک کام ہیں۔ اعظم درجۃ عند اللہ
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے درجہ والے ہیں ان کے درجہ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور جو کرامت ان پر ہو وہ خیال میں
 نہیں آسکتی۔ کما قال تبارک و تعالیٰ۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرۃ العین جزاء بما كانوا یعملون۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندگان
 صالحین کیلئے مہیا فرمایا وہ ایسی چیزیں ہیں کہ نہ آنکھوں نے دیکھی اور نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر بطور خطرہ لڈری ہیں۔ قال
 المترجم یہ تفسیر بنا بریکہ اعظم علی الاطلاق ہے اور اگر ہم تفصیل کسی کی نسبت سے ہو تو کہا گیا کہ اعلیٰ ہیں درجہ و کرامت میں بہ نسبت ان
 مومنوں کے جن کے ساتھ ایسی صفات نہیں ہیں۔ یا مشرکوں پر رد ہے کہ سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد کا جو مرتبہ تھا کہ نزدیک ہے اسکی بہ نسبت
 مومنین کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑھا ہوا ہے اگرچہ تمہارے زعم والوں کا درحقیقت کچھ بھی درجہ نہیں ہے۔ پھر مومنین ہی میں فلاح کا

نحوہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ **وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَائِبُونَ**۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب و درجات سے فائز ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بلکہ عذابِ خوارِی میں پڑیں گے پھر جلا مشرکین کیسے مومنین کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں باوجود اس کے مومنین کا یہ حال ہے کہ۔
يَكْفُرُ بِهِمْ لَبِئْسَ مَا يَكْتُمُونَ اور **وَيَكْتُمُونَ** مومن ہندوں کا پروردگار سچا نہ جو تمام جہان کا خالق ہے اپنے
ان ہندوں کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے رحمت و ضوان کی اور جنتوں کی کہ **لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقْتَدِرِينَ** میں ان کیلئے وہی
نعمتیں ہیں اور رحمت و ضوان وغیرہ کو نہ فرما کر اشارہ کیا کہ یہ اسی چیز ہیں جن کی معرفت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر ہندوں کے حق میں تعریف
نہیں ہو سکتی اور جنت میں بھی جو نعمتیں ہیں ان کی تعریف نہیں ہو سکتی ہاں یہ فرمادیا کہ وہ نعمتیں پانچاں ہیں پس اہل جنت بھی ان نعمتوں کو لے
ہو کر ضرور پانچاں ہیں اور صریح فرمایا۔ **خَلِيدِينَ فِيهَا** ان جنتوں میں سے لوگ خلود کے ساتھ رہیں گے اور چونکہ خلود کو عرب نے کبھی نہ
درازد تک ہونے کے معنی میں بولتے ہیں اور یہاں مراد ہمیشگی ہے لہذا فرمایا۔ **أَبَدًا** یعنی خلود وابد تک ہوگا جسکی چھوڑ نہیں یعنی ہمیشہ رہیں گے
ابو حیان وغیرہ نے ذکر کیا کہ قولہ **رَحْمَةً مِنَّا وَضُؤَانٍ وَجَنَاتٍ**۔ ان جنتوں میں تین تنگی کی عظمتی ہے یعنی ان کی تعریف ہندوں کے ہم کیلئے نہیں ہو سکتی
اور کسی کے تصور میں نہیں آ سکتی ہیں اور جبکہ مومنین کے تین وصف بیان فرمائے یعنی ایمان اور جہاد بجان مال اور ہجرت از وطن تو ان کے مقابلہ میں
انکو تین نعمتوں سے بشارت دی رحمت و ضوان و جنت۔ پس رحمت بمقابلہ ایمان کے ہو کیونکہ رحمت اسی پر موقوف ہے۔ اور ضوان بمقابلہ جہاد
کیونکہ جان مال سے قربان ہوئے تو انہما سب انہما احسان کے لائق ہوئے اور جنت بمقابلہ ہجرت کے اپنے ناپا بار و وطن چھوڑنے تو ان کو جنت
نعمت پانچاں دہی عطا ہوئیں۔ **إِنَّ اللَّهَ عِنْدَ مَا أَجْرٌ عَظِيمٌ**۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے یہاں اجر عظیم ہے کہ جس کے عوض میں اس امر
کے لائق ہوئے وہ بہت چھوڑے ہوئے یا دنیاوی چیزیں اس کے مقابلہ میں بہت حقیر ہیں یا اشارہ ہے کہ یہ بشارت بھی ہاں تک ہے کہ نعمت کے نام سے سچے مومنین
درندہ ان کے واسطے زیادت ہو جسکو باوٹیلے تو جانیں گے والحمد للہ رب العالمین **فِي الْعَرَالِ** قولہ تعالیٰ **إِنَّمَا يَمُرُّ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ آتَمِنَ** جس شخص سے
عمارت مسجد صحیح ہو اور وہ اہل معرفت و عبادت کی مجلس کے لائق ہے اس کے چند اوصاف ذکر فرمائے کہ ایمان و یقین میں کامل ہو اور معرفت
میں لائق و فرائض و سنن ادا کرنے میں مداوم ہو۔ یہ عمارت اس طرح ہوتی ہے کہ مساجد میں جانے کے وقت اسکا دل سوائے اللہ تعالیٰ کے سب
چیز سے خالی ہو اور سوسہ و خیال و غلطو اسکے سر باطن میں نہ ہو یعنی نے کہا کہ مسجد کی عمارت و آبادی اس طرح ہو کہ دل آباد ہو یعنی اس میں
صدق نیت و طہارت باخلاق حمیدہ ہو پس صحیح اشغال و مولف خارج کر کے پوری طہارت سے مسجد میں داخل ہو و قولہ تعالیٰ **بَشِيرٌ رَحِيمٌ**
برحمتہ منہ و رضوان و جنت۔ اول میں اللہ تعالیٰ نے ہما جوین کا یہ وصف فرمایا کہ رضوان و مغفرت کے طلب میں ماسوائے حق تعالیٰ کے سب سے
خارج ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو طلب مشاہدہ و دوام محبت میں گرفتار پایا اور سولے نور الیقان و عرفان کے ان کے دل میں کچھ نہیں پایا
تو بلا واسطہ ان کو بشارت فرمائی اور یہ بات بہت بڑی نعمت ہے خصوصاً جبکہ حبیب خود بشارت فرمادے پس بشارت اس کا خطاب کشف
مشاہدہ ہے اور کشف جمال کے ساتھ بشارت خطاب کی کون طاقت رکھتا ہے۔ اس کشف کے ساتھ بشارت رحمت اول درجہ عارفین ہے پھر ضوان
کی بشارت ہی اور وہ ایسے وصال کو کہتے ہیں حسین خوف ہجران نہ ہو پھر ان کو جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی یعنی جنت قربت ان صفات
سے بشارت دی جس سے علم ازل و ابد حاصل ہوتے ہیں اور ہمیشہ سکی نعمتوں میں باقی رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی تجلی جلالی و
جمال سے بڑھ کر کون نعمت اور کون جنت ہو یعنی نے کہا کہ مومنون کو رحمت کی اور مطیع ہندوں کو جنت کی اور عارفوں کو رضوان و صلوت کی
بشارت ہے۔ اور نیز توہم کر یوں کو رحمت کی اور عارفین کو مشاہدہ کی اور عہدین کو جنت قربت کی بشارت فرمائی۔ ابو عثمان نے کہا کہ رضوان

قرب جوارحنت لمانہ ہے جن سے دوام نعمت حاصل ہے۔ بعض نے کہا کہ لون کی جہلیت یہ ہے کہ جو انکو بھلائی کی خوشخبری دے اس سے محبت کرتے ہیں پس حق سبحانہ تعالیٰ نے مخصوص عفت سے کرامت کرنے کو خود بشارت فرمائی اور کوئی واسطہ درمیان میں نہیں رکھا تاہم مداح ہو کہ تفسیر قول اہلتم سقایۃ الحاج الخ جو مذکور ہوئی اس تقدیر پر تھی کہ عباس بن عبدالمطلب وغیرہ نے جنگ یرین مقید ہو کر سقایۃ الحاج وغیرہ کو فضل اعمال میں قرار دیکر مشرکین کو یومینین سے مساوی قرار دیا پس یہ آیت نازل ہوئی اور ان کا قول رد کر دیا گیا پس خطاب مشرکین کو ہوا اور ابن جریر نے محمد بن کعب القرظی سے اس کی تفسیر میں روایت کیا کہ عثمان بن طلحہ از بنی عبدالمطلب و علی بن ابی طالب نے باہم افتخار کیا عثمان بن طلحہ نے کہا کہ میں خادک کعبہ کا صاحب ہوں میرے پاس کی کنجی ہو چاہوں اسی میں اور ہوں اور عباس نے کہا کہ میں پانی پلانیا والا ہوں چاہے زمزم سے اور چاہوں مسجد میں سو ہوں اور علی نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ تم کیا کہتے ہو میں نے لوگوں سے چھوہینے پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور میں صاحب جہاد ہوں پس نازل ہوا قولہ اجملتہ سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام الآتية۔ اور اسی کے مانند سدی کا قول مروی ہے۔ رواہ عبدالمزاق باسنادہ عن ابن سنجہ مترجم کہتا ہے کسی گفتگو کی نسبت حضرت امیر المؤمنین علیؑ کی طرف اہل تحقیق کے نزدیک یمن عنوان خالی از ہون نہیں ہے۔ قال کما قضا اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث مرفوعہ بھی وارد ہوئی جسکا یہاں ذکر کرنا ضرور ہے۔ نمان بن بشیر انصاریؒ سے روایت ہے کہ میں چند صحابہ کے عجب میں نبی رسول صلعم کے پاس بیٹھا تھا ان میں سے ایک لاکھ تھے پر وہ انہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی عمل نہ کروں بعد سلام کے والا لاکھ حاجوں کو پانی پلاؤں۔ دو کھڑے کہا بلکہ میں مسجد الحرام کی عمارت کروں اور میرے لئے کہا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ادا میں جہاد کرنا اس سے بہتر ہے جو تم نے کہا پس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بھڑکنے یا اور کہا کہ تم لوگ نبی رسول اللہ صلعم کے پاس آؤ اور میں مت بلند کرو اور یہ واقعہ جمعہ کے روز تھا تو کہا کہ لیکن میں جہاد پر حکم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور آپ سے اس بارہ میں فتویٰ لیلوں گا جس میں تم بھڑکتے ہو۔ نمان بن بشیر نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے یہی کیا تو اللہ عزوجل نے نازل فرمایا قولہ اجملتہ سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام تا قولہ و اللہ لا یرید للظالمین ابن کثیر نے کہا کہ اسکو مسلم و ابو داؤد و ابن جریر و ابن مرددہ و ابن ابی عاتم و ابن جان وغیرہم نے روایت کیا مترجم کہتا ہے کہ یہ قوی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ اہلتم کا خطاب مؤمنین کی طرف ہے لیکن مقصود یہ ہو گا کہ جو افعال مشرکین کے زعم میں ہیں اور ان سے وہ فخر کرتے ہیں ان کو تم مومنوں کے برابر کرتے ہو حالانکہ وہ مشرک ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ قوم ظالم کو ہدایت نہیں کرتا اور شاید مفاخرت کو قبول کرے چیز مشرک ہوں جنہوں نے بعض مومنوں کے ساتھ گفتگو کی ہو جیسا کہ محمد بن کعب سدی رحمہ اللہ کے کلام سے ظاہر ہوا۔ فلیتامل فی القام لتبصیر للار یایہا الذین امنوا لا تلحدن و اباءکم و اخوانکم و اولیاءکم ان استحبوا الکفر علی الایمان ط لے ایمان والو نہ پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے

وَمَنْ يَتَوَلَّكُمْ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاَخْوَانُكُمْ

اور جو تم میں انکی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گناہگار تو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی

وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ بَاتَتْ بِكُمْ وَاَصْحَابُ اَمْوَالِكُمْ حَتَّىٰ ياتِیَ اللہَ بِاَمْرِ لَاط وَاِنَّ اللہَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الفٰسِقِیْنَ ۝

اور جو زمین اور مردی اور مال جو کھاتے ہیں اور سوداگری کے بندہ ہونے سے ڈرتے ہو اور جو ایمان جو پسندیدہ دیکھتے ہو کو عزیز ہیں

اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ نے اسکی راہ میں قدامدیکو جب تک مجھے اللہ حکم اپنا اور اللہ راہ نہیں دیتا تا زمان لوگوں کو

عمر بن

اللہ تعالیٰ نے راہ انہی میں خواہ جہاد ہو یا ہجرت ہو یا کوئی اور امر ہو ہر مانع سے قطع کی نصیحت کی اگرچہ مخالفت راہ میں الدین اولاد کو یوں نہو
 چنانچہ فرمایا۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یہ خطاب جملہ مومنین کو عمومی قیامت تک ہاتی ہے اور یہی ظاہر خطاب ہے اور نظر اصول اسی کا اعتبار
 رہا سبب نے دل تو مجاہد نے کہا کہ یہ آیت اپنے ماقبل سے متصل ہے اور قصہ عباس بن علیؓ کے امتناع ہجرت کے بارہ میں نازل ہوئی
 مترجم کہتا ہے کہ شاید یہ مراد ہو کہ ان کے انکار ایمان پر مومنوں کو بطریق ہجرت کے نصیحت فرمائی ورنہ ظاہر ہے کہ اس وقت تک عباس مسلمان نہوئے
 تھے پھر خطاب انکو کیونکر ہو سکتا ہے ابن عباسؓ نے کہا کہ جب مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعضوں کی آل و اولاد ان سے لپٹی تھی و تیسری دلائی
 کہ ہم کو ضائع و برباد مت چھوڑو تو وہ سست ہو جاتے اور کہتے کہ اگر ہم ہجرت کر جاویں تو اپنے والدین اولاد و اقارب کا ناتاقطع کرین اور ہماری
 تجارت جاتی رہیں اور ہم برباد ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **مَقَاتِلُكُمْ** نے کہا کہ نو آدمی جو مرتد ہو کر کفار کے سے جا ملے تھے ان کے اقارب کو لٹنے
 مولات کرنے سے مخالفت مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم ان کو اپنے ایسے دوست مت بناؤ کہ تم کو ایمان و طاعت سے روکین اور حق یہ ہے کہ یہ سہاب
 جزوی ہیں اور اعتبار عموم لفظ کا ہے اور جو معنی ہیں وہ یہ ہیں کہ اے ایمان والو **كَلِمَاتٍ كَلِمَاتٍ كَلِمَاتٍ** اور **وَأَخْوَانِكُمْ** اور **وَأَخْوَانِكُمْ** بناؤ
 اپنے والدین بھائیوں کو اولیاء کہ انکے ساتھ مولات کرو۔ **إِنَّ اسْتِغْبَاؤَ الْكُفْرَةِ عَلَى الْإِيمَانِ**۔ بشرطیکہ ان کی یہ حالت ہو کہ کفر کو ایمان
 محبوب کہیں یعنی ایمان سے نفرت انکار کرین اور کفر کو محبوب کہیں اختیار کرین پس تم کو بھی برباد کرینگے۔ **وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ**
فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ اور جو کوئی تم میں سے ان کو ولی بنا لے پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں کیونکہ مولات جس کا موقع اللہ تعالیٰ
 و رسول و مومنین تھے اُس کو بے موقع مشرکوں و کافروں میں رکھا۔ کلام مجید میں بہت جگہ مولات اہل شرک سے منع فرمایا اور انکے مولات
 کو نبی الیکوا علیہم میں سے قرار دیا۔ علماء ارجح نے کہا کہ اسلام کے فرقوں میں سے جو ایسے ہیں کہ شرع ان پر مشرک مرتد ہونے کا حکم دیتی ہو جیسے
 بعض فرقہ رافضیہ و بھیمیہ باطنیہ و فرقہ پیچر وغیرہ وہ تو صریح اسی حکم میں داخل ہیں اور جو فرقہ مبتدعہ اس حد تک حکم ظاہر شرع نہیں پہنچا مگر
 زاہد سنت مطہرین مستقیم سے خلاف ہو وہ فاسق ہیں اور ان کا وجہ ضائق کا یہ حکم ہے کہ ان سے مولات حرام ہے۔ انہ تصوف بعد تصریح کرتے
 ہیں کہ محبت مولات ولی مرتد از عجیب بتائیں آئی ہے اس میں زیادہ تقریری استدلال کی نہ گنجائش ہے نہ حاجت کیونکہ آیات و احادیث میں اس سے
 مخالفت کافی ہے چنانچہ بیان میں اہل ایمان کو اسلئے سخت مخالفت فرمائی کہ کافر سے مولات نہ کریں گو باپ بھائی ہو اور اس سے یہ لازم نہیں کہ نان
 و نفقہ بھی کافر والدین کو نہ دین بلکہ دل کی حفاظت مقصود ہے۔ یہی نے روایت کی کہ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے اپنے جنگ کے روز ابو عبیدہ سے
 ہون کی تعریف اور انکی پیش کی خوبان بیان کرنی شروع کیں اور دین اسلام سے بے رغبتی دلائی اور ابو عبیدہ برابر اسکو روکرتے اور شیخ کہتے
 تھے یہاں تک کہ جب ان کے اپنے مبالغہ کیا تو قصد کر کے ابو عبیدہ نے خالص اللہ تعالیٰ و اُسکے رسول صلعم کی رضائیلے قتل کر دیا پس اللہ عزوجل
 نے نازل فرمایا۔ **لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ رُسُلَهُ** الایہ یعنی اے محمد صلعم تو نہیں پاویگا ایسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ
 و روز قیامت پر ایمان لائے ہیں اس حال میں کہ دوستی کریں ایسے کافروں سے جو دشمنی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ و اُسکے رسول سے الی آخرہ۔
 ایسے ہی یہاں بھی کافروں سے مولات کرنے کو منع کیا بلکہ مولات والوں کو ظالم فرمایا پھر سخت تہذیب کی کہ۔ **قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ**
وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ حَرَامٌ وَآمَالٌ حَرَامٌ اور ابو عبیدہ کی قرآن میں وعشیرتکم
 جمع ہے اور شاذ قرآن میں وعشائرکم ہے اور معنی واحد ہیں و آمال حرام اور وہ اموال جن کو تم نے اقرار کیا یعنی کمایا
 ہے۔ **وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا** اور وہ تجارت جس کے کساد سے ڈرتے ہو یعنی تجارت نہ چلیگی یا وقت نکل جائے گا۔

وَمَسَاكِينٌ مَّرْضُونَ كَهَذَا - اور ایسے مسکین جن کو تم اپنی مرضی کے موافق و پسندیدہ رکھتے۔ حاصل انکے عہد صلعم تو ان لوگوں سے کہدے کہ
 اگر تمھاری والدین داؤد و محمد دین وغیرہ امور مذکورہ احب الیکم تم کو زیادہ محبوب ہوں۔ قین اللہ و کرسق لہ و قیھاچہ فی
 سید سلیم نسبت اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کے داکل اوہ میں جہاد کرنے کے۔ فلتو کصدن احقنی یا فی اللہ یا امریہ۔ تو منتظر بیٹھے رہو
 یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لائے یعنی اسکا عذاب تم پر آئے خواہ وہی زندگی میں یا مرنے پر بعض نے کہا یعنی کہ فتح ہو جاوے مگر ادل مع ہو اسکا
 کہ یہ سب بعد فتح کے نازل ہوئی۔ الا انکے یہ آیات اس سے پہلے آتھی ہوں واللہ اعلم۔ مساق آیت یا تو دوبارہ جہاد ہو یا دوبارہ ہجرت ہو
 اور تلمیض یہ کہ تو ایمان لائو انوں سے کہدے کہ اگر والدین داؤد وغیرہ امور مذکورہ و تلو بہ نسبت اللہ تعالیٰ و اس کے رسول جہاد کے زیادہ محبوب
 ہوں تو تم بیٹھے انتظار کرو جہاد میں قدم نہ دھرو بخوف ان چیزوں کے جو تمھیں محبوب ہیں یا اپنے وطنوں سے ہجرت کرو یہاں تک کہ تم پر
 عذاب آئے اور تمھاری آنکھیں کھلیں اور بھاگنا پھوڑا۔ اور مراد تر بھووا۔ مہر سے اسکی تمہیل نہیں ہو بلکہ بطور تہدید کے ہو اور حاصل انکے ایسا
 کہ شیوالا فاسق و طاعت سے خارج ہوگا۔ واللہ لا یغدی القوم الفاسقین۔ اور اللہ تعالیٰ قوم فاسق کو راہ نہیں دیتا پس ان
 چیزوں کی محبت اپنے آپ کو راہ حق و ایمان سے خارج نہ کرنا چاہیے ورنہ عاقبت کی ربا دی ہو۔ اللهم اہدنا و اہل علینا الشدید انت ہی ثم الوالی و نعم
 الوکیل۔ اور قولہ احب الیکم۔ میں کمال رحمت آسانی ہو کیونکہ در واقع مخلوق کو سولے اپنے خالق پاک کے جس نے اسکو پیدا کیا اور ایسے ایسے انعام غیر تمہاری
 تعداد سے سرفراز کیا ہو اور کسی سے محبت کے کیا معنی ہیں اسکو ہمہ تن اپنے محبوب پاک ہی سے محبت ہونا چاہیے یا اسی کے واسطے اور سے موجود حقیقت
 اسی کی محبت ہو لیکن آدمی ضعیف البیان اپنی اولاد وغیرہ کی محبت میں بقتضائے طبیعت پھنسا ہوا ہو کہ طبیعت اسپر غالب ہوتی ہے لہذا کم سے سقیم
 رکھا کہ جلا شیار کی محبت سے حب الی غالب ہو پس کوئی چیز اس کو ہرگز تمہیل حکم الہی سے مانع نہ ہونے پاوے۔ مفسرین نے کہا کہ جب سے محبت اختیار
 مراد ہو کیونکہ محبت طبعی بے اختیار ہی ہو اس سے ہندہ مکلف نہیں ہو سکتا۔ اور حق یہ ہے کہ یہ بات براہ حکم ہو ورنہ عند تحقیق جب محبت ایمانی
 مستحق ہوتی ہو تو محبت طبعی بہت ہو جاتی ہے اگر چہ فی الجملہ معارض ہو اور یہ ادنیٰ درجہ ہی ورنہ اہل کمال میں معارضہ نہیں ہوتا واللہ اعلم۔ وقد قال
 والدین امنا اللہ جہا اللہ اور امام احمد نے عبد اللہ بن ہشام سے دعایت کی کہ ہم لوگ حضرت رسول اللہ صلعم کیساتھ تھے اور آپ حضرت عمر بن
 اکابہ پکڑے تھے پس عمر نے عرض کیا کہ واللہ یا رسول اللہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سولے میری اپنی جان کے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا
 کہ کوئی تم میں سے ہون نہ ہوگا یہاں تک کہ میں اسکو اسکی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں تو عمر نے عرض کیا کہ واللہ یا رسول اللہ آپ مجھے
 میری جان سے زیادہ محبوب ہیں تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ان اب اسے عمر تو پورا مومن ہوا۔ رواہ البخاری۔ مگر ہم کہتا کہ جان نہیں آہی ہے
 جان اللہ تعالیٰ عمر سے ہے صحابی کو فوراً اس فیض سے سرفراز فرمایا واللہ اعلم علی ذاک۔ اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ قسم اس فات پاک
 کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہو کہ کوئی تم میں سے مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اسکو اسکے والدین داؤد و تمام لوگوں سے زیادہ
 محبوب ہوں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ جب ہم لوگ بطور عینہ خرید و فروخت کر گئے اور گادون کی
 زمین پھوڑ گئے اور راعت پر مری ہو گئے اور جہاد پھوڑو گئے تو اللہ تعالیٰ تم پر دولت کو مسلط و غالب کر دیا اس کو تم سے نہیں ہٹا و یگا
 یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ۔ رواہ احمد و ابو داؤد و قد رواہ احمد من طریق شہر بن حوشب باسنادہ عن عبد اللہ بن عمرو ایضا بخو
 فلک مکرہم کہتا ہے کہ عینہ کی خرید و فروخت بالاتفاق مکروہ ہے اور اسکی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ ترجمہ عالمگیری یہ کتاب البیوع سے مفصل تلاش
 کرنا چاہیے یہ بیضاوی نے کشف کی بیعت میں بعد تفسیر اس آیت کریمہ کے لکھا کہ اس آیت میں تشدید عظیم ہے یعنی بڑی سختی ہے

Marfat.com

اکتر اس سے کوئی چھوٹا ہوگا اور مترجم کہتا ہے کہ یہ الفاظنا کارہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو ایمان عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے حمل قوت سے
 باسانی اس سے چھوٹے اور خوش ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دعا مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے صدقے میں ہم کو
 ایمان کی توفیق و ہدایت سے اور خاتمہ بخیر کرے آمین یا رحم الراحمین۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَأَنْتُمْ لَا تَشْكُرُونَ ۚ إِذْ أَجَبْتَكُمْ لَقَوْلِكُمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ

مردم کہ چکا ہے اللہ تمکو بہت میدانوں میں اور دن سختیوں کے جب تم نے تم اپنی ہنایت پر بھروسہ کیا کہ تم
 شکیا و صفاقت علیکم الارض بما رحبت ثم وليكم مدبرين ثم انزل الله
 ذاتی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین ساتھ اپنی فراخی کے پھر تم نے تمہیں وہ کہ پھر اتاری اللہ نے

اپنی طرف سے تمہیں اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاری زمین جو تم نے نہیں دیکھیں اور اتاری
 کفر قاطب و ذلک جزاء الکفرین ۚ لَمْ يَتَّخِذِ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَفُوفٌ فَحِيمٌ

کانون کو اور یہی مزارے شکر و ن کی پھر تو بدیگا اللہ کے بعد جس کو چاہے اور اللہ بخشا ہے مہربان
 فی تفسیر الحافظ ابن جریر نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کی کہ سورہ برآة میں یہ آیت سے پہلے نازل ہوئی۔ وقال المترجم حضرت
 کہ موافق قول ابن عباس کے سورہ برآة بعد فتح مکہ کے نازل ہوئی پس جن آیات میں توہم ہوتا ہے کہ قبل فتح مکہ نازل ہوئیں یا تدر قولہ الاتقان
 قوما لکن انما ایمانہم و ہوا باخراج الرسول الآیات و یہود و غیرہ کے حق میں معمول ہیں ان بیان بنظر اصلی مقصود کے تمام اہل کفر و شرک کو شامل
 ہے بدین معنی کہ اشباع نفس ہوسی میں تمام وہ قلوب جو نور ایمان سے خالی ہیں مضامبات و مشابہت رکھتے ہیں پس مشرکین مکہ کا بھی وہی
 حال ہے اگرچہ یہود جان بوجھ کر چاہ ضلالت میں گرنے سے زیادہ قابل لامت ہوئے۔ اور مترجم نے ان آیات کی تفسیر میں مفصل یہ اشارہ
 کر دیا ہے وہ ان تامل کرنا چاہیے بالکل کلام آہی سب اپنے موقع و معنی میں استوار و صحیح و مستقیم ہے اطلاق و تعقید ہے۔ چنانچہ انہ صیادہ تابعین
 رضی اللہ عنہم سب آگاہ تھے اور جنوں نے سب بتلادیا لیکن پھلوں کی کندہم اس کنگرہ بلند تک کسی پہنچنے میں قصور کرتے تھے۔ قاطب
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد و ہجرت بجالانے میں مترود ہوئے والوں کو مطمئن فرمایا کہ جب کسی امر میں حکم حق تعالیٰ صریح ہو تو اس میں تردد کی
 کوئی جگہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے اجتہاد پر نہیں چھوڑا گیا کہ اس میں خدا واد عقل سے سمجھ بوجھ کر جو رائے میں آئے وہ کرو بلکہ متعین کر دیا کہ یوں کرو
 پس تمہاری صلاح کیلئے اور تعالیٰ خود کریم کار ساز ہے اور سامان اسباب پر نظر رکھنا حکم منصوص میں ہیڈ ہے اور جہاد و ہجرت اسی قسم سے ہے
 پس انکو اپنے حکم کی پابندی کرنے کی صورتوں میں اپنے فضل و کرم سے ان کا کام درست کرینگی نعمتیں یا دولا میں کہ بطن سامان ظاہری کے
 تم کو فتح و نصرت دی تاکہ مطمئن ہو جاؤین کہ فتح و نصرت و کار سازی سب آلہ عز و جل کے قبضہ قدرت میں ہے اور اسباب پر کچھ بھی بھروسہ نہیں بلکہ
 اس پر بھروسہ کرنا ناظر ہے چنانچہ با دولا بقولہ۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ یعنی امر جہاد و غیرہ میں فقط
 اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر کے فرما ہر داری کرو کہ اللہ بیشک تم کو اللہ تعالیٰ نے موطن کثیرہ میں نصرت دی اور تم اس کو آراہنگے ملائکہ
 ہے سامان تھے مگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے۔ موطن جمع موطن۔ ہائے قرار و بود و باش اور یہ دوطن یعنی واحد ہیں اور لیر لوگ جو کہ
 مقام جنگ سے ہٹنا نہیں چاہتے بلکہ وہیں کھیت ہنا منظور کرتے ہیں یا دشمن کو مارین تو اسکو بھی موطن کہتے اور ہائے کہ موطن فرت دمان

لہ اطلاق بندہ تفسیر کو دریا۔ ۱۲

لیا جائے یا ظرف مکان پر مضاف مقدر کر کے ایام مواظن کہا جائے اور قائلہ اس کا عنقریب ظاہر ہوگا۔ ولان تقدیر موطنیہ القسم ہو اور کثرت بدین قدس متعل
ہے بلکہ شاید نہولامنی ماسلف مستوفیۃ۔ والسنی البتہ تکرر نصرت وی اللہ تعالیٰ نے مواظن کثیرہ میں۔ یعنی بہت سے مقامات یا ایام حرب میں بات
بدون قرینہ و نظیر کے اور صحیح بخاری وغیرہ میں جملہ غزوات رسول اللہ صلعم کے بروایت زید بن ارقم کی اور تیس مذکور ہیں اور ہمدانی کی روایت
میں یہ بھی ہے کہ ان غزوات میں سے آٹھ میں قتال کیا اور مضمون نے کہا ہے کہ غزوات و سراوایا و ہجرت سب ہلا کر ستر ہیں اور بعض نے کہا کہ
آٹھ ہیں اور قولہ کی کی صحیحین کے اعراب میں دو ہیں ایک یہ کہ ظرف منصوب لفعیل مقدر ہے لے وا ذکر یوم حنین۔ اور فعل ظاہر یعنی
نصر کم سے منصوب نہیں ہے بلکہ قولہ۔ راذیٰ اجبت کثر کثر۔ تکمیل از یوم ہے پس اگر منصوب لفعیل مذکور ہو تو محل قولہ فی مواظن عطف
ہوگا۔ حالانکہ جمیع مواظن میں ان کی کثرت نے ان کو اعجاب میں نہیں ڈالا بلکہ جمیع مواظن میں وہ کثرت سے نہ تھے لہذا منصوب لفعیل مقدر ہے
اور وجہ دوم یہ کہ یوم حنین عطف ہے فی مواظن پر اور اذیٰ اجبت کم کا بدل ہونا کچھ مضر نہیں کیونکہ یہ عطف اس امر کو مقتضی نہیں کہ معطوف کی طرف
جو بات مضاف ہو یعنی کثرت اعجاب میں معطوف علیہ اپنے معطوف کیساتھ جمیع مواظن میں مشابہ ہو پس جب یہ بات نہیں تو تقدیر فعل کی کچھ ضرورت
نہیں اور یہی بیجاوی نے اختیار کیا اور اول مختار مفسر ہے اور وجہ اول پر مبنی یہ ہیں کہ یاد دلائے روز حنین کو اس وقت کہ کہ اعجاب میں الا تکرر بخاری
کثرت ہے۔ اور وجہ دوم پر یہ معنی کہ فتح دی اللہ تعالیٰ نے تم کو مواظن کثیرہ میں اور حنین کے روز جبکہ تم کو تمہاری کثرت نے اعجاب میں ڈالا تھا اظہر
ہو کہ واقعہ حنین اور دیگر مواظن میں یہ فرق ہوا کہ دیگر مواظن میں اہل اسلام کی نہ کثرت تھی اور نہ ان کو اعجاب ہوا اور حنین میں کثرت تھی اور اعجاب ہوا
پس اللہ تعالیٰ پر تمام توکل سے نظر چوکی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو توجہ دکھلا دیا کہ کثرت و ظاہری اسباب کچھ کام نہ آئے اور شکست اٹھائی پھر اللہ تعالیٰ
نے معبود سے چند اہل توکل کو فتح دی جن میں بڑی سہیل ایک تھی کہ درمیان مکہ و طائف کے اٹھارہ میل کے لیے اس میں اہل اسلام اور مشرکین سے
مقاتلہ ہوا اور قصہ مختصر یوں ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب اکثر لوگ مسلمان ہو گئے اور قیدیوں کو آنحضرت صلعم نے رہا کیا اور وہاں کا انتظام کر دیا
تو آپ کو خبر ہوئی کہ قبیلہ ہوازن نے لڑائی کے لئے لشکر جمع کیا ہے اور مالک بن عوف نضری ان کا سردار ہے اور بنو ثقیف تمام اور بنو جشم اور
بنو سہل بن کعب اور عمرو بن ہلال و بنی عمرو بن عامر و عمرو بن عامر اس کے ساتھ شریک ہیں اور دسے لوگ جان پر تمیل کرتے ہیں اور بنو سہل بن کعب
دوڑہ ذرہ اسباب کے اس میدان میں آکر منتقم ہوئے ہیں کہ ہرگز نہ بھاگیں گے اور ہوازن تیر اندازی میں مصروف تھے پس آنحضرت صلعم آٹھویں
سال ہجرت کے ماہ ثوال میں ان کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین انصار و قبائل عرب کا لشکر دس ہزار تھا جو فتح مکہ کیلئے
ساتھ آیا تھا اور ہوازن کے اندر وہ اہل مکہ تھے جو مسلمان ہوئے تھے اور ان کو طائفار کہتے تھے اور بظنہ ان میں سے دل سے مسلمان بھی
نہ تھے اور بہتیرے سواروں سے ساتھ ہوئے تھے کہ ہوازن فتح نہ پاویں کہوں کہ قریش کی سبکی ہوگی پس اہ میں یہ قصہ ہوا کہ بعض نے ذات النواط
دیکھ کر حضرت صلعم سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی مشرکوں کا سا ایک ات النواط بنوادے جسے تو فرمایا کہ اللہ اکبر یہ تو ویسا ہی قول ہے جیسے بنو اسرائیل
نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اجعل لنا آتاکا لہم آتہ۔ یہ آیت بھی آخر اکلون کے قدم بقدم ہو جائے گی۔ بعض نے کہا کہ اہل مکہ و مدینہ ایک ہو گئے ہیں
فتوحات خوب ہوں گے اس کلام کو آنحضرت صلعم نے مکرر فرمایا اور بعض نے اپنی جماعت کی کثرت دیکھ کر کہا کہ قلت کی وجہ سے جو شکست ہوتی
تھی اب کہونہ ہوگی اور یہ کلمہ بھی آنحضرت صلعم کو ناگوار ہوا۔ بالجلہ جب دی حنین میں ہوئے تو وادی میں پو پھٹے تڑکے اترے اور ہوازن
نے اس کے نالوں میں گھات لگائی تھی اور اموال سب ظاہر کر دیئے تھے پس سواروں نے حملہ کیا اور قوم ہوازن پیچھے پھیر کر بھاگی اور
یہ ان کی دعا تھی اور لشکر کے آزمودہ کار صحابہ مہاجرین و انصار پیچھے تھے وہ اب تک ہونے نہ تھے اور بعض جو موجود تھے انھوں نے منع کیا

نصوص اولیٰ و ثانیہ کا ایک باب تھا اور ان میں سے روز حنین اور اس وقت کہ کہ اعجاب میں الا تکرر بخاری

منازلہ شکر الون نہ دربارہ نہیں ہوا ہے ۱۲۰۰ھ میں ۱۲۰۰ھ میں ۱۲۰۰ھ میں

کریہ قوم کا فریب مگر نادانوں کو مسلم لوگوں نے رسنا اور قوم نے گھات سے نکل کر تیر اندازی کی تو گھوٹے پھرے اور شکر الون فرخست کھائی اور بھاگے اور ایسے فرار ہوئے کہ بعض نے مکہ میں آکر دم لیا مگر رسول اللہ صلعم اپنی بیگمہ پر قائم تھے اور اسدن بخلہ شہ پار سوار تھے اور اسکو دشمن کی جانب بڑھاتے۔ صحیحین میں برابر بن عابد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اسی سے کہا کہ بے ابو عمار ہوم خین کو تم لوگوں نے فرار کیا تو فرمایا کہ لیکن رسول اللہ صلعم نے فرار نہیں کیا۔ ہوا دن تیر انداز قوم تھی جب ہم ان سے طاق ہوئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے پس لوگ ہواں غنمت پر ٹوٹ پڑے اس حال میں ان لوگوں نے تیر رسائے اور تلواریں کھینچ کر لیکے مہ سے سب حرا آ رہے ہیں لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلعم نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ آپ بخلہ بیضیا پر سوار اور ابو سفیان بن العارث اسکی لگام پکڑے تھے آپ فرماتے تھے کہ انا اللہ بنی کعبہ کا بن عبد المطلب یعنی کچھ دور سے نہیں میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں اسکا بندہ اور نب میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔ سخاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو صفات مخلوق میں فردا کمل فرمایا کہ آپ کا مثل نہیں چنانچہ یہ شجاعت اور یہ وثوق و ایقان ہو جو تم نے سنا۔ ہا بھلا آنحضرت صلعم اس کمال شجاعت سے قائم اور عباس بن عبد المطلب آپکی رکاب تلے اور ابو سفیان بن العارث بن عبد المطلب آگے سے بخلہ بیضیا کی لگام مضبوط پکڑے تھے کیونکہ آپ اس کو اس حال میں آئے بڑھاتے تھے اور وہی فرماتے تھے جو بیان ہوا۔ اور آپکا ساتھ فریب کبھی سوار کے ثابت قدم رہے ہیں ابو بکر و عمر و عباس و فضل بن عباس و علی بن ابی طالب و اسامہ بن زید و غیرہم تھے اور برابر بن عازب ابن سوہرہ بھی انھیں میں تھے۔ ہا بھلا آنحضرت صلعم لوگوں کو پکارتے کہ لے بندگان خدا میری طرف آؤ میرن طرف آؤ پھر اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جو بہت بلند آواز تھے حکم دیا کہ اصحاب الشجرہ کو آواز دین یعنی سال حدیبیہ میں درخت کے پتے جن لوگوں نے بیعت الرضوان اس حدیث کی تھی کہ لڑائی میں نہیں بھاگیں گے پس عباس نے آواز دینی شریع کی کہ لے اصحاب سرہ اور کبھی کہتے کہ لے اصحاب سوہ بقرہ پس لوگوں نے لبیک کہتے ہوئے قبول کیا اور برسے۔ ابن جریر نے عبد الرحمن بن ابی عمیر سے روایت کی کہ ایک شخص نے جو اس دن مشرکین کے ساتھ تھا ہم سے بیان کیا کہ جب ہم لوگ اصحاب رسول اللہ صلعم سے بھڑکے تو وہ ہانکے سامنے اتنی دیر بھی نہ ٹھہرے کہ جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوبا جاتا ہے اور بھاگے تو ہم نے انکو جگانا شریع کیا یہاں تک کہ ہم وہاں تک پہنچے کہ جہاں بخلہ بیضیا پر ایک شخص سوار تھا جب دیکھا تو وہ رسول اللہ صلعم تھے اور آپ کے گرد ہم کو گورے گورے خوبصورت لوگ ملے اور اسی حال میں تھے کہ آنحضرت صلعم نے لوگوں کی طرف بھڑک کر فرمایا۔ شاہت لکھو۔ ہوا۔ تمہارے ہر سے خداد ہوں بچے پھر۔ اور ہم نے گہرا کر بھاگنا شریع کیا اور وہ لوگ ہانکے کندھوں پر سوار ہوئے گویا وہی ہانکے کندھے ہیں جب عباس کی آواز سے اصحاب بڑے تو تیزی کیساتھ وہ آنحضرت صلعم کی حضور میں حاضر ہوئے یا تنگ کہ اگر کسی کا اونٹ بڑھے میں جلدی کر تا تو وہ زردہ پھینک کر اسے سے کو د پڑتا اور پیرون دوڑتا ہوا آپکے پاس حاضر ہوتا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا کہ جب عقیقہ لوگ آنحضرت صلعم کے پاس ہو گئے تو حکم دیا کہ صدق نیت سے مکر کرو اور دعا کر کے ایک مشت خاک مشرکوں کو پھینک داری اور وہ لوگ بھاگے۔ امام احمد نے یہ قصہ جو ابو عبد الرحمن الفہری سے روایت کیا اس میں ہے کہ پھر شاہت الوجہ لکھو وہ مشت خاک انکو پھینک داری اور مشرکین بھاگے اور علی بن عطاء نے کہا کہ مشرکین کے بیٹوں نے جو مسلمان ہو گئے آپ باپوں سے یہ قصہ روایت کیا کہ ہم لوگوں میں سے کوئی نہیں بچا ہر ایک کی آنکھ دمنہ میں خاک ٹٹکریاں پھر ہوئیں اور بھاگے کا وزن میں ایک سخت بھنکار سالی جیسے طشت پر کوئی لہے کی زنجیر گرنا دیکھتا ہے پس ہر جو اس ہر کہ ہم لوگ بھاگ نکلے۔ و قد رواہ البیہقی فی دلائل النبوة۔ پس اللہ تعالیٰ عروہل نے یہاں ایسی ائمہ یاد دلائے کہ جہاد و خیرہ میں ہا سباب ظاہری پر نظر مت کرو اور حکم مخصوص میں عقل مت لڑاؤ دیکھو کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے فتح دیا

بہت موافق بن اور جنین کے روز بھی جبکہ تم نے اپنی کثرت پر عجب کیا تھا یعنی بعض نے کہا تھا کہ اب ہم لوگ جوہر قلت کے مغلوب ہون گے پس ہی کہہ کر
پڑھے گئے کہ بھروسہ تمام اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا۔ **فَلَمَّا تَخُنْتُمْ وَعَدْتُمْ لِيَوْمِ تَبَايَعْتُمْ**۔ اعتراف اس قدر دینا کہ حاجت دور کرنے کے لئے من تدلح کثرت تم
عکم شیئا۔ تمہاری کثرت نے تم سے کچھ دور نہ کیا بلکہ تم بھاگ نکلی یعنی تم میں سے اکثر بھاگے اگرچہ تینتیس مہاجرین تھے انصار حضرت مسلم کیساتھ
تا بہت قدم لپٹے تھے اور عبد اللہ بن مسعود کی روایت یہی ہے میں اسی مہاجرین و انصار مذکور میں بالکل اکثر بھاگے۔ **وَضَافَتْ حَلَكِيكُمْ**
اَلَا تَرْضَوْنَ بِنَاكَ حَبِيَّتٌ۔ حسب انضمام وسعت اور بافتح مقام وسیع اور باطنی مع و بعض نے کہا کہ معنی علی ہی اور ما مصدر یہ ہے مع جہا
یا علی جہا معنی یہ کہ تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے یعنی تم ایسے بدحواس ہوئے کہ ایسی فراخ زمین میں تمہیں کہیں جائے قبر انہ ملی
جیسے بے ٹھکانے والے آدمی کا حال ہوتا ہے۔ **لَقَدْ وَ لِيَكُمْ مَعَدٌ**۔ اور بار بار یعنی پیچھے پھیر کر اٹھے جانا اختلاف اقبال کے اور پھر
حال یہ یعنی پھر تم نے کافروں کو اپنے پیچھوں کا متولی کیا در حالیکہ تم پیچھے پھیر کر بھاگنے والے تھے۔ کلام میں تعبیر بلامت ہو اور اشارت لطیف مشعر
علامت ظاہر ہے۔ جب شکست ہوئی تو بعض منافقوں و مدبذب لوگوں نے کہا کہ چلو زور ختم ہو اب یہ شکست مکہ تک نہیں گئی اور محمد بن
اسحاق نے جابر بن عبد اللہ سے قصہ جنین روایت کیا اس میں ہے کہ بھاگنے کے بعد پہلے جو بے گئے وہ انصار تھے اور ان میں خزاع
بعد اس کے تھے اور یہ لوگ جہاد میں بہت ثابت قدم تھے پس یہ لوگ حاضر ہو کر قوم ہوازن سے بھڑکے اور اللہ تعالیٰ و رسول کے روبرو
ہم انہیں قہر کرنے کی نیت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاب پر ٹیک دیکر نظر فرمائی کہ قوم انصار اس قلت کے ساتھ اس گروہ کفایت سے جو چار ہزار
تھے دلیری سے لڑتی ہو تو فرمایا کہ اب البتہ تو رگوم ہو پھر عبد اللہ بن مسعود سے ایک مشت خاک بیکر مشرکوں کو پھینک کر ہی اور کہا کہ شاہد اللہ
انہم ما وہ رب الکعبۃ۔ یہ پھر سے شرک کیساتھ خوار ہوں۔ قسم در ب کہہ کی اب بھاگے اور پھینکنا تھا کہ کافروں کی آنکھیں دمنہ کنکر یوں ٹیک سے
بھڑکے اور وہ بھاگ نکلے۔ بالکل پہلے لشکر اسلام ہی نے شکست اٹھائی فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع عباس بن عبد المطلب کے اور ابوسفیان بن الحارث
بن عبد المطلب کے بنا بر غنا مفسر کے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع سواد میون کے ماتی ہے۔ **كَمَا قَالَ تَعَالَى**۔ **قَدْ أَفْزَلْنَا لَكَ عَلَى رَسُولِهِ**
يَمَانِئَ تَمَّ۔ ترتیب بیانی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینہ و طمانینہ ہر حال میں نازل تھی معنی یہ کہ پھر منکر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے جو طمانینت
آزاری نہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر **وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ** اور مومنین پر۔ مفسر نے کہا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے عباس نے جب دزدی اور ہجر
توان پر ثابت قدمی و طمانینت نازل تھی پس جگر لڑے۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ جو آپ کے ساتھ قائم رہے تھے ان پر نازل ہوئی بہت سی واحمد
نے ابن مسعود روایت کی کہ جنین کے روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے آپس میں کچھ پیچھے پھیری اور میں اس مہاجرین انصار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ گیا اور ہم لوگ قائم ہوئے اور ہم نے پیچھے نہیں پھیری اور
یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے طرف طمانینت آزاری تھی مترجم کتاب ہے کہ وجہ توفیق روایات کی طرف میں نے بیان قصہ میں اشارہ کر دیا ہے کہ کچھ جلد باز لوگ
دلیری کر کے آگے بڑھے تھے اور ہی لڑیں میں پڑ کر بھاگ نکلے اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سولے عباس بن عبد المطلب کے کوئی نہیں تھا
وان اسی آدمی یا سواد می بہت قریب تھے وہ دہیلے والوں کے شریک نہ ہوے بلکہ فوراً انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قوم کو روکا اور
عباس بن کے آواز دینے سے سابقین مہاجرین انصار جو پیچھے تھے تیزی کے ساتھ دوڑے حتیٰ کہ اگر اونٹ جلدی نہ کرتا تو کو دوڑتے اور بیرون دوڑتے
اور چونکہ غلط طمانینا ہو گیا تھا انہذا رو یوں میں اختلاف ہو گیا حتیٰ کہ پچھلے لشکر والوں کو بعض نے بھاگ کر واپس لے لیا۔ فافہم اللہ علم
وَأَنْزَلْنَا جَحْشَكُمْ تَرَوْهَا۔ اور ایسے جنود نبی تھے و لشکر آتا ہے جن کو تم نے نہیں دیکھا یعنی ملائکہ کو نازل کیا اور قصہ بدر میں
تحقیق گذر چکی کہ ملائکہ نے قتال نہیں کیا سولے بدر کے واللہ اعلم ولیکن کثرت جماعت کہا سلسلے نزول ضرور ہوا چنانچہ روایت ابن جریر

تعبیر میں مہاجرین انصار کے ساتھ

ہزار عبد الرحمن مولی ام پر بنی اٹلے قصہ میں گذر چکی بہت سی ہے اپنی اسناد سے شیبہ بن عثمان سے جو فتح مکہ کے نو مسلم لوگوں میں سے ہیں وایت کی
 کہ جنگ خنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی نکلا تھا لیکن اللہ میں کچھ اسلام یا اسکی معرفت سے نہیں نکلا بلکہ اس حیرت کیواسطے کہ ہوازن
 والے قریش پر غالب ہونے پادین میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میں ابلیس گھوڑوں کے سوار دیکھتا ہوں تو فرمایا کہ شیبہ ان کو
 سولے کافر کے کوئی نہیں دیکھتا پھر میرے سینہ پر لپٹا تاہم مار کر فرمایا کہ اے اللہ تعالیٰ پاک میرے تو شیبہ کو ہدایت فرما دے ایسا ہی تین مرتبہ کیا پھر اللہ
 قیسی ہر تیرے سینہ سے اہت ہاتھ نہیں اٹھایا تھا کہ میری کیفیت ہو گئی کہ تمام مخلوق الہی میں کوئی بھی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب تھا
 پھر جنگ کا تمام قصہ لوگوں کا بھڑانا اور شکست اٹھانا اور عباس کا پکارنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح کی دعا کر کے ایک مٹی خاک رنا اور شکر کون
 کا بھاگنا سب بیان کیا جبرین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جنین کے روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور لوگ لڑتے تھے کہ ناگاہ میں دیکھا
 کہ ایک سیاہ کلبی آسمان سے گرتی نظر آئی بیان تک کہ زمین پر مومنون مشرکوں کے درمیان گری اور ناگاہ آسمان سے چوٹیاں نکلیں جن سے
 تمام وادی بھر گیا اور یہ ہوتے ہی مشرکین نے شکست کھائی پس ہم کو کچھ شک تھا کہ وہ ملائکہ ہیں۔ رواہ ابن اسحاق۔ مقرر جم کتابہ کہ مشرکوں
 کو ابلیس گھوڑوں کے سوار نظر آتے تھے اور مومنون کو اس حال خوفناک سے نہیں معلوم ہوتے بلکہ خوب اذیت و اذیت سے نظر آتے اور اکابر اہل اللہ کو
 بجا تم بھی دکھائی دیتے تھے یزید بن عامر السواہی سے روایت ہے کہ میں جنین کے روز مشرکین کے ساتھ تھا اور عرب کی کیفیت تھی جیسے طشت
 میں کوئی کنگریاں ڈال کر بھالے پس ہم لوگ اپنے سینہ میں اٹھ کر نظر پاتے تھے اور کثرت آیات ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹی خاک کنگریاں لیکر
 مشرکوں کو باری کہ ہر ایک کی آنکھوں و منہ میں لگ کر بھڑھئے اور وہ مضطرب ہو کر بھاگے اور قتل و قید ہوئے و مسلمانوں میں سے صرف
 چار آدمی شہید ہوئے۔ وقال تعالیٰ۔ وَ عَذَابُ الذَّالِّیْنَ کَافِرًا۔ اور کافروں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کیا یعنی قتل و قید ہوئے۔
 و انکے مال لئے و سدری نے کہا کہ تلوار سے مقتول ہونے کا عذاب کیا بعض نے کہا کہ عورتیں و بچے سمیت چھ ہزار قیدی تھے اور غنیمت اتنی بڑی
 ہاتھ آئی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی چنانچہ فقط بارہ ہزار اونٹ تھے اور بکریوں وغیرہ کا شمار نہیں۔ وَ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْکَافِرِیْنَ۔ اور
 یہ جو کچھ ان کے ساتھ کیا گیا کافروں کی جزا ہے یعنی دنیا میں ان کے کردار کی یہ جزا ہے اگرچہ آخرت میں جو کفر پر مرے ان کی سزا بہت سخت
 ہے۔ ثُمَّ یَتَوَبُّ اِلَیْهِ مِنَ الْعَدْلِ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے گا۔ انہیں سے جسکو چاہے یعنی
 کفر سے توبہ کر کے اسلام لے سکی توفیق دے گا۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ان کے گزشتہ اعمال پر توبہ کر کے
 ان پر فضل کرے گا چنانچہ ہی ہوا کہ ہوازن کے جرم لوگ باقی بچے تھے وہ مسلمان ہو گئے اور واقعہ جنگ کے تیس روز بعد روانہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
 جواز میں قریب مکہ کے ملا اور درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مختار کیا کہ قیدیوں و مال و لون میں سے ایک چیز جو چاہو پسند کر کے لے لو
 پس انھوں نے اپنے قیدیوں کو لینا پسند کیا پس اپنے منادی کرا کے منگو کر ان کو واپس کر دیے اور اس استدلال کیا گیا کہ غنیمت کا اختیار حضرت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جسکو چاہیں یوں اور اول سورہ انفال میں کچھ کلام و آیت انھیں میں کچھ بحث گذر چکی ہے اور تیسری پر دلالت کرتا ہے یہ
 قصہ کہ قیدی ان کو واپس کر دیے اور باقی اموال غنیمت کو اپنے تقسیم کیا اور اس میں سے طلاق یعنی مکہ کے نو مسلم لوگوں میں سے بعض کو تالیف
 تلویح کے طور پر سو سو اونٹ دیے اور مالک بن حوث نضری سردار قبیلہ حوازن کو بھی سو اونٹ دیے اور اسی کو اسکی قوم پر بدستور سردار کیا اور
 آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں قصیدہ لکھا جسکے دو تین اشعار میں مضمون ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل نہیں ہے ہمیشہ میں جب سخاوت سے حط
 فرمادیں اور خیر غیب پوچھو تو بتلا دین شجاعت ایسی کہ اگر تیرے تلوار سے لشکر کے چکے چھوٹ جا دیں تو اپنے مقابلہ الون پر تہا مثل شیر کے

حملہ آور ہوں اور دشمن بھاگیں تو ہر طرف سے راہ روک دین وہ بھاگتے راہ نہ پاویں آخر تسلیم ہو جا کر ان کے سامنے آویں۔ قال لست بحکم اشعار صحیح
 بلا سبب اللہ اعلم فی العرائس قولہ تعالیٰ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة ویوم حنین الآیة۔ استدلال حقیقت ثابت ہے کہ اولیاء کے
 قلوب بھی امتحانی خطرات کے خالی نہیں ہوتے ہیں باوجودیکہ ان کو شرفِ لایمت حاصل ہے اور اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ ہر ذی لایمت
 ان کا مشرف ہونا کچھ ان کے اعمال سے متعلق نہیں ہے اور اس سے ان کو معرفت حاصل ہو کہ یہ نعمت و لایمت جو ان کے واسطے پسند فرمائی بعض
 فضل و رحمت ہے اس میں ان کا کچھ دخل نہیں ہے یعنی آیت کے یہ ہیں کہ جہاں تم نے اپنی طاقت و قوت سے دگاؤ الگ کیا اور میری ہی طرف محتاج
 ہوئے اور مجھ سے میری ہی طرف فرار کیا تو میں نے اپنے حوالہ قوت سے تم کو تھاکے دشمن پر فتح دی کہ تھادی نگاہ میری ہی عظمت و جلال پر ہے
 اور جب تمہاری نظر جو کی اور اپنے حوالہ قوت پر بھی پڑی اور مشاہدہ قدرت حقہ سے مجرب ہوئے تو میں نے تم کو تھاکے نفوس پر چھوڑ دیا۔ جعفر نے
 فرمایا کہ نصرت کا حصول ایک ہی چیز پر تھا اور وہ ذلت عاجزی و محتاجی بننا باری تعالیٰ ہی بقولہ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة۔ ایسے بہت
 مواطن ہیں جہاں تم نے اپنے نفوس کے ساتھ قیام نہیں کیا اور اپنی قوت کثرت کو مشاہدہ نہیں کیا اور یقین رکھا کہ نصرت کچھ اپنی قوت و اسباب
 نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نصرت بنا رہا ہے اور جب بندہ اپنی قیمتی عاجزی پر یقین رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرماتا ہے اور غوری کا آنا بھی
 ایک ہی چیز سے ہے اور وہ جب ہی بقولہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اجبتکم کثر تکلم۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے نفوس کی کثرت سے قوت کو دیکھا تو
 حق تعالیٰ نے ان کو ہزیمت دکھائی اور زمین وسیع ان پر تنگ کر دی۔ قولہ تعالیٰ ثم ولیمم دربرین۔ ادباً یہ تھا کہ اپنے حوالہ قوت و کثرت کے حوالہ کیے
 اور اسی کی دکالت میں سوئے گئے تھے۔ پھر جب انھوں نے اس تقصیر کو جان لیا کہ مشاہدہ الہی سے آنکھ اٹھا کر اپنی طرف ڈالی تھی اور اسپنادم ہونے
 تو امتحان سے نکال کر پھر ان کو لباس النوار قدرت سے اور آثار سبب سے مزین کر دیا۔ لہذا قال تعالیٰ ثم انزل اللہ سکینة علی رسولہ علی من یشئ
 ان یخیرت مسلم اگرچہ برابر شامت قدم تھے اور تنہا اس بموجب کیلئے فتح و نصرت ایک مشت خاک سے ظاہر فرمائی اور انکھیں کھول دیں کہ عدم وجود
 تمام مخلوق و لشکر و الفسار کا برابر ہو اور تنہا وہ شہسوار حوصلہ سالت واسطے اطلاع کلمہ حق کے کافی ودانی ہو لیکن جب مناب عظمت و جلال کا طوق
 ہو تو مخلوق پر وہ عدم میں ہو ہیں رسول اللہ صلعم پر ازال طماننت سے اشارہ ہے کہ قلب حضرت صلعم بھی شواہد امتحان سے خالی نہیں کیونکہ
 حق عزوجل ہی حق ہے اور مخلوق پھر مخلوق ہے اور ایسے معنی میں حضرت صلعم نے فرمایا انہ لیغوان علی قلبی وانی لا استغفر اللہ فی الیوم سبعین
 مرة یعنی میرے قلب پر بھی عین آجاتا ہے اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ مغفرت مانگتا ہوں اور غایت مافی السحاب یہ ہے کہ علی قدر
 مراتب خلوص و کمال انہزام صحاب کا خطرہ اس شان میں اس امتحان کا مرتبہ ہو گیا کہ ازال سکینہ کی حمایت و سنگیری کی ضرورت ہوئی۔ سکینہ لایمت
 انوار کشف مشاہدہ ہے جب کہ کرازل سے خوف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اصطفا لیت انبی کا نمونہ دکھا کر خوف مکر سے مطمئن کر دیا اور یہ نہیں ہوا
 تھا کہ ایک دم بھی اسکا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کی طرف متنت ہوا۔ لیکن یہ ہوا کہ جب وہ دریائے قدم میں غرق ہوا تو وحی مشاہدہ
 اثر ہو گیا اور تمام حادثہ و مخلوق کو قبضہ عظمت میں منلاشی و ناہود دیکھا پس اس سے فرزع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے کہیم سے اسکو اپنی طرف
 جگہ دی پس سکینہ و طماننت آپ کو قریب حاصل ہوئی۔ لہذا قال تعالیٰ وانا ندلی۔ اور کمال ثبات بسبب قرب القرب کے لہذا قال نکان قاب قوسین
 اذ ادنی لیس جب منہ علی میں آپکا مشاہدہ قدم کی حالت میں ادب سے حادثہ پر نظر کرنا بالکل صادر نہوا تو مزید وصف فرمایا بقولہ ما زانغ
 ابصروا علی سکینة و طماننت جو حضرت صلعم کو حاصل ہوئی وہ دیدار ذات سے تھی اور یومین کو وہ بلا صفات سے تھی۔ بعض نے کہا کہ سکینہ
 الرسول وہ تھی جو سوزہ الہمتی کے وقت مشب معراج میں ظاہر ہوئی۔ لہذا قال تعالیٰ ما زانغ البصر الا یہ بلکہ مقام قرب میں اسکا

قیام اور حق کی طرف کان لگانا اسی سے ثبات ہے۔ بقولہ علیہ السلام التحیات بشد والصلوات اکم اور سکینۃ المؤمنین وہ صدق اعتقاد ان امور پر جو حضرت مصطفیٰ علیہ السلام لائے از قسم وعدہ و وعید و بشارت وغیرہ۔ بعض مشائخ نے کہا کہ سکینۃ وہ قیام مع اللہ تعالیٰ ہفتائے مخلوق نفسانینہ ہے۔ استاد نے کہا کہ سکینۃ اس طرح ہے کہ حکم پروردگار تعالیٰ ہماری ہونے کے وقت قلب کا مستحکم ہونا بصفت طمانینت اور فریضہ بشارت اس طرح کہ مقتضائے نفس بالکل بجا ہوا کا معدوم ہونا اور جو کچھ غیب کے احکام ظاہر ہوں ان پر خوشی خاطر سے رہی ہو جائے اور بعض نے کہا کہ مقام مشاہدہ میں بیداری و ہوشیاری کے ساتھ قائم رہنا اور آداب عبودیت اچھی طرح ادا کرنا بدون اسکے کہ گرائی و مشقت کو جس سے برداشت کرے اور گنہگار نفس چھلتی و کودتی رہی۔ قال المرحوم حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ میں سے بعض نے رات میں قرآن مجید کی قراۃ کی پس گھوڑا جو قریب بدھا تھا بھرکا اور آخر ہوتے ہوتے مانند ابر سپید نے جس میں بکثرت شمع تھیں انکو گھیر لیا اور صبح تک یہی حال رہا پھر وہ اونچا ہو کر غائب ہو گیا جہاں بزرگ نے اپنے سر تاج حضرت سید عالم صلعم سے و کر گیا تو اپنے فرمایا کہ یہ سکینۃ تھی قرآن کی تلاوت پر نازل ہوئی خاتم پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اتار کر اس موقع کے انعام کو پورا کیا۔ کہا قال تعالیٰ و انزل جنود الم تر وہا۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ جنود و اودت آثار قوت عملی الحق سبحانہ تعالیٰ بغیر احتجاج و انقطاع ہے۔ استاد نے کہا کہ جنود میں سے یہاں اشارت ہو فرشتوں و ارواح و ہستیوں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ ازل میں بعض لوگ جو نور سعادت سے داغ دیئے گئے تھے اور یہاں اپنی ہدائی سے سنجہ بدستی و قہر میں گرفتار تھے ان کو سابقہ رحمت و حکمت سے مکالمہ بقولہ ثم یوبئ اللہ من بعد ذلک علی من یشاء بعض النوار غیبان پر منکشف فرما کر شہود کی ہدایت فرمائی اور عین احسان و رحمت سے نور ہدایت میں غرق کیا۔ واللہ غفور رحیم۔ یہ کیا چھا کر وہ رحمت ہے کہ ازل میں بدون وجود کے ان النوار ایمان سے سرفراز کیا جن کا حال ہوں ہی جانتا ہے حالانکہ بعد وجود کے اُنکے گناہ و کردار بد کی یہاں تک نوبت ہو چکی کہ اس نعمت عظمیٰ سے کرمیوں کے سے قتال کرتے تھے۔ کیا بڑی مغفرت ہے کہ سب پر وہ پوری فرما کر اس نور سے سرفراز کیا کہ اسکا مثل ما شہد نہیں ہے۔ استاد نے فرمایا کہ جہالت سے انکو حقائق علم دیئے اور اس تاریک جنگل سے مشاہدتیں کھلائے پھر اس متفرق وحشت سے انکو عین الجمع و صلحت میں ہونچایا سبحان اللہ بحدہ و سبحان اللہ العظیم واللہ شہد رب العالمین۔ پھر تم کو آگاہ فرمایا کہ جو بجز توحید سے پاک ظاہر ہوا ہوا وہ پلیدی لائق مقام قرب نہیں ہے بقولہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نجسٌ كَلَّا يَفْقَهُ بُولِ الشُّجَاعِ مَا وَعَدُوا بِهَذَا قَا
 اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلیدی ہیں سو نزدیک آوین مسجد حرام کے اس برس کے بعد اور
 اِنْ خِفْتُمْ عَيْدَكُمُ فَسَوْفَ يَغْفِرْ لَكُمْ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ اِنْ شَاءَ طَرِيقَ اللّٰهِ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
 اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آگے غنی کر یگا تمکو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے اللہ سے سب جانتا حکمت والا
 اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو معاف کر دی کہ مسجد احرام میں مشرکوں کو نہ آنے دین بقولہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نجسٌ
 كَلَّا يَفْقَهُ بُولِ الشُّجَاعِ مَا وَعَدُوا بِهَذَا۔ اے ایمان والو! لوگ جو مشرک ہیں وہ تو نجس ہیں پس اس سال
 کے بعد سے لوگ مسجد احرام کے قریب آوین۔ نجس یعنی نجس و نجس جمیم و نیز بعض جمیم و کجسراول سکون ثانی بروزن جس میں اکثر تالچ جس بولا
 بھی جانتے۔ لقال رجل رجل نجس الرجل من مصدر و اوله اذ حالت تنفیه و جمع و تذکیر و تانیث میں مفرد ہی ہوتا ہے اسی واسطے یہاں جمع نہیں
 آیا اور بعض نے کہا کہ نجس یعنی نجس بنی عین بنیاست پلیدی ہے اولاد ابن عباس نے کہا کہ مشرکین کے اعیان مانند کتے و سوسکے
 نجس ہیں اور یہی صحت پھر ہے۔ سے مروی ہے اور من بن صلح نے کہا کہ جو کوئی کسی مشرک سے معاوضہ کرے وہ وضو کرے مگر نجس

کتاب ہے کہ حسن بن صالح کے قول سے استدلال ان کے نجس العین ہونے پر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حکم نظر استصحاب ہو سکتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ خبیث
 اگرچہ نجس العین کے قائل نہیں لیکن مصافحہ میں ہی حکم دیتے ہیں۔ کما فی الفتاویٰ الہندیہ۔ و مراد وضو سے ہاتھ دھو ڈالنا چنانچہ بعض احادیث
 میں یہ استعمال آیا ہے اور واضح ہے کہ ظاہر یہ بھی نجس العین ہونے کے قائل ہیں اور امام مالک کی طرف بھی یہی قول منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس قول
 مالک سے مانند قول جہو علماء صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین و فقہاء مذاہب ربیعہ کے یہ ہے کہ کافر کی ذات نجس نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکا علم
 حلال کر دیا اور حضرت صلعم نے ان کے برتنوں میں کھایا پیا بلکہ بیویہ کا پکا کھانا بھی کھایا۔ حسین اس حدیث نے زہر ملا یا اور شامہ بن اثال کو
 مسجد کے ستون سے بانڈھا اور وفد ثقیف کو مسجد میں اتارا ہا بجلد ید اللیل جیدہ ہی صحیح ہے کہ ظاہری حکم نجاست ان کے نفس ذات پر
 نہیں ہے کہ جس معنی قولہ تعالیٰ انما المشرکون نجس۔ اسے ذوق نجس یعنی مشرکین نجاست و اسے بن سبب اسکے کہ ان کے ہاطن میں جنبت
 و پلیدی شرک کی ہو یا سبب اس کے کہ طہارت نہیں کرتے اور غسل نہیں کرتے اور نجاست سے پرہیز نہیں کرتے پس نجاستوں میں پتھر
 کہتے ہیں۔ کما قال قتادہ و عمر و غیرہما رحمہما اللہ بالجملہ طہارت کا طریقہ ان کا خود ناپاک ہو وہ کبھی پاک نہیں ہوتے ہیں اور کیونکہ بن نام پاک و رنگار
 کے کس طرح سے پاک ہو سکتے ہیں۔ اور مصافات حدیث کے نجس ان پر جموں ہوتا مبالغہ ہے کہ انکی باطنی نجاست اس وجہ کی بڑھی ہوئی ہے
 کہ گویا ظاہر و باطن بالکل نجس ہیں جس جب سمجھا دیا کہ مشرکین نجس ہیں تو اس پر تفریح فرمائی کہ فلا یقرؤا المسجد الحرام بعد عامہم ہذا۔ فافتریح
 برعلت سالیقہ یعنی جب نجس ہیں تو بعد اس سال کے مسجد الحرام سے قریب ہوں۔ مسجد الحرام کا اطلاق کبھی نفس مسجد پر ہوتا ہے اور وہ بیت الحرام
 کہتے ہیں اور کبھی تمام حرم پر ہوتا ہے جیسے قولہ سبحان الذی اسری لہ لیلۃ لیلا من المسجد الحرام۔ حالانکہ اسات آپ حضرت ام ہانی اپنی بھوی کے انگر
 تھے اور وہ داخل حرم ہی ہیں مسجد الحرام سے قریب ہونے سے ممانعت فرمائی حالانکہ مقصود یہ ہے کہ داخل نہ ہوں اسلئے کہ قریب آؤینگے تو مقصود
 خوب حاصل ہے کہ داخل ہونے سے اور نیز خاص مسجد میں بالفرض نہیں داخل ہو سکتے اور اشارہ ہے کہ نجاست ایسی بڑھی ہوئی ہے کہ قریب
 ہونیکے قابل نہیں ہے جیسے پاک آدمی نجاست کو ہا س نہیں آئے دیتا ہے چھونا کیسا بیضاوی نے کہا کہ فلا یقرؤا کا حکم جو مشرکوں کو دیا
 گیا اس سے دلیل نکلی کہ قریب اعمال کا مشرکوں سے خطاب ہے یعنی ایسے ہی روزہ و نماز کو وغیرہ کا بھی ان کو خطاب ہے اور ہی شافعیہ کا
 قول ہے اور حنفیہ نے کہا کہ ان کو ایمان لانے کا خطاب ہے پھر جب ایمان لا دین تب ان اعمال کا خطاب البتہ مقید ہے در نہ حالت کفر میں خطاب
 بیکار ہوگا کیونکہ مشرک کی کیا نماز و کیا روزہ لہذا صاحب کثافات نے کہا کہ فلا یقرؤا سے نہی راجح بجانب مؤمنین ہے یعنی اسے مؤمنیہ لوگ نجس ہیں
 تم ان کو مسجد الحرام کے پاس مت آئے دو۔ ہی ابو السعود وغیرہ نے ذکر کیا اور ہی ادھر ہی اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ مشرکین قریب مسجد الحرام نہ آدیں مگر انکے کوئی مشرک تھا ما خادم ہو یا تمکے ملک میں عہد ذکر کیا تھا رہتا ہو یعنی
 مشرکین سے ذمی خادم مستثنیٰ ہیں و قدروی عنہ مروفا۔ وقال الحافظ والبقوت اصح۔ اب ایہ کہ مسجد الحرام سے دونوں اطلاق میں سے کون مستثنیٰ
 مراد ہیں پس عطا نے کہا کہ تمام حرم مراد ہے اور ان ابی حاتم نے ابن عباس و عطار و سعید بن جبیر و مجاہد سے روایت کی کہ قرآن میں جہاں اطلاق
 مسجد الحرام ہے وہاں حرم مراد ہے پس تمام حرم سے مشرکین منع کئے جا دین گلا وہی قول امام شافعی نے اختیار کیا کہ سوائے مسلمانوں کی مصلحت
 کے امام سے اجازت لیکر اور کسی جہ سے تجارت وغیرہ کے لئے مشرک کسی وقت حرم میں نہ آئے ہاویگا۔ اور دیگر اہل علم کے نزدیک معنی حرم
 مراد ہیں پس نفس مسجد سے منع کیا جائے نہ تمام حرم سے۔ اور بیضاوی نے امام ابو حنیفہ کا قول اس سے بھی انحصار کر لیا کہ مسجد الحرام سے
 بھی حج و عمرہ ادا کرنے کی غرض سے منع کیا جاوے نہ مطلقاً۔ اور کمالین میں کہا کہ آیت عمول سے کہ بطور غلبہ کے یا بضرع حج و عمرہ کے

یا سگے طواف کرنے کے داخل مت ہونے دو۔ حق یہ ہے کہ نجاست کی علت پہلے بیان کر کے ممانعت ہر حال میں داخل ہونے سے ثابت ہو اور ضرورت کا وقت شرع میں مستثنیٰ ہونا مشرع ہی پر مفسرین کے دو قول ہیں کہ مشرکین سے خاص مراد ہیں یا عام ہیں بعض نے کہا کہ خاص بت پرست مراد ہیں نہ دیگر اصناف اور یہ تخصیص ظاہر اسوجہ سے کہ اس وقت مسجد الحرام میں ایسا نہایت پرست ہی تھے ورنہ لفظ عام ہوا لہذا قول دوم یہ کہ عام مراد ہیں خواہ بت پرست ہوں یا یہود و نصاریٰ موسیٰ وغیرہ۔ اور یہی شافعی کا قول ہے اور اسی میں نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز نے عمال کو لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں یہود و نصاریٰ کو گھسنے سے منع کرو اور یہی ہے یہ آیت لکھی قال اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس لآیت۔ یہی قول صحیح ہے کہ عمومات مشرکین کو داخل مسجد الحرام سے منع کیا جائے۔ رہا یہ کلام کہ سولے مسجد الحرام کے دیگر مساجد میں کیا حکم ہے تو علماء مدینہ منورہ کا مذہب یہ ہے کہ مشرک کو ہر مسجد سے منع کیا جائے اور عمر بن عبد العزیز سے اوپر منصوص مذکور ہوا اور یہی امام مالک کا قول ہے اور شافعی نے کہا کہ سولے مسجد الحرام کے دیگر مساجد سے منع نہ کئے جاویں اور امام ابو حنیفہ سے مثل قول شافعی کے مروی ہے اور قتادہ نے کہا کہ جو مشرک کہ ذمی ہو اسکو سوا ہے اور جو یون کو ممانعت ہے اور ابن عربی نے اس قول سے بظرف تخصیص علت نجاست کے ہتسعا دیکھا اور قول اول ہی اختیار کیا بعض نے کہا کہ کافروں کے محاط سے بلاد اسلام کے عین آقسام ہیں۔ اول حرم پس کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا امان لیکر آیا ہو یہ مذہب نہیں ہے کہ وہاں داخل ہو بنا بر قول شافعی و احمد مالک کے لہذا سردار کہ کو حرم سے باہر نکل کر کافرا پہلی سے ملاقات کرنا چاہیے یا کسی امین کے ذریعہ سے اس کی بات دریافت کرانے۔ دوم حجاز اور مدینہ و یمن نجد و مدینہ شریفہ کے درمیان ہے اور بعض نے اس سے وسیع بیان کیا پس امام کی اجازت سے کافر وہاں جا سکتا ہے لیکن تین وز سے زیادہ نہ رہنے پائے کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا ہے کہ وہاں سولے مسلمان کے اور کوئی نہ رکھا جائے اور درحقیقت یہ حکم تمام جزیرہ عرب کے حق میں ہے۔ سوم دیگر بلاد اسلام میں ان اجازت و عہد سے کافرہ سکتے ہیں لیکن بنا بر قول شافعی وغیرہ علماء کے بدین حاجت اجازت کے وہاں کی مسجد میں داخل نہ ہونے پادین گے اور قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسجد الحرام میں اور مذکور ہوا اور دیگر مقامات و بلاد میں اسی اصل پر تیس کرنا چاہیے۔ بالجملة آیت کریمہ سے مؤمنوں کو جواز راہ دین ذات کے پاک پاکیزہ ہیں یہ حکم ہوا کہ مشرکوں کو جو دین کی ماہ سے خمس ہیں مسجد الحرام کے قریب آنے دین بعد اس سال کے اور یہ یونان سال ہجرت تھا جس میں حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکر الصدیقؓ کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ مشرکین کو مناد ہی کر دین کہ بعد اس سال کے کوئی مشرک سچ نہ کرے اور کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے کما فی تفسیر البراءۃ۔ اور جو قتا وہ سے مروی ہے کہ قولہ بعد ما ہم ہذا مراد سال دہم ہے تو یہ خلاف ہے اور شاید مراد ان کی بعدیت کے تفسیر ہے یعنی اس سال ہم کے بعد سال دہم سے کوئی مشرک قریب آنے پائے لہذا محل صحیح۔ ابن عباسؓ و مجاہد و عکرمہ و سعید و قتادہ وغیرہ ہم نے کہا کہ جب یہ حکم دیا گیا تو لوگوں نے کہا کہ اسی صلوٰت میں ہماری بازاہدین ہند ہو جائیں گی اور تجارت منقطع ہو جائے گی اور جو آرام و راحت ملتی تھی وہ جاتی رہی تو اللہ نے اس سے اطمینان کے لئے نازل فرمایا قولہ۔ **وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْدَةَ فَسُوفَ يُعْذِبُكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ شَاءَ عِيلَةُ مَا لَمْ يَنْفَعْ نَفْرُو حَتَّىٰ أَتَىٰ بَابَ ضَرْبِ قَيْلٍ مِنْ بَابِ نَهْرٍ وَعَلَيْكُمْ كَيْ قِرَاءَةِ مِيقَاتِهِمْ عَائِدَةً وَغَيْرِهَا** اور بعض نے کہا عیلہ سے مراد صلوٰت مشقت ہو یا خود از محاورہ۔ حالہ اللہ کے شوق علیہ۔ یہ امر اس پر شاق گذرا۔ یہ معنی اگرچہ آیت میں محتمل ہیں لیکن بقرینہ وعدہ تو لکری کے اول روز ہے۔ والمعنی اور اگر تم نافر و محتاجی کا خون کرتے ہو سبب ان کے حرم میں آنے سے روکنے کے کیونکہ جو راحت تم کو ان کے آپسے ملتی تھی وہ منقطع ہو جائے گی تو عنقریب تم کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دے گا یعنی دوسرے طور سے تمکو عطا فرما دے گا اور یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا کہ مسلمان سے اچھی باتیں ہوتی ہیں سے پیداوار غلہ خود ان کے یہاں خوب ہوتی اور انہیں صنعا و یمن وغیرہ کو

اسلام کی ہدایت فرمائی جو مکہ میں بہت سدا سدا و غیرہ کی لائی پھر شام و روم وغیرہ فتح کر کے کہ اموال غنیمت و جزیرہ وغیرہ سے مالامال ہو گئے اور
آیت میں قولہ ان شاء کی قید لگانی یعنی اپنے فضل سے تم کو تو نگر کر لگا کر چاہے تو یہ قید اس واسطے ہے کہ ہر چیز سے امید توڑ کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کی طرف
امید لگادین اور اس واسطے کہ آگاہ رہیں کہ یہ فضل محض ہے کہ ان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ پر استحقاق نہیں ہے اور جان رکھیں کہ جس تو نگر کی کا وعدہ ہو وہ
یکساں سب کو ہر وقت نہیں ملے مگر موافق مشیت الہی کے بعض وقت اور بعض آدمیوں کے واسطے ہوگی۔ **إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** اللہ تعالیٰ
علیم حکیم ہے اسکی حکمت و علم سے بعض کو ملتا اور بعض کو نہیں اور بعض چیز ہلتی اور بعض نہیں اور بعض وقت ہتی اور بعض وقت نہیں ہلتی ہے اور یہی
ہیں حکمت بصواب ہے پس بقضاء و قدر پر رہی رہیں عقل و تدبیر جس واسطے عطا ہوئی ہے اسکو کام میں لاوین و لیکن اس پر اعتماد نہ کریں و نہ
فِي الْعَرَالِيسِ قولہ یا ایہا الذین آمنوا انما المشرکون نجس الخ۔ شیخ نے اول بیان کر دیا ہے کہ مسجد الحرام کے کلمہ سے بطریق اشارت وہ مقامات
داخل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں قرب سبائی حاصل ہوتی ہے پس یہاں رمز و اشارہ ذکر کیا کہ اس کلام سے ظاہر ہوا کہ جس بندے
کے دل میں اپنے معبود کی بندگی میں غیر کی طرف لگاؤ و خطرہ رہا اگرچہ اپنے نفس کی طرف کیوں نہ ہو وہ نجس ہے اس قابل نہیں ہے کہ جن مجالس
و مقامات سے قرب حاصل ہوتا ہے ان کے پاس جائے کیونکہ اس کے جانے سے اہل مجلس صالحین کے خاطر پریشان ہوں گے اور اس کے
دم کی نجاست سے ان کے انفاس پاکیزہ مگد ہوں گے اور اس کلام میں عارفوں کو بھی نصیحت ہے کہ خلاف اہ حق میں چلنے والوں کی صحبت سے اپنے آپکو
بچاویں جنیذ بنے کہا کہ صوفیہ لوگ ایک گھرانے کے ہیں انہیں عجز و اعل نہیں ہو سکتا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس پر قدم کے آثار کا عکس پڑا
وہ اپنے نفس کی طرف نگاہ کرنے لگتا ہے اور یہی نظر اسکے حق میں اسکے دل میں اس کے دل کی نجاست ہے جس سے وہ پاکیزہ عالم ملکوت جبروت
کے پاس نہیں جاسکتا۔ شیخ محمد بن ابوصالح نے کہا کہ اعمال میں مشرکہ شخص ہے جو لوگوں کی ملاقات کیلئے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور جو
بھلائی اس سے ممکن ہو مخلوق کیلئے ظاہر کرے اور نفس کی عبادات ظاہر کرنے سے اسکو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے پس اسکا باطن بسبب
مخالفت ظاہر کے نجس ہوتا ہے اور وہ یا دشواری و دیگر مخالفت میں پس یہی شخص اپنے اعمال عبادت سے مشرک ہے اور مقام قرب کے لائق
نہیں کیونکہ منزل قدس کے لائق رہی ہوتا ہے جو ظاہر و باطن پوشیدہ و علانیہ یکساں پاک پاکیزہ ہو چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا انما المشرکون نجس۔
پس جو شخص نجس ہو وہ کسی مقام کی برکت سے پاک نہیں ہوتا اور ظاہری پردہ کی وجہ سے وہ در واقع پاکیزہ نہ ہو جائے گا۔ استاد نے مشرکوں
کے نجس ہونے کا نکتہ یہ بیان کیا کہ اب توجہ سے ان کے اسرار دہل جاتے اسکو چھوڑ بیٹھے اور اپنے وہم و گمان کو گڑھے اعتقادات کو دوسرے
جگہ دی جو دلیل و حجت سے محض مضحل ہیں پس اس گندے پانی میں ڈوبے اسی واسطے ان کو مساجد کے پاس چھٹکنے سے ممانعت فرمائی اسلئے کہ
یہ جگہیں تو انوار قرب سے منور ہونے کیلئے ہیں اور وہ اندھیرے کے سوائے نور کے قابل نہیں۔ پھر حق تعالیٰ نے عارفین کو وعدہ دیا کہ ان کو لباس تو نگر
جادید سے آراستہ کیا جائیگا کہ غیر کی طرف عجمائی کی نظر کر کے ناپائنداری کی برہنگی سے محفوظ رہیں بقولہ تعالیٰ وان ختم علیہ فسوف ارجع بہن
اشارت سے ان لوگوں کیلئے بھی حکم موجود ہے جو اہل اسلام میں سے تقویٰ طہارت کی راہ سے امیر امرا مالدار اہل سنت و سادہ سے پرہیز کرنے ہیں
یعنی جب تم نے دنیا داروں کو اپنی نظر سے دور کیا اور دلی تعلق کچھ نہ رکھا اور انہیں لوگوں سے ملے جو فقیر و صاف باطن ظاہر صوفی ہیں
اور اپنے معبود حق کے سوائے کسی قبل و عمل وغیرہ میں کچھ شریک نہیں کرتے اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہیں پھر تمہارے دلوں میں یہ
خطرہ گذرے کہ دنیا داروں سے ملنا جلنا چھوڑنے میں سخت مشقت و عجمائی پریشانی ہوگی کام کیسے چلے گا تو وعدہ دیا جاتا ہے کہ تم کو ایسے وسیلے سے
برق دیا جائے گا جس سے تم درگاہ حق سے مجرب ہو جاؤ۔ قال المترجم حدیث میں ہے کہ بھی تو نگر کی نفس کی تو نگر ہے اور دوسری حدیث

سے ثابت ہے کہ قناعت نہ کرنا مالدار ہو تو بھی خوار و سرلین ہر وقت محتاج بنا ہوا دعا ذلت سے رسوا ہوتا ہوں فی الہاب طاقتہ صالحہ من اللہ عادیہ
 فلسی طلب فی الصحاح۔ استاد نے کہا کہ جو سبب حیل آدمی نکالتا ہے ایسی ہی ہوگی کی امید کرنے سے شرک میں پڑا اور توحید کا در دولت بند ہو گیا
 اور وہ در بدر پریشان پھر گیا۔ اور جس نے یقین کر لیا کہ میرے مہوئے جو میری قسمت میں مقدر کیا وہ لا محالہ مجھے ملے گا اور جو نہیں مقدر کیا وہ کبھی نہ
 ملیگا پس ہی خالق قادر ہو تقدیر اسی کی ہو تو وہ تو نگر ہو اور جس نے یقین نہیں کیا وہ ہمیشہ خوار محتاج فقیر ہو۔ قال المستزحم بعضے نادان یہ تھے
 ہیں کہ پھر ہم غنیمت مشقت کیوں اٹھا دیں تو یہ ان کی بہالت ہو کیونکہ ہاتھ پاؤں ہوش حواس فقط اسلئے تھے ہیں کہ تدبیر سے کام کر و اور اس کا
 اثر تمھاری تدبیر وغیر پر نہیں ہو لہذا اس قدر حکم بجالانا ضرور ہو پھر دینا نہ دینا اس کے اختیار میں ہے اور جو کوئی لہجہ اپنا بیچ بن بیٹھے اسکو بھی اس کا
 روق مقدر ہو بیچ جائے گا۔ ہا یہ کہ گناہ گار ہو گا یا نہیں تو اس میں علماء نے اختلاف کیا اور اصح یہ ہے کہ اپنا بیچ بتا کر کام ہو اور تفصیل ترجمہ عالمگیری
 یعنی فتاویٰ ہندیہ میں سے تلاش کرو و اللہ اعلم بعض نے کہا کہ جس نے کرم مولیٰ پر اعتماد کیا اور اسی کے ہا ران رحمت پر ٹکھی لگائی وہ سبب
 و تدبیر سے تو نگر ہو اور اس نے ہر مشقت سے راحت پائی اور اسی ہر امید برآئی اور بے مانگے مراد پائی۔ واللہ بشدربانہا لیس۔ پھر اللہ تعالیٰ
 عزوجل نے نبیوں مشرکوں مفسدین کا ہتھ تار ان پر جہاد کا حکم دیا بقولہ تعالیٰ۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
 لوط ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر نہ پہلے دن پر حرام جانیں جو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول
 وَلَا يَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ آذَوْا الْكُتُبَ الْحَقَّ عَنِ يَدِهِ وَهُمْ ضِعْفُونَ ۝

اور نہ قبول کریں دین سچا وہ جو کتاب والے ہیں یہاں تک کہ دین جنہ سب ایک ہاتھ سے اور وہ بے قدر ہیں۔
 سوہ براہ شروع سے یہاں تک مشرکین عرب کے حق میں کلام فرمایا اہل کتاب کے حق میں شروع کیا۔ مجاہد نے فرمایا کہ اہل اہل روم پر جہاد کا حکم ہو اور اسی کے بعد
 آنحضرت صلیم نے غزوہ ہند کا سفر کیا۔ کلبی نے کہا کہ مدینہ کے یہود بنو قریظہ و نصیر پر جہاد کا حکم ہے پس انھوں نے جزیرہ دینا قبول کیا اور یہ پہلا جزیرہ اور پہلی
 خواری اہل کتاب کی ہوئی۔ اقول اہل کتاب سے غالباً مراد دونوں فریق یہود و نصاریٰ ہوتے ہیں جیسے بنو اسرائیل سے یہود اور نصاریٰ سے
 عیسائی مراد ہوتے ہیں۔ پس اصح یہ ہے کہ یہ حکم ہر دو فریق کے حق میں ہے۔ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ۔ قتال کرو ان لوگوں
 سے جنکی صفت یہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر۔ الذین اہل کتاب مراد ہیں چنانچہ آگے بیان آتا ہے۔ حافظ نے لکھا کہ جزیرہ
 عرب میں مشرکین کی پہلا صلح ہونے کے بعد نوین سال ہجرت کے یہ پہلا حکم اہل کتاب پر جہاد کا آیا لہذا آنحضرت صلیم نے سخت گرمی و قحط کے موسم
 میں تین ہزار اہل مدینہ و اطراف کے لوگ جمع کر کے قتال اہل روم کا قصد فرمایا جس کو غزوہ ہند کہتے ہیں اور اسی غزوہ سے بعضے مومنین
 بھی پھوٹے تھے جن کا عجیب قصہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آویگا اقول اس آیت میں نص صریح ہے کہ اہل کتاب کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے
 پس ہم اسکو تو یقین کہتے ہیں پھر مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کیے کہ عدم ایمان کیونکہ کسی مفسر جلال نے لکھا کہ ایمان نہیں ہو ورنہ آنحضرت صلیم
 پر ایمان لاتے اور توحیح اسکی قبیح ماننے کی تفسیر میں ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ پر بدون متابعت کسی رسول کے ممکن نہیں ہے اور سب رسولوں نے
 حضرت سید المرسل محمد صلیم کی بشارت ہی ان پر ایمان لانا فرض میں کر دیا اور ان کی کتابوں میں صریح بشارت ہے کہ کسی نبی پر ایمان
 ہوتا تو ضرور محمد صلیم پر ایمان لاتے پس جب کسی نبی پر ایمان نہوا بلکہ صرف اپنی رائے دہوا وہوس کے ہا ہند ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان نہ ہوا۔
 بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر اسلئے ان کا ایمان ٹھیک نہیں ہے کہ یہود تو ایسے خدا پر ایمان لاتے ہیں جس کے واسطے ناقص صفتین ثابت کرتے ہیں اور

۱۲ لہ چنانچہ جہاد اسکے سامان و مہم ہرات کو چوں پہلے ۱۲

Marfat.com

عزیز علیہ السلام کو اس کا بیٹا تسلاتے ہیں باپ ہی اپنے بیٹے کی جنس سے آدمی یا مخلوق ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک بل جل جلالہ ہر
 نقص و عیب سے پاک ہے اور یہودیوں کا ایمان ثابت نہیں۔ اور یہی حال نصاریٰ کا ہے کہ کمال نادانی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں
 پس درحقیقت لے لوگ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ایسے خدا پر ایمان لائے ہیں جس کا بیٹا مسیح اور جو دوسرے بھی ہو اور وہ کوئی
 چیز ہو گا کیونکہ بالیقین اللہ تعالیٰ جل جلالہ ایسا نہیں ہے جس حضرت معبود برحق خالق مطلق جامع صفات کمال منزہ از نقص ذوالمشیت
 مخلوق پر جو اللہ تعالیٰ سبحانہ ہو اس پر ایمان ہوا لہذا حکم دیا کہ ہمارے کو ایسے لوگوں پر جو ایمان نہیں لائے اللہ تعالیٰ پر و کلابا لیسق صر
 الاخری۔ اور نہ ایمان لائے روز آخر یعنی روز قیامت ہے۔ یہ بھی صریح نص ہے کہ یہودیوں و نصاریٰ میں سے کسی کو روز آخرت پر ایمان نہیں ہو اگر کوئی
 کہے کہ نصاریٰ بھی قیامت کے قائل ہیں اور یہودی بھی چنانچہ قرآن مجید میں خود مذکور ہے کہ قالوا لن یدخل الجنة الا من کان ہوذا و نصاریٰ یعنی
 یہودی دعویٰ کرتے کہ جنتی فقط یہودی ہیں اور نصاریٰ کہتے کہ فقط نصرانی ہیں۔ اور ایسے ہی دیگر آیات ہیں اس سے تو نکلتا ہے کہ قائل ہیں میں جو سب
 دہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا بھی لے لوگ دعویٰ کرتے ہیں مگر جو حال یہ وہ تم اور ہر گن چکے پس یہی روز قیامت پر ایمان لانے کا
 حال ہے۔ حاصل آنکہ جو چیز جس طور پر واقع میں ہو اگر اسی طور سے اس پر ایمان ہوا تو دوسری چیز پر ایمان ہوا اس پر بالکل بھی ایمان نہیں۔
 چنانچہ روز آخرت یہودی تو اس دن کو کہتے ہیں جس میں لوگ بڑے آرام سے جنت میں داخل ہوں گے ان کی چوری و غابازی ظلم فریب کاری
 کسی کا مواخذہ اس سے ہوگا اور فقط وہی جنت بھر کے مالک ہوں گے کسی اور کا نام بھی نہ ہوگا اور نصاریٰ بھی مدعی ہیں کہ مسیح پہلے گناہوں کے
 بدلے خود سولی چڑھ چکے اب ہمیں ہم جنت میں نظر آدینگا اور کوئی نہیں اور دنیا میں جو کچھ گناہ کرین ہم سے کچھ پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ پس یہ لوگ ایسے
 روز آخر کے قائل ہیں اور حقیقت میں ایسا کوئی دن نہ ہوگا بلکہ روز قیامت تو وہ دن ہوگا کہ ذرہ ذرہ حساب ہوگا اور پورا عدل و انصاف ہوگا
 جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور نیک کام کئے وہ ثواب آرام پاد یگا چاہے کوئی ہو اور جو کافر یا مشرک بدکار گناہگار موزی ظالم رہا وہ اپنے
 کئے پر گرفتار ہو کر عذاب پاد یگا اور کوئی دوسرے کا بوجھ اپنے سر نہیں اٹھاویگا اور نہ کسی کی بدکاری میں دوسرا پکڑا جائیگا بلکہ ہر ایک
 اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ بعض علماء نے کہا کہ اہل کتاب اس لئے قیامت کے منکر ٹھہرے کہ انکا یہ اعتقاد ہے کہ خالی لوح کا حشر ہوگا نہ جسم کا اور
 ان کا اعتقاد ہے کہ جنت میں نہ کھانا نہ پینا نہ عمدہ نہ قصو کچھ بھی نہیں ہو خالی لوح کو فرحت یا غم ہوگا اور ایسے ہی بہت سے دہیات اعتقاد ہیں جو
 ایسا اعتقاد ہونا اور نہ ہونا برابر ہو روز آخرت قیامت جو واقعی ہے اس کا وہ ہرگز معتقد نہ ہوں مومن نہیں اگرچہ دعویٰ کرے مترجم
 کتاب کہ ہم اسے زمانہ میں فرقہ بچر کا بھی یہی اعتقاد ہے پس اس قول سے نکل آیا کہ بچری بھی مومن نہیں ہیں۔ بعض علماء نے اگرچہ احتیاطاً اس فرقہ کی تکفیر میں
 تامل کیا لیکن اصح یہی ہے کہ ان کے کافر ہونے کا فتویٰ شرع سے ثابت ہوتا ہے اور نیز ثابت ہوا کہ فلاسفہ کا جیسا اعتقاد فقط لوح کی
 لذت یا الم کا مذکور ہے کہ ہی جنت و دوزخ ہے تو اسکا معتقد بھی کافر ہوگا یہاں تک کہ جو بات اللہ تعالیٰ و رسول نے فرمائی ہے اس پر اعتقاد لاوے
 اور میں نے ہر تا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ و رسول نے بتلایا اور اگر یہ بتاؤ نہ کیا بلکہ ثبوت و حواغوری و فسق و فجور پر کمر باندھی اور یہ سمجھا کہ
 اوہ ہی ان کے کرنے میں کچھ پرواہ نہیں تو کافر ہو اور اگر ڈرتے ڈرتے کیا تو فاسق ہو لیکن ایک دھم تہ تو ڈرتے ڈرتے کرتا ہے پھر آخر
 تند ہو کر بے دھڑک کرنے لگتا اور کافر ہو جاتا ہے دیکھو یہودی کا یہی حال ہوا چنانچہ فرمایا لا یخیر المؤمن مسلحاً من اللہ و رسوله لک
 اور ہم نہیں کہتے اس چیز کو جسکو اللہ تعالیٰ و اس کے رسول نے حرام کر دیا چنانچہ یہودی پر جہاں کھانا حرام کی گئی تھی انھوں نے اسکو کھلا کر
 فروخت کر کے اُسکے دام لئے اور کھائے۔ حدیث صحیح میں یہودی کے اس فعل پر لعنت آئی ہے اور حضرت صلعم نے اس سے اپنی امت کو تنبیہ

کر دی ہو کہ یہودیوں کے مانند حیلہ و فریب نہ کریں اسی واسطے علماء ربانی سمجھاتے ہیں کہ بعض لوگ جب سال ختم ہونے کو آیا تو اپنا تمام مال جو رو
 وغیرہ کو بیہ کیا تاکہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے پھر جب سال ہو چکا تو ہینہ دو ہینہ بعد پھر ہب سے رجوع کر لیا تو یہ حرکت حرام ہے جیسے یہودی کی حرکت تھی
 بعض نے کہا کہ رسول میں رسول سے آنحضرت صلعم مراد ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں حرام کیا جیسے سوز کو اور جو آنحضرت صلعم نے سنت میں
 حرام کیا جیسے رشوت جسکو حرام نہیں کہتے یا اللہ تعالیٰ اور رسول کی حرام کی ہوئی چیز جیسے شراب کو حرام نہیں کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ رسول سے
 انکار رسول مراد ہے جس کی پیروی کاٹے دعویٰ کرتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ نے یہودیوں پر چربی حرام کی اسکو نہیں کرتے بعض نے کہا کہ معنی یہ ہیں
 کہ اللہ تعالیٰ اور رسول نے جس کے لئے معتقد ہیں جو کچھ تورات و انجیل میں حرام کیلا ہے عمل نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکو تحریف کر کے بدل ڈالا اور جیسے
 ان کے اپنے مطلب و غرض سے عبارتیں بنا کر لکھ لیں چنانچہ انجیل کے نسخہ جب مقابلہ ہوئے تو کئی لاکھ جگہ فرق ایک دوسرے میں نکلا اور پتہ
 نہیں لگتا کہ اصل انجیل کیا ہوئی اور اس میں کیا مضمون تھا اور یہی یہود کا حال ہے اور ان کے عوام جاہلون کا یہ طریقہ ہے کہ جو کچھ ان کے علماء نے
 کہا اسکو عین ایمان کر لیتے ہیں یہ نہیں پوچھتے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم کیا ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ اخذوا حجابہم و ربہا نام ارباباً من دون اللہ الا یہ
 سے ثابت ہے اور مسلمان بھی اہل نبی بھی کرتے اور فتویٰ یوں دیتے ہیں کہ "چھ میفرماید علمائے دین لکن یعنی اس مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں حالانکہ
 یوں لکھنا چاہیے کہ اس مسئلہ میں شرع سے اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کا حکم ثابت ہوتا ہے جسکو ہمارے علمائے دین بیان فرما کر بڑا ثواب کما دین
 باجملہ اہل کتاب جن پر جہاد کا حکم دیا ہوتا ان کا یہ حال تھا کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ نے حرام کیا اسکو حرام نہیں کہتے یعنی اسپر نہیں چلے ورنہ
 اس کے حکم کے موافق سید الانبیاء محمد صلعم پر ایمان لاتے اسی واسطے فرمایا۔ **وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ** اور برتاؤ نہیں کرتے دین حق
 کا یعنی دین اسلام کا جس نے اور دینوں کو منسوخ کیا اور اب ہی دین ثابت و برقرار رہیگا یہاں تک کہ قیامت آجائے عیسائی تو کہتے
 ہیں کہ نسخ نہیں ہو سکتا اور یہودی بھی دعویٰ کرتے ہیں اور نادانی سے اپنے اوپر قیاس کر کے عیب و تباہی باتیں کرتے اور ان کو
 ذلیل سمجھتے اور لوگوں کو بہکاتے ہیں لہذا میں مختصر لکھ دوں۔ واضح ہے کہ نسخ میں ایک حکم پہلا برتاؤ سے جانا رہتا اور جدید کا عمل و رد
 ہوتا ہے پس اول کو منسوخ اور دوم کو نسخ کہتے ہیں اور دونوں حکم اپنے اپنے موقع پر اچھے و صحیح ہوتے ہیں۔ اسکا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے اپنی حکمت کاملہ سے مخلوق کو پیدا کیا اور ہر ایک کی حالت و قوت و نفع و ضرر ہر زمانہ میں جدا جدا رکھا حتیٰ کہ پوری حالت سے کوئی
 بندہ خود واقف نہیں ہو سکتا پھر تمام مخلوق کو حمل نہیں چھوڑا کہ بھٹ بندوں جو چاہیں کرتے پھر ان کو عقل و شرع کے موافق
 پابند کر دیا چنانچہ عقلند آدمی قطع نظر شرع کے اپنی عقل سے جھوٹ بولنا و گالی دینا وغیرہ بڑا جاسا ہے اور بعض امور ایسے ہیں کہ عقل و نگو
 جس قدر ہی ہو وہ حکمت الہی کی ماہیت کو نہیں پہنچتی اور حکمت الہی میں بعض کام کرنے کا اور بعض سے باز رہنے کا حکم ہے بندہ وہی سمجھا رہے
 کہ اپنی کلی سے پاؤں نہ نکالے اور حکمت الہی کا اپنے خالق کا مقابلہ نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ یہ کام عین مصلحت و حکمت ہیں اگرچہ میری ذرا سی
 عقل اسکو نہیں پہنچتی ہے پس ان کاموں کا برتاؤ کرے پھر ان میں سے بعض کام ایسے ہیں کہ وہ بعض قوم کیلئے مفید ہیں اور بعض کیلئے
 نہیں اور بعض نانا نہ تک مفید ہیں اور اسکے بعد نہیں یا اسکے بعد و سزا کام اس سے زیادہ مفید ہے چنانچہ طبیب کو دیکھو کہ کچھ کیلئے ایک غذا تجویز
 کر دیتا ہے حالانکہ ہر بھرا اسکا استعمال کھنا حماقت ہے وہ بچپن ہی تک کیلئے تھی پھر جوان ہوا تو مضر ہوگی اسی طرح لیکے مانہ میں اللہ تعالیٰ
 نے ایک رسول بھیجا اور اسپر ایک حکم نازل کیا تو قیامت تک ہی حکم مراد نہیں ہو بلکہ یہ سمجھنا حماقت ہے بلکہ جب تک اسکا وقت تھا تب تک
 اور رسول اسے وہ بھی اسی حکم کا برتاؤ کرنے پر تاکید کرتے رہے جیسے موسیٰ کے بعد بیت رسول آتے گئے اور تورات ہی کا حکم رہا پھر جب

لہذا علماء ربانی بہ کثرت خوب لکھی کہ اور اور اس پر لکھتے تھے۔

اس حکم کا زمانہ ختم ہوا تو عیسائی بھیجے گئے اور بہت سے احکام منسوخ ہوئے بخیر ان کے جہاد ہر چنانچہ موسیٰ و یوشع و سلیمان علیہم السلام وغیرہم نے خوب خوب جہاد کے پھر انجیل میں یہ حکم منسوخ ہوا۔ اس سے معلوم کر لو کہ نسخ کے یہ معنی ہیں کہ نسخ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ پہلا حکم جو منسوخ ہوا اسکی انتہا اسی وقت تک کے واسطے تھی اب آگے وہ نہیں بلکہ نسخ حکم ہے اور اللہ تعالیٰ جب جہاد جو چاہے وہ حکم کرے وہ قادر ہے وہ مختار ہے اور کئی اعتراض نہیں ہو سکتے سوائے کافرے ایمان کے ہر شخص یقین کر گیا کہ جو وقت جو حکم دیا وہ عین مصلحت و مصلحت الہی ہے اگرچہ بندہ کو وہ حکم معلوم نہیں ہو سکتی ہے لیکن یہ کہ نصاریٰ تورات کو عہد عتیق اور انجیل کو عہد جدید کہتے ہیں اور تورات کے احکام فرض ہوئے قائل ہیں حالانکہ تورات میں خود جہاد کا حکم بڑے زور و شور سے ہے اور انجیل میں تلوار نکالنے تک سے ممانعت پھر یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے لیکن ہٹ دھرمی سے مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ فرمایا کہ لا یدعون دین الحق۔ دین حق کی پیروی اختیار نہیں کرتے حاصل آنکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ایسے لوگوں پر جن کے صفات یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز قیامت کو مانتے اور نہ ان چیزوں کو حرام رکھتے جن کو اللہ تعالیٰ و اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کو صریح بیان کر دیا بقولہ **مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَاُولَئِكَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ**۔ من بیانہ اور کتاب پر الف لام جنس کا یعنی کتاب آسمانی خواہ تورت ہو یا انجیل ہو یعنی ایسے لوگ جن کا حال اور بیان ہوا وہ لوگ ہیں جن کو آسمانی کتاب دی گئی ہے یعنی یہود و نصاریٰ۔ واضح ہو کہ پہلے اوصاف تو عیسوی و ہندوؤں پر بھی صادق تھے لیکن من بیانہ سے ظاہر ہو گیا کہ مراد اہل کتاب ہیں اور اس سے نکلا کہ جو اس اہل کتاب نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہ ہم ہوا اور حضرت عمر کو جو عیسویوں سے جزیہ قبول کرنے میں تامل ہوا تھا یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **سَبَّوْا اَهْلَ الْكِتَابِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ**۔ یعنی اہل کتاب سے جو بڑا ذہور ہے وہی ان کے ساتھ بھی برتو یعنی حق جزیہ میں جو اس کا حکم ماخذ اہل کتاب ہے اور علماء حج میں اتفاق ہے کہ بیان فقط یہود و نصاریٰ مراد ہیں بدلیل اولیٰ کتاب اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَسْتَمِئُونَ عَلٰى شَيْءٍ قَدْ تَقَرَّرَتْ بِالْاٰیٰتِ**۔ اگر پوچھا جاوے کہ پہلے کیوں بلفظ الذین موصولی ہم فرمایا پھر بیان کر دیا تو جواب یہ ہے کہ پہلے قتال کا حکم دیا ایسے لوگوں جن کے یہ اوصاف ہیں تاکہ اہل ایمان کو ان کے اوصاف سے خوب سوخ ہو جائے کہ یہ لوگ قبی ظالم و فاسد قابل جہاد ہیں پھر متوجہ ہوں کہ دنیا میں وہ کون ہیں پھر بیان کر دیا کہ خوب جرم جائے اور یہ بہت اچھی بلاغت ہے ابو الوفاء نے کہا کہ قولہ قاتلوہ سے مراد اپنے کا حکم دیا۔ الذین بہم کو پھر قولہ لا یؤمنون باللہ سے انکا جرم جس سے مستوجب عقوبت ہیں بیان کیا۔ پھر قولہ ولا یوم الآخرة سے اعتقادی جرم کی تاکید کی۔ پھر قولہ ولا یمرونا ما حرم اللہ ورسولہ سے علی جرم کا بیان ہے اور اس سے الظہار ہے کہ اعتقادی جرم موکد ہی پر اکتفا نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بھی علی جرم اور دنیا میں مساد پھیلانے والے ہیں۔ پھر قولہ ولا یدعون دین الحق سے اس جرم کی مزید تاکید ہے کہ زبانی نمائش پر اکتفا نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کو راہ راست سے انحراف و عناد اور چرٹہ ہو پھر قولہ من الذین اولوا الکتاب سے ان کے عناد اور ہٹ دھرمی کا بیان تاکہ جہاد کی لوگ اپنی آسمانی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و دین اسلام و اسکی خوبی کو لکھا پاتے تھے مگر ہٹ دھرمی و عناد سے انکار کرتے تھے پس ایسے جرم کا فساد و ظلم و در کرنے اور اس کو راہ راست پر رکھنے کا یہ طریقہ بتلایا کہ ان پر جہاد کر کے ان کو ٹھیک رہا پھر پھر انتہا بیان فرمائی کہ **يَعْتَصِبُ الَّذِينَ يَحْرَمُونَ عَنْ يَدِ وَهْمٍ**۔ یہاں تک قتال کر دے لوگ جزیہ دین ہاتھ سے در حالیکہ وہ ذلیل ہو نہ جائے ہوں۔ یعنی قتال کے جس وقت یہاں تک کہ اگر اسلام لا دین تبتہ راست پر ہو جائے پس مختار اور ان کا حال یکساں ہو جائے گا اور دین میں تمکے بھائی ہو جاوے

نفاذ کے لئے اس کتاب میں جو حدیثیں ہیں انہیں سب کا نام لیا گیا ہے

اور یا اسلام نہ لاوین گے تو جزیرہ دین اپنے ہاتھ سے ذلت و خواری کے ساتھ کیونکہ کفر پر رہ کر تھکے برا بھلا نہیں ہو سکتے ہیں اگر کہا جائے کہ حدیث
 اہرت ان اقاتل الناس حتی یقیو لوالا الہ الا اللہ الخ مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کہیں الخ۔ میں قتال
 کی انتہا یہ کہ اسلام لاوین جزیرہ مذکور نہیں تو جواب یہ ہو کہ حدیث میں لفظ الناس سے مراد یعنی عرب کے مشرکین مراد ہیں کہ ان سے سولے
 اسلام کے اور کچھ قبول نہیں لیکن عرب میں جو اہل کتاب یوں و نصاری تھے ان سے بھی جزیرہ قبول ہو۔ وقال لفظ اسی آیت سے
 امام شافعی و احمد وغیرہ نے استدلال کیا کہ جزیرہ سولے اہل کتاب کے اور کسی قسم کے کافروں سے قبول نہوگا اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ عرب میں
 یہی حکم ہے اور عجم میں سب سے جزیرہ قبول ہو خواہ اہل کتاب ہوں یا ہوں اور امام مالک نے کہا کہ جملہ اصناف کفار سے جزیرہ قبول کیا جائے گا
 مولف فتح البیان نے نقل کیا کہ امام شافعی و احمد و ابو حنیفہ و صحابہ امام ابو حنیفہ و ثوری و داؤد زاعی وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ سولے اہل کتاب کے اور
 کسی سے جزیرہ قبول نہ ہوگا۔ وقال مترجم صحیح قول امام ابو حنیفہ کا اسی تفصیل سے ہو جو شیخ حافظ نے ذکر فرمائی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اہل کتاب
 شافعی کے محسوس بدلیل حدیث صحیح مذکورہ بالا کے داخل اہل کتاب میں اور امام ابو حنیفہ نے قول پر کچھ اشکال ہی نہیں کہا لہذا یعنی پھر اہل علم میں
 مقدار جزیرہ میں اختلاف ہے عطاء ربیع بن آدم وغیرہ نے کہا کہ جس قدر پر صلح کریں وہی مقدار ہے اور یہی مقدار شیخ ابن جریر نے کہا کہ کتر ایک بنا
 سالانہ ہے اور شافعی نے کہا کہ ہر آزد بائع پر ایک بنا ہے کہ نہ ہوگا خواہ غنی ہو یا فقیر ہو اور اگر اس سے زیادہ پر صلح ہو تو جائز ہے اور غمشی سے بڑھاتا
 تو وہی امام مالک نے کہا کہ سونے کی مائیت والون پر چار دینار اور چاندی والون پر چالیس درم ہیں خواہ غنی ہوں یا فقیر ہوں اور مراد یہ کہ
 سونے سے ادا کریں تو چار دینار اور چاندی سے ادا کریں تو چالیس درم ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ و ان کے صحابہ و امام احمد کے نزدیک باعتبار
 وسعت کے ہر چنانچہ اعلیٰ درجہ کے مالدار پر اسی درم اور اوسط درجہ پر چوبیس درم اور ادنیٰ درجہ پر بارہ درم ہیں اور جو فقیر کمائی والا ہو اس پر
 کچھ نہیں ہو اور اس امر پر اجماع ہے کہ طفل و عورت و مجنون سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور دیگر تفصیل وقت ادارہ وغیرہ کتب فقہ میں بسوٹ ہیں اور
 صحیح مسلم میں حدیث بریدہ رضی اللہ عنہم فرماتا ظاہر صریح ہے کہ جن کفار پر جہاد کیا جائے پہلے ان کو دعوت اسلام کی جاوے و علماء حج نے کہا کہ تین
 مرتبہ سمجھا استجب پھر نہ امن تو ان سے صلح و جزیرہ دینے کو کہا جاوے پھر اس کو بھی نہ امن تو آخر ان سے قتال کیا جاوے غرض اسطے اللہ تعالیٰ
 کے ہاتھ تک قدم پیچھے نہ ہٹا دین اور مفسد کافروں کو مغلوب کر لین پھر علماء کا قول ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ مغلوب کر کے ان پر احسان کرے اور جزیرہ
 پر ان کو آباد کر کے پھر علماء میں و قول میں بعض نے کہا کہ جزیرہ بغرض حفظ جان ہے اور بعض نے کہا کہ بغرض اذلال اہل کفر ہے اور اسی قول کو شیخ
 ابن القیم نے ترجیح دی اور علیٰ ہذا جزیرہ کا اشتقاق از جزار ہے یعنی جزار کفر و شرک فساد ہے کہ ذلت کیساتھ اس قدر مال ادا کیا کریں اور بنا بر
 قول اول کے جزار میں ہو لیکن سیاق قولہ حتی یعطوا الخ جزیرہ عن یدہم صاعون۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ جزار راجع بمعنی عقوبت ہے یعنی بطریق
 عقوبت اسکو ادا کریں اور اسی سے واضح ہوا کہ اعطاء بمعنی ادا ہے اور مراد اس سے ادا کا التزام ہے اگرچہ ہنوز وقت ادا نہ آیا ہو یعنی اسکی
 مراد ہے کہ اسلام نہ لائیں تو جزیرہ ادا کرنے کا التزام کریں بدلیل قولہ عن یدہ یہ حال ہے یا تو ضمیر لفظ اس سے اور یا الجزیرہ سے پس اول پر یہی کہ
 یعطوا عن یدہ یعنی بحال النقیاد ادا کریں یا اپنے ہاتھوں آپ ادا کریں کسی غیر کے ہاتھ نہیں چھوین اسطے جزیرہ ادا کرنے پر وکیل کرنا منع ہے
 یا ید یعنی دسترس و تو اگر یہی ہو یعنی اس قدر دسترس ہو کہ ادا کر سکیں اسی اسطے امام ابو حنیفہ و احمد نے کہا کہ فقیرے کمائی داسے پر کچھ نہیں ہو اور اگر تیسے جزیرہ
 لینے داسے کا ہاتھ مراد ہو تو بنا بر اس قول کے کہ جزیرہ بغرض عقوبت اذلال ہے عن یدہ۔ میں ید سے ید مراد لینا اولیٰ ہے یعنی قہر و غلبہ کے ہاتھ
 کے ہننے ذلیل عاجز ہو کر ادا کریں اور بنا بر قول اول کے کہا گیا کہ یہ بمعنی انعام سے ماخوذ ہے یعنی عن ید یعنی عن انعام ہے کیونکہ جزیرہ لیکر انکو رات

چھوڑ دینا ان کے حق میں بڑی نعمت ہو اور بعض نے کہا کہ نقد مسلم ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں مراد ہو اور حق ہے کہ معنی اذلال و حقارت ہی کی
 ترکیب اس میں ہے کیونکہ عامہ آثار اسی کے نوید ہیں اور نیز قولہ وہم صاعزون - اسی پر دلیل ہے۔ الصغار ذلت خواری پھر اس صغار میں اختلاف ہے
 کہ تاکید مفہوم سابق ہو یا کوئی مزید صؤت صغار مراد ہو۔ عن عکرمہ کھڑے ہو کر نذرانہ کی طرح وصول کر نیو اسے بیٹھے ہوئے کو ادا کرے۔ بعض نے کہا
 کہ جہاں لینے والا بیٹھا ہو وہاں اسکو کھینچ لیجاوین اور وہ ذلیل بنا ہوا ادا کرے۔ بعض نے کہا کہ وہ دیتا ہوتا ہے اس سے کہا جگے کہ اسے
 جزیرہ جلد سے اور ابن عباس سے روایت کی جاتی ہے کہ ٹھوکر ایا جائے اور ایسے ہی دیگر اقوال ہیں کہ ان میں سے کوئی پسندیدہ نہیں ہے اور
 سلمان فارسی سے مروی ہے کہ صاعزین کے یہی معنی کہ غیر محمودین یعنی اسلام چھوڑ کر یہ اختیار کرنا ان کے حق میں تعریف نہیں کیونکہ خصائل حمیدہ
 و صفات پسندیدہ چھوڑنے سے مسلمانوں کی برابری چھوڑی اور حققت و جہالت سے بڑی باتوں کو ان دامنوں خرید اور مرجع اس قول کا یہ ہے کہ یہ
 ذلت ہی مفہوم سابق ہے کچھ اور نہیں ہے اور یہی صحیح ہے و حاصل یہ کہ اسلام نہ لائین اور نہ مانین تو قتال کرو یہاں تک کہ مغلوب ذلیل ہو کر
 جزیرہ ادا کریں کہ یہ فعل ان کے حق میں خواری ہے اور ابن القیم نے کہا کہ مزید صغار کے جو اقوال مذکور ہوئے وہ ثابت نہیں اور بلا دلیل ہیں
 اور صواب یہ ہے کہ صغار ہی ہے کہ انھوں نے اداے جزیرہ کا اور دیگر احکام تو ایمن شرع کا التزام اپنے اوپر ہارنا چاہا قبول کیا۔ وقال المسلمون
 ہی قول قرب ہو اس واسطے کہ ٹھوکر انا اور ان سے سخت کلامی کرنا وغیرہ بلا ضرورت ان کے حق میں ایذا ہے کیونکہ انکا شر و نسا و سبب سے
 مغلوب ہو سکے نہ ہو اور ایمان کی ہدایت با اختیار انہی عروہ جل ہو پس خواہ مخواہ اسلام پر مجبور کرنا بدون علم مشیت الہی کے نہیں ہو سکتا اور
 یہ علم فقط اہل عرب کے حق میں معلوم ہوا تھا اور دوسرے کے حق میں متعین نہیں علاوہ برین بعد التزام جزیرہ کے وہ لوگ عہد ذمہ میں ہیں اور
 محققین علمائے اتفاق کیا کہ موافق مفاد قول حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے یہ حلال نہیں کہ ذمیوں کو عہد ایسے امر کی تکلیف
 دیا جائے جسکی وہ قدرت نہیں رکھتے یا خلاف شرع و حکم الہی کے ان کو ماخوذ کیا جائے جیسے ظالم بادشاہ ماکہ ذمیوں کو مفت بیگار میں کھرتے
 ہیں جیسے بنی اسرائیل کو فرعون کپڑا تھا اور حلال نہیں کہ اداے جزیرہ کیلئے انکو بیجا طور سے عذاب سے چنانچہ جزیرہ کیلئے مقام فلسطین میں کسی قوم
 ذمی کو نرسزا دیجاتی تھی اور ہر سے ہشام گزے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ جو لوگ ذمیوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ
 قیامت کے روز ہر ہڈی دینے کا دن ہے ان کو عذاب کرے گا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ
 عنہ سے بہت سال جزیرہ لایا گیا تو فرمایا کہ تم نے لوگوں کو تباہ تو نہیں کیا عرض کیا گیا کہ واللہ نہیں بلکہ ہم نے ان کے بچے ہو کر میں سے لیا ہے
 فرمایا کہ بڑن سخت کلامی و زبان درازی اور ہاتھ چھوڑنے کے۔ عرض کیا گیا کہ ہاں واللہ تو حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ادا کیا کہ اللہ اللہ
 کہ میرے ہاتھ سے ایسا ہوا اور میری طلاف میں دوسروں کے ہاتھ سے بھی نہیں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم ہی پر جو عامل مقرر کیا تھا
 اسکو تاکید فرمائی کہ خراج و جزیرہ کیلئے لوگوں کے گائے گور و نہ بیچنا اور نہ مال و اسباب کچھ بھی بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور خود حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ کسی لٹے سے کسی اور کھارے برتن اور اسی طرح ان چیزوں کو لے لیتے تاکہ ان لوگوں پر آسانی ہو اور ابو سعید
 نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ ان پیشہ الون پر جو روپیہ جزیرہ کا ہوتا اسکے واسطے ان کے اموال کو فروخت نہ کر اتے بلکہ بھر لو قیمت میں ان سے
 یہ چیزیں اسکے عوض خرید لیتے اور مقصود اس سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے راحت آرام سے عدل و انصاف کے سایہ میں بسر کریں اور
 رہی اسلام کی ہدایت تو وہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہے عطا فرمائے اسپر کچھ چیر نہیں ہو یا یہ ضرور ہے کہ ذمیوں کی جن حرکات سے شر و نسا پیدا
 ہوتا ہے ان سے وہ ضرور منع کئے جائیں گے جیسے شراب پینا اور ناچنا وغیرہ اور نیز ان کی تعظیم اسوجہ سے نہ کی جاوے گی کہ عوام ان کی اچھائی پر

گمان مکرین یا ان کو عدل انصاف والا نیک چال چلن نہ سمجھیں لہذا حدیث میں حکم دیا کہ یہود و غیرہ کو سلام کرنے میں پہل مت کرو اور راستہ میں پھیل کر چلو
تاکہ سے دیکھ نکل جاویں۔ قال المترجم اللهم اعز الاسلام وادبر الہدایہ فانہم یختلفون وائت العزیز القدر۔ اور اسی قسم سے بعض شرط جو اہل ذمہ کے اوپر
باندھے جاویں وہ بھی معلومت و حکمت کیساتھ اسی غرض سے ہوتے ہیں کہ کفر و شرک کی اہانت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم عدل و انصاف کو پھور کر لیا
شر و فساد و ظلم و عناد اختیار کرتے و شیطنیت بتلاتے ہیں تاکہ فساد مٹ جائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد نامہ جو شام کے نصاریٰ پر باندھا
تھا عبداللہ بن عمرو نے اپنے استاد سے عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا کہ جب شام کے نصاریٰ نے صلح چاہی تو میں نے حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے یہ خط لکھ دیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط فلان فلان شہر کے نصاریٰ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن الخطاب امیر المؤمنین
کو لکھا کہ جب آپ ہمارے یہاں آئے تو ہم نے آپ سے اپنی جان و مال و اولاد و اول ملکت کی واسطے امان مانگی اور آپ کے واسطے اپنے اوپر یہ شرط کی کہ ہم اپنے
شہر یا اسکے نواح میں کوئی دیر یا کنیسہ یا قلابہ یا صومعہ یا رہب جدید نہیں ایجاد کریں گے اور جو آئین خراب ہو جائے اسکی تجدید عمارت نہ کریں گے
اور جو زمین سے خطہ مسلمین ہو اسکی اجراء ہم نہ کریں گے اور رات با دن میں جو وقت کوئی مسلمان ہمارے کنیسہ میں آئے ہم اسکو مانع نہ ہونگے اور اگر کوئی
کیلئے اسکے دروازے وسیع کریں گے اور جو مسلمان ہماری طرف گزریں گے۔ تین دن تک انکو تار کر دعوت و ضیافت کریں گے اور اپنے کنیسہ یا گھروں
و غیرہ میں کسی جاسوس کو جگہ نہ دیں گے اور مسلمانوں کیلئے کوئی برہمن پوشیدہ نہ کریں گے اور اپنی اولاد کو قرآن نہ پڑھاویں گے اور شرک کو کھلم کھلا اظہار نہ کریں گے
اور کسی کو شرک کی طرف نہ بلاویں گے اور اپنے قرابت والوں میں سے کسی کو اسلام میں داخل ہونے سے ممانعت نہ کریں گے جبکہ وہ اسلام میں داخل
ہو چکا اور ان کریں۔ اور مسلمانوں کی توقیر کرتے رہیں گے اور اگر ہماری مجلس میں بیٹھا جائے تو ان کی توقیر کے واسطے ہم کھڑے ہو جائیں گے اور
مسلمانوں کے لباس میں سے کسی چیز سے مشابہت نہ کریں گے نہ ٹوپی میں نہ عمامہ میں نہ نعلین میں اور نہ سر کے بالوں کے بیچ سے ہاتھ نکالنے
میں اور نہ ان کے کلام سے گفتگو کریں گے اور نہ ان کی کنیتوں سے اپنی کنیت رکھیں گے اور نہ زینوں پر سوار ہوں گے اور نہ تلوار میں داخل
کریں گے اور نہ ہتھیاروں میں سے کوئی ہتھیار بناویں گے اور نہ اپنے ساتھ رکھیں گے اور نہ عربی میں اپنی انکو بھٹیوں کے نقش کریں گے اور نہ
شراب فروخت کریں گے اور ہم شرط کرتے ہیں کہ مردوں کو آگے سے کچھ کتر ادین گے اور جیسے ہماری پوشش ہو اسی ہی رکھیں گے اور کمر
زار ہاندھیں گے اور اپنے کنیسوں پر صلیب بلند نہ کریں گے اور نہ مسلمانوں کی راہوں و بازاروں میں سے کسی راہ و بازار پر اپنی کتابیں
ظاہر کریں گے اور اپنے کناس میں ناقوس بھی آواز سے بجاویں گے اس سے زیادہ آواز سے نہ بجاویں گے اور مسلمانوں کے حضور میں ہم اپنی
کناس میں کسی چیز کے پڑھنے سے آواز بلند نہ کریں گے اور ہم لوگ شہائین و بیوٹ نہ نکالیں گے اور مردوں کے ساتھ اپنی آوازیں بلند نہ کریں گے
اور مسلمانوں کی راہوں میں سے کسی راہ میں ہم آگ ظاہر نہ کریں گے اور نہ ان کی بازاروں میں ایسا کریں گے اور اپنے مردوں کو ان کے آگے
نہ بڑھاویں گے اور مسلمانوں کے حصے میں آچکا اس کو اپنا ملک نہیں بناویں گے اور مسلمانوں کے حق میں بھلائی چاہیں گے اور ان کے گھروں
میں نہیں بھاگیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ جب میں مسودہ عہد نامہ کالیگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اس میں یہ عبارت اور لکھی اور
ہم کسی مسلمان کو نہ ماریں گے نہ سب ہم نے آپ لوگوں کے واسطے اپنے اوپر اور اپنی ملت والوں پر شرط کیا اور ان میں شرطوں پر ہم نے اپنے حق میں
امان لینا قبول کیا پھر اگر ہم نے ان شرطوں میں سے جو ہم نے تمہارے واسطے قبول کر کے اپنے ذمہ مشروط کی ہیں کسی شرط میں خلاف کیا تو ہماری
واسطے کچھ ذمہ نہ ہوگا اور آپ کو ہم سے وہ سب کرنا حلال ہوگا جو اہل شقاق و عناد سے حلال ہو۔ قال الحافظ وقد واہ الایمان الحافظ التیمی
و قال شیخ ابن قیم و شہرۃ ہذہ الشرط تفسی عن اسنادہا فان الایمان تکفیرا بالقبول ذکر و زانی کتیم و حو بہا ولم یزل ذکر الشرط التیمی علی التیمی فی کتیم

نہ مانع آنکہ یہ روایت صحیح و باطل دونوں صحیح ہیں

وقد انفذوا بعد الخلفاء وعلموا بموجہ الالی آخر ما قال رحمہ اللہ۔ واضح ہو کہ دیر فقط نصاری کا ہوتا ہے اسکو باہر شہر کے اس واسطے بناتے ہیں کہ رہبانیت کیلئے وہاں جمع ہوں اور قلابہ بکسر قات و بہا موحده اسکو راہب بنانا ہے اور اسمین دروازہ وغیرہ کچھ نہیں ہوتا صرف ایک طاقت ہوتا ہے جس میں سے اسکو کھانا پانی پہنچایا جاتا ہے اور وہ فقط ایک آدمی کیلئے ہوتا ہے اور صومعہ یا مذقلا بہ فقط ایک ہی راہب کیلئے ہوتا ہے اور نتیجہ گر جاگھ اور کنائس جمع کنیسہ عام ہے کہ عباد نگاہ نصاری ہویا ہوں ہر پھر اللہ عزوجل نے اہل کتاب کے مومن ہونے کے باوجود سخت بہتان کی باتیں کہنے واسطے مفسدہ کو تمام جہان میں پھیلائے کہ اس غرض سے کہ اہل ایمان ان کلمات کو جن سے روٹنے لگے کھڑے ہوتے ہیں شکر تہ دل سے جا دہر آمادہ ہو جاوین بیان فرمایا بقول۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزْرُ بْنُ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ اللَّهُ وَ قَالَتِ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ

اور یہود نے کہا عیزر بیٹا اللہ کا اور نصاری نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے

يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ مَا قَاتَلَهُمُ اللَّهُ هَ أَتَى يَوْمَ فُكُونٍ ○

یہیں کرنے لگے اگلے مسکرون کی بات کی ایسے انکو اللہ کمان سے بھرے جاتے ہیں

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزْرُ بْنُ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ اللَّهُ وَ قَالَتِ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ

ایک قرآنہ میں عزیر بن نضیر بنابر ایسکہ اسم عربی سوائے علیت کے منع صرف کا

دوسرا سبب نہیں کتا پس نصیر اور بعض کے نزدیک علم عمی ہونے سے غیر منع نہ ہی دوسری قرآنہ سے بہر حال وہ بتدار اور ابن اللہ شہر ہے

اسی اسلئے ابن من الف باقی رہا کیونکہ صفت ہونے کی صورت میں حذف ہوتا ہے غیر ازینکہ قواعد السج ابن مریم باوجود صفت کے رسم الخط قرآنی میں باقی ہے

و سیاقی بالجمہ یہود نے عزیر کو کہا کہ وہ ابن اللہ ہے اور یہ ان کا افتراء و شرک پدید ہے اور ظاہر یہ کہ سب یہود ایسا کہتے تھے اور ارجح ہے کہ بعض کا مقولہ سب کی طرف منسوب ہوا اور کہنے والے یہود مدینہ تھے یا بعض متقدمین بعض علمائے ذکر کیا کہ آنحضرت صلعم سے بعض یہود مدینہ

نے کہا تھا اور شاید نصاری بجران کے ساتھ مباحثہ میں یہود سے یہ قول سرزد ہوا ہو۔ اور ایشیہ یہ ہے کہ جب نصاری سے مسیح علیہ السلام کی نسبت یہ قول سرزد ہوا تو یہود نے اسکا مقابلہ حرم میں ہوس کے ساتھ اس طرح کیا و اللہ اعلم۔ اور سیدی وغیرہ علماء راج نے ذکر کیا کہ

یہود نے یہ عقیدہ قائم کرنے کا ہشہ یون پیدا کیا کہ جب عاقبت نے بنی اسرائیل پر غلبہ پا کر علماء اور رؤسا کو قید کیا اور تورات کے نسخہ جن جن کو تلف کر دیئے تو عزیر جو جنگل میں علم آہی گم ہونے پر روئے پھرتے یہاں تک کہ پلکین حجر گنیں ناگاہ ایک قبر پر ایک بڑھیا کو رستے دیکھا کہ ہائے

میرے کھانا دیکھو دینے والے تو اس سے کہا کہ تجھے کون کھانا پکرا دیا کرتا تھا اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرمایا کہ پھر کیوں روتی ہو وہی قیوم ہمیشہ زندہ ہے وہ بولی کہ پھر وہی علم دینے والا ہے تم کیوں روتے ہو میں متنبہ ہونے پر حکم ہوا کہ فلان نہر پر جا کر غسل کر کے و دو کت پڑھو وہاں ایک بڑھے سے

ملاقات ہوگی پس ایسا ہی ہوا۔ اسنے تین انگڑے کی صورت لال چیزیں ان کے منہ میں بھر دیں جس سے انکو تمام تورات حفظ ہو گئی

پھر ایک زمانہ کے بعد جب بنو اسرائیل چھوٹ کر اپنی زمین میں آکر آباد ہوئے اور علماء نے جو بعض نسخہ تورات کے پہاڑوں وغیرہ میں پوشیدہ کر دیئے تھے انکو نکالا تو عزیر کے ہاتھ سے زبانی یاد پر لکھی تورات کے مطابق پایا پھر یہ عجیب شہود ہا یہاں تک کہ ایک قت میں بعض جاہلون

نے کہا کہ یہ امر آئی سبب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا تھا۔ اور بعض نے یہ وجہ شہسہ کی ذکر کی کہ قولہ تعالیٰ او کالذی مر علی قریۃ وہی خادۃ علی عروشا۔ میں ہی حضرت عزیر تھے چنانچہ بعد سو برس کے جب زندہ ہو کر گھر پہنچے تو بیٹے پوتے ان کے سن سے زائد تھے۔ پھر

بعض جاہلون نے ان کے عجیبہ افسانے کی نسبت یہ داسے ہمانی کہا اسکی عقیدت اور یہ حالت اسوجہ سے تھی کہ وہ ابن اللہ تھا۔ بہر حال یہ منصوص ہے

بعض جاہلون نے ان کے عجیبہ افسانے کی نسبت یہ داسے ہمانی کہا اسکی عقیدت اور یہ حالت اسوجہ سے تھی کہ وہ ابن اللہ تھا۔ بہر حال یہ منصوص ہے

بعض جاہلون نے ان کے عجیبہ افسانے کی نسبت یہ داسے ہمانی کہا اسکی عقیدت اور یہ حالت اسوجہ سے تھی کہ وہ ابن اللہ تھا۔ بہر حال یہ منصوص ہے

بعض جاہلون نے ان کے عجیبہ افسانے کی نسبت یہ داسے ہمانی کہا اسکی عقیدت اور یہ حالت اسوجہ سے تھی کہ وہ ابن اللہ تھا۔ بہر حال یہ منصوص ہے

کہ یہود نے عزرائیل کی نسبت ابن اللہ ہونے کا افتراء پانڈھا تھا جیسے نصاری کا حال بیان فرمایا۔ **قَالَتِ النَّصْرِي الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ**
 نصاریٰ کہ عیسیٰ بیٹا ہے اللہ کا کا علماء نے کہا کہ سبب اس شہرہ کا یہ ہوا کہ وہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور باوجود اس کے مردہ کو زندہ کرتے
 تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ رو فرمایا کہ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔ اس سے تو جبرہ مذکورہ کا استیناس نکلتا ہے کہ عیسیٰ کی اس طرح پیدائش
 موجب علم الوہیت یا ابن اللہ نہیں ہو سکتی ورنہ آدم علیہ السلام زیادہ مستحق ہوں گے کیونکہ وہ بدون مان باپ کے تھے بعض نے کہا کہ انجیل
 میں بعض جگہ عیسیٰ کی نسبت خدا کا فرزند موائف محاورہ اس وقت کے اور اس بلن کے بولا گیا پس نصاری نے جمالت سے غلو کر کے ایسا
 کہنا شروع کیا حالانکہ اسمین دو امر غور طلب ہیں اول یہ کہ ابتداء میں نصرا بیوں کا جو جلسہ قسطنطین نے جمع کیا تھا اور اس قول پر لے لی تھی
 تو ایک جماعت کثیر دنیا کی لاپرے سے اس مرتفق ہوئے اور بعضے خدا پرست علماء نصاریٰ اس سے منکر ہوئے جنکو ہرگز سخت وی گئی پس کہا
 ہے کہ جماعت اتفاق کنندہ نے تعریف کر کے اپنے مطلب کے ثابت کرنے کو ترجمہ میں یا اہل میں یہ لفظ بے موقع بڑھایا ہوا اور دوم یہ امر ہے
 کہ جب اس زمانہ کی بول چال تھی تو یہ لفظ ہو لیکن حقیقی معنی میں قطعاً نہیں ہے جیسے مولوی روم کا شعر ہے اولیاء اطفال حق انداے سپرہ مانر
 و فائز زایشان با خبر پس مجاز مراد ہو علاوہ برین تمب ہو کہ سولے عیسیٰ کے انجیل میں نیک لوگوں بلکہ عام لوگوں تک یہی لفظ استعمال
 ہوا چنانچہ تعریف کے ہوئے تھے جو اس وقت انجیل کے پائے جاتے ہیں ان میں خود بہت جگہ ہی محاورہ عام لوگوں کے ساتھ موجود ہے
 پھر تمب ہو کہ نصاری نے خلاف عقل و خلاف ارادہ اپنے حضرت عیسیٰ کی نسبت حقیقی معنی لے لے اور ایسا سنت شرک بہتان افشا رکیا
 اور شیطان نے ان کو سمجھایا کہ تم رسول اللہ عیسیٰ سے بڑی قیمت گریو لے ہو۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا کہ میرے نزدیک
 لگتی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے کہ انجیل میں عیسیٰ کی نسبت بیٹے کا لفظ جیسے ابراہیم کی نسبت خلیل کا لفظ جو بعض شرافت و بزرگی ظاہر
 کرنے کی غرض سے تھا اس کو ان کے بعض علماء نے غلو کر کے حقیقی بیٹے کے معنی میں تفسیر کیا اور جاہلون نے اسکو قبول کر لیا یہاں تک کہ
 یہ اعتقاد ہو کر پھیل گیا اور سنت شرک میں ہر گے ہر حال عیسائی تو جب دلیل عقل و دلیل نقل سے کہتے ہیں تو ہر طرح بنیوں جھانکتے اور ہوت
 ہو کر رہ جاتے ہیں اور بیٹا ثابت کر نیکی کوئی کام نہیں ہاتے ہیں لیکن کمال ہٹ و حری اور دلیری سے حکم کھلا ہی کے جاتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا
 بیٹا یا بھلا اس بہتان و شرک میں ہو نو نصاریٰ مشابہ ہیں اگرچہ اہل میں بود قابل تجد تھے اور بتیری یہودی سی تیس کے معنی ہیں بان ثابت ہوا کہ بعضے مانند
 نصاری کے شرک کے قائل ہوئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے اسکو رد کر دیا۔ بقولہ تعالیٰ **ذُرَابًا قَلِيلًا مَّا يَفْقَهُ بَشَرٌ مِّمَّنْ لَمَّا كَانَتْ سِجِّينَ**۔ یہ انکی بات اُنکے منہ سے ہی یعنی سولے
 افتراء و بہتان کے اسبات پڑنے کے پاس کہ یہی حجت و دلیل نہیں ہے۔ باواہم سے یہ فائدہ نکلا کہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ انکے منہ سے نکلتی ہیں خارج میں کے معنی کا جو
 نہیں جیسے اہل لفظ ہوتا ہو کہ اُنکے کہ معنی نہیں ہیں۔ باواہم کی تاکید سی فائدہ کیواسے جو در نہ قول تو منہ ہی سے ہوا کرتا ہے اور بعض اہل علم نے
 کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بتا کہ ہا فراہ والسنہ و کہ کیا جو قول اہل ہے تو لہ بقولون ہا نو اہم بالیس فی کلمہ ہم۔ اور چھتے قولہ
 کہرت کلمتہ تفرق میں نو اہم۔ اور قولہ بقولون بالسنہم بالیس فی کلمہ ہم۔ بعض نے کہا کہ کلمہ ہا نو اہم کی تاکید کے نو اہم میں سے ایک یہ ہے
 کہ اہل ہاں سبب کمال شاعت و ظہور فساد اس قول کے ایسا سمجھیں کہ یہ قول ان کا حقیقی نہیں بلکہ بطریق مجاز ہو دلیل آنکہ جس کو
 ذرہ بڑا عقل ہو وہ میں ایسا نہیں کہتا جس باواہم سے ہو کہ فرمایا کہ یہ ہے عقل و حقیقت اس کو زبان سے کہتے ہیں پس جب یہ حالت
 ہے تو ان کو معرفت الہی سے لگاؤ میں نہیں پھرا مان ان سے کہ سولے دور ہو لہذا فرمایا۔ **يُضَاهِيهِمْ** ان سے بھنا ہی تو ام بڑا۔ قول
الذِّنِّينَ كَقَرْنٍ قَلْبًا مِثْلًا يَمْشِي۔ میں قہل ان کے ہٹے اور مراد

اس سے ان کے اگلے لوگ ہیں بر تقدیر یکے بیضا ہوں کا فاعل ہر دو فریق یہود و نصاری ہوں یعنی یہود و نصاری اس قول میں اپنے اگلے کافروں سے مشابہ ہیں پس ثابت ہوا کہ ان میں کفر کا وجود قدیم سے ہی اور اگر بیضا ہوں کا فاعل فقط ضمیر نصاری ہو تو اگلے سے مراد یہود ہیں یعنی ہونے جو عزیر علیہ السلام کو فرزند خدا کہا تھا انہیں کی مشابہت میں نصاری نے مسیح علیہ السلام کو بھی کہا۔ یا اگلے کافروں سے مشرکین مراد ہیں کہ وہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے پس یہود و نصاری نے ان کی مشابہت میں عزیر و مسیح کو بیٹیا بنایا۔ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ الشِّرْكَاءَ ان کافروں سے مقاتلہ کرے یعنی ہلاک کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس سے مقاتلہ فرمائے وہ خواہ مخواہ مارا جاوے گا اور مقصود اس سے ان مشرکوں پر ہر دو عار ہو جیسا کہ عرب کا دستور ہے کہ ایسے موقع پر اسی لفظ سے ہر دو عار و تشنیع کرتے ہیں یا مقصود اس سے تمجید لانا ان کے اس شریع قول سے۔ اَتَىٰ يَوْمَئِذٍ كَيْفَ يُصْرَفُونَ عَنِ الْحَقِّ۔ دیکھو تو حق سے کیسے پھرے ہوئے باطل و ہستان کی طرف سر جھکائے گئے جاتے ہیں اور باوجودیکہ نہ عقل ایسی ہے وہ بات کو تسلیم کرتی اور نہ شرع اسکو حلال رکھتی ہے نہ کسی طرح اجازت دیتی ہے بلکہ صریح رد کرتی ہے مگر نفس کی خوشی اور کفر کی پناہ میں انرا کئے جاتے اور جو کہ ان کے اگلے پڑے لکھے اور درویش لوگ کفر کی بات کہہ گئے اسی کو بڑے دلیل شرعی اور دلیل عقل کے ماننے اور حکم خدا و رسول سے باہر ہو کر کفر میں منہمک ہوئے جاتے ہیں لہذا انرا مایا۔

اَلْحَدِّ وَالْاَحْبَارِ هُمْ اَرْبَابُنَا دُونَ اللّٰهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا اُشْرِقُوا

شہنائے ہیں اپنے عالم اور درویش خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح بیٹا مریم کا اور حکم ہی ہوتا

اَلَا لِيُعْبَدُوا وَاللّٰهُ اَحَدٌ اِلٰهٌ اِلٰهُهُمُ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يَرِيْدُوْنَ

کہ بندگی کریں ایک صاحب کی کسی کی بندگی نہیں انکے سوائے باقی ان کے شریک بنائے سے

اَنْ يُّطْفِقُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَا بِي اللّٰهِ اَلَا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَكَ وَكُوْكِرَكَ

کہ بھادوں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اللہ اللہ ہے بن پوری کئے اپنی روشنی اور بڑے بڑا مانین

اَلْكُفْرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُوْلَكَ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدُّنْيَا

منکر اسی نے بھیجا اپنا رسول ہدایت لیکر اور دین سچا تا اسکو ابھارے

كُلِّهٖ وَكُوْكِرَكَ الْمَشْرِكُوْنَ ۝

النص

اَلْحَدِّ وَالْاَحْبَارِ هُمْ اَرْبَابُنَا دُونَ اللّٰهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا اُشْرِقُوا
 تقریر و شائستہ گفتگو کرنا اور لیت ہونے کہا کہ غیر یعنی عالم ہر جاہل کتاب میں سے ہر خواہ ذمی ہو یا مسلمان ہو گیا ہوا وہ یہ عام ہے اور مفسر
 و غیرہ علماء یہود سے تفسیر کی۔ یہاں جسے ماہر باخوار ازہرہ اور جعل نے کہا کہ نصاری میں سے زاہدون کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ
 علماء نصاری بمقابلہ احبار یہود کے اور بعض نے کہا کہ صورتوں کے کہنے والے اور ظاہر ہے کہ نصاری میں سے ایسے علماء جو صورت میں
 ہیٹھ لپے ہیں زیادہ مستند سمجھے جاتے تھے اور وہی درویش ہوتے تھے اور معنی یہ کہ یہود نے اپنے احبار کو اور نصاری نے اپنے رہبان کو لڑکایا
 تو ان دونوں اللہ و رسول کے اللہ تعالیٰ کے ارباب بنا لیا۔ ارباب جسے رب جسکی پیش گجائے یعنی اسکے حق میں کوئی ایسا عمل اختیار کرے جو
 حضرت باری تعالیٰ کی جناب میں لائق ہو مثلاً چیزوں کے حلال و حرام کہنے کو کسی کی طرف سے ان لیا۔ عدی بن ماتم طائی سے روایت ہے کہ

Marfat.com

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک در معنی بیان کئے ہیں اور حدیث میں وہ ہیں ذکر کی ہیں چنانچہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ احبار اور یہاں کو رہنا ہے
 کی یہ بھی صلات ہو کہ جیسے اس امت میں جاہل صوفی اور حشویہ لوگ جب اپنے پیر کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں تو یہاں تک نوبت پہنچ جاتی
 ہے کہ ان کی طبیعت اس جانب مائل ہوتی ہو کہ شیخ میں الوہیت کا طول ہو یا یہاں مرتبہ اتحاد ہو اور ان کا پیر اگر طالب نیا ہو اور ان سے
 در باطن بیخ موڑے ہو تو بسا اوقات اپنے مریدوں کو حکم دیتا ہے کہ مجھے سجدہ کرو یا میرا طوبان کرو اور ان سے کہتا ہے کہ تم میرے بندے ہو
 اور حلول و اتحاد کی بہت سی باتیں ان کو سمجھاتا ہے اور اکثر اوقات جب بعضے احمق مریدوں کو خلوت میں پاتا ہے تو وہی قعدہ کہانی کہہ کر
 ان کے سامنے الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے جس میں اس امت میں یہ باتیں مشاہدہ ہیں تو اگلی امتوں میں جو حکم قولہ یا موسیٰ اجعل لنا ایما
 کما ہم الہم - حلول کیلئے متعدد اور پچھرا پچھرا پر او حمار کھائے بیٹھے تھے کیونکہ یہ باتیں بعید ہو سکتی ہیں قال لست بحکم اس امت میں تو
 بہت مبالغہ موجود ہے چنانچہ شیطان کے بہانے سے لغت کا ہمانہ کر کے شاعر کہتا ہے کہ شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا۔ بعضے ایسے
 ہیں کہ حضرت صلعم کو پشتر نہیں کہتے اور اسکو عار جانے ہیں انارشد وانا الیہ راجعون۔ یہ امور قول اہل کتاب سے بھی بڑے ہوتے ہیں اللہم ہذا العرط
 المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین۔ پھر امام رازی نے لکھا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ رب بنائے میں یہ صورتیں ہیں
 ایک یہ کہ خلاف حکم الہی کے جو کچھ ان کے پیر و عالم حکم لگاتے اسکو ماننے پر مستعد ہو جاتے تھے اور دوم یہ کہ انہوں نے الزام کفر کو قبول
 کیا گویا انہوں نے اباب بنائے رسوم یہ کہ احبار اور یہاں کے حق میں حلول ربوبیت کا اعتقاد کیا اور اتحاد و وحدت وجود سمجھے اور یہ تو
 اس امت میں بھی مشاہدہ ہو مگر ہم کہتا ہے احماوان دجہ میں سے قول اول پر ہے کیونکہ مرفوع حدیث میں اس کا پس باقی وجود داخل عموم
 آیت میں یا بدلیل آیت کریمہ وہ بھی اتحاد اباب کو مستلزم ہونے کی وجہ سے الزام کفر میں داخل ہیں پس تشبیح یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے
 احبار اور یہاں کو اباب بنایا۔ **وَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ** اور رب بنایا نصاریٰ نے مسیح کو جو مریم کا بیٹا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہود نے
 عزیر کو رب عبود نہیں بنایا تھا بخلاف نصاریٰ کے کہ انہوں نے حلول و اتحاد و انفصال کا کوئی دقیقہ جو عقل سے ہزاروں کوس دور ہے نہیں
 چھوڑا۔ حاصل آنکہ یہود و نصاریٰ نے عالموں و پیروں و نفیروں کو رب بنایا اور نصاریٰ نے مسیح ابن مریم کو بھی رب بنایا۔ **وَمَا أُمِرُوا**
بِأَلَّا يَعْْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَاحِدًا اور حال یہ ہے کہ کتاب الہی و رسول کی زبانی یہ لوگ فقط یہی حکم کئے گئے تھے کہ اللہ واحد کی عبادت
 کریں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اسی کے حرام کرنے سے چیز حرام ہوتی اور اسی نے جس چیز کو حلال فرمایا وہ حلال ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے
 احتمال ہو کہ اگر وہاں کا فاعل خود ہی احبار اور یہاں و مسیح ہوں یعنی ان لوگوں نے تو احبار و مسیح وغیرہ کو رب بنایا حالانکہ وہ نیک بندے
 ان لوگوں کو یہی حکم دیتے تھے کہ اللہ واحد کی پرستش کرو۔ کہا قال تعالیٰ وقال المسیح یا بنی اسرائیل عبودوا اللہ ربی و ربکم الایہ۔ پھر لکھو کہ سزا
 ہے کہ انہیں کو اباب بنادین اگر کہا جائے کہ جب سے اسے اللہ تعالیٰ کی طاعت کے اور کسی کی طاعت اختیار کرنا شرک ہے تو رسول علیہ السلام
 وغیرہ کی طاعت کیونکر ہو سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ رسول وغیرہ کی طاعت اگر مستقل ہو یعنی ان کے نفس ذات کے لحاظ سے قطع نظر
 رسالت وغیرہ کے انکی طاعت اپنے اوپر فرض کرے تو مشرک ہے اور اگر اس نظر سے انکی طاعت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طاعت کا
 حکم دیا ہے وہ طاعت الہی ہے تو کچھ تردد نہیں ہوگا بلکہ یہی حکم ہے کہ طاعت اپنے عبود حق سبحانہ کی بجلا دین۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ**
بِجَمَلِ الْهَاتِكِ دوسری صفت ہے یعنی ایسے الہ کی جو واحد ہے اور جس کی دوسری صفت ہے کہ کوئی عبود نہیں مگر وہی۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے
 جس سے توحید کی تقریر ہوتی ہے۔ **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ كَسَوَاتِ الْأَشْجَارِ** اے تیرا ہاں عن الاشرک مطلقاً فی طاعت و عبادۃ او غیر ہا۔

تشریح دیا کی ہو اس کے لئے اشراک سے خواہ طاعت میں ہو یا کسی اور چیز میں ہو یعنی اسکی درگاہ میں شرک کو بالکل دخل نہیں ہے۔ یہ سب تو ان کی گمراہی کا بیان تھا جس میں توفیق سے دور ہو کر راہ ہمالت و ضلالت میں پڑے تھے اب دوسری قسم سے ان کی ضلالت کا بیان شروع کیا۔

بقولہ: **يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ** یا **أَوْ هُمْ** یعنی ہوا بھلا بھلا جو نیک نیت ہو دشمنی کا تمہلی ہوتا ہو اور اسکو پا کر راہ پر آجاتا ہو پر خلافت ان بد بختوں کے کہ یہ چاہتے ہیں کہ بجا دین نور الہی کو اپنے منہوں سے یعنی چاہتے ہیں کہ اپنے منہوں سے شرک کی باتیں بنا کر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کو بھلا کر نور الہی کو یعنی روشن دلائل کو جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور فرزند وغیرہ ہر شخص سے پاک ہونے پر دلالت کرتی ہیں مٹا دیں۔ **وَكَيْفَ يُكْفِئُ اللَّهُ** اور انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ یعنی اسکی ضار نہیں ہے۔ **لَا أَنْ تَتِيمٌ** لہذا اگر ہی کہ اپنے نور کو پورا کرے بائیں طور کہ کلمہ توحید کو بلند اور اسلام کو عزت دے۔ حال آنکہ یہ مشرک گمراہ چاہتے ہیں کہ شرک کی باتوں سے یا رسول و قرآن کو بھلا کر توحید کو نہ پھیلنے دین لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ توحید کی روشنی پھیلائے پس ضرور یہی واقع ہو گا اگرچہ تمام مخلوق توحید سے سرفراز ہو گیونکہ یہ مشیت الہی میں جاری نہیں ہوا جیسا کہ اوہبت سے آیات قرآنی اس پر صریح دلالت کرتی ہیں پس جن بندوں کے ساتھ مشیت متعلق ہے وہی بوحید ہو جائیں گے اور جن سے متعلق نہیں وہ کافر و مشرک ہی رہیں گے بعض مفسرین نے کہا کہ یہ مشرکین جو توحید کو مٹانا چاہتے تھے آیت کریمہ میں ان کے حال کی تشبیہ ہو یعنی یہ لوگ جو عرض نبانی بک بک اور ہتان باندھنے سے نور توحید کو مٹانا چاہتے ہیں تو ان کی مثال اس فعل میں ایسی ہو جیسے کوئی شخص چاہتا ہو کہ بھونک مار کر سورج یا چاند کے نور کو بجھا دے حالانکہ درحقیقت اسکی کوئی راہ نہیں بلکہ وہ نور تو ضرور چمکنے والا ہو ایسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن نور کے ساتھ بھیجے گئے وہ ایسے مشرکوں کی باتوں سے نہیں مٹ سکتا بلکہ ضرور پھیلنے والا ہے۔ **وَكَيْفَ يُكْفِئُ اللَّهُ** اگرچہ کافر پڑے برا مانا کریں اللہ تعالیٰ ضرور اس کو پورا فرما دیگا۔ بالکل کوئی تفسیر سچا ہے ہر تقدیر اس آیت کریمہ میں پڑا ہے جو قیامت تک ہر ایسے شخص پر رحمت واضح ہو جو اسلام کا منکر ہو۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سچی رسالت اور وحی سے آگاہ کر دیا کہ دین اسلام ضرور پھیل جائیگا۔ حالانکہ اسوقت تمام عرب ہی اسلام لانے کو پڑا تھا علاوہ برین شام و روم و فارس مصر وغیرہ میں بڑی زبردست سلطنتیں قوم نصاریٰ کی تھیں کہ تمام عرب متفق ہو کر ظاہر میں کسی طرح سامان و لشکر و ہتھیار و زور و جواہر و تعداد میں انکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا پھر بڑا ہٹ دھرم وہ شخص ہے کہ اس کلام معجز نظام پر غور نہیں کرتا کہ بیرون وحی الہی کے کیونکر ایک سچا آدمی جس کے دشمن بھی اسکے بچپن سے اسکے نہایت سے امانت دار ہو سکے مگر ایسی بات کہتا جس پر چشم ظاہر میں کسی طرح ادراہ تجربہ و عادت و نظریہ کے واقع ہونے کا کبھی حکم نہیں لگا سکتے تھے اور اس سے آدمی کو اپنے چھوٹے بنائے جانے کا خوف نہوتا لیکن چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسی الہی آگاہ کرتے تھے پس قطعی یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کاملہ بشر کی نظر سے بہت بالا ہے جو وہ چاہے خواہ مخواہ واقع ہو گا اس کو کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ وہ پاک پروردگار تمام جان کا خالق ہے عیسیٰ ہون یا کوئی ہو سب اسکے عاجز بندے مخلوق ہیں وہ ہر بات پر قادر ہے۔ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ** وہی آسمانوں و زمین کا اس تمام صفت و خوبی کیساتھ پیدا کر نیوالا ہے جسکی عظمت جلال کا بیان نہیں ہو سکتا اسی نے بھیجا اپنے رسول کو یعنی محمد مصطفیٰ رسولوں کے سردار رسول کو ہدی و دین حق کیساتھ یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل کی معرفت کے اچھے صحیح و ٹھیک اعتقادات توحید کے ساتھ جو علم و ہدی ہیں اور پاکیزہ اخلاق و اعمال کے ساتھ جو دین حق ہیں اور دنیا و دین میں جو علم و عمل بندے کے نفع کا ہے کوئی ایسا جھوٹ نہیں رہا پھر صریح کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجنا اسی غایت تک نہیں تھا کہ کافر چاہے ایمان لا دیں یا نہ لا دیں اور کوئی اس دین پر ہویا نہ ہو جیسے بعض دیگر انبیاء کے ساتھ

واقع ہوا بلکہ لیظہر علی التواضع کلیم اس واسطے کہ تمام دینوں پر غلبہ سے فت شرک نصرا نیت و بت پرستی و آتش پرستی وغیرہ جو ظلم و دروغ کے ساتھ پھیل رہے ہیں سب پر غالب کرے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ ایسا ہی واقع ہوا اور جو وحی الہی سے اُس کے رسول نے خبر دی تھی اسی حالت میں کہ کافر منافق ہنستے تھے اور پرخ نہیں مانتے تھے وہ ٹھیک ٹھیک پوری اتری۔ پس اسلام سے در رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حیدر سے انکار کر نیو اسے جب ہٹ دھرمی کرتے ہیں کہ ایسے ایسے کھلے معجزے دکھیکر پھر بھی اسلام سے منکر ہیں قطع نظر اسکے جو اعتقادات تو حید اور جو اخلاق جمیلہ اس دین میں تعلیم ہوئے ہیں وہ خود اس امر کیلئے کافی تھے کہ ایک بے پڑے کلمے کی طرف سے ان کمالات کی تعلیم اگر معجزہ و وحی نہیں تو اور کیا ہو اور اس سے قطع نظر اگر تم اپنے خالق کو پہچانتے ہو تو تم کو اس کی معرفت و اخلاق آدمیت کے سوائے جس سے دین و دنیا کا نفع و نون ملتا ہے اور کیا چاہیے اور سوائے اس کے دوسری بات اس پاکین تو حید میں نہیں ہے۔ افسوس اگر قرآن مجید پر سہمی آنکھ سے نظر کریں اور غور سے دیکھیں تو ان کو بہت سے معجزہ ملیں جو صریح اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کلام پاک ہی الہی ہے اور صحیحین کی حدیث میں ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کی مشرق و مغرب کو تہ کیا یعنی مجھے ایک حد پر مطلع کر دیا اور عنقریب میری امت کا ملک بان تک پہنچے گا جس قدر میرے لئے تہ کی گئی ہے۔ امام احمد نے قبضہ بن مسعود سے مرفوع روایت کی کہ عنقریب تمہارے واسطے زمین کے مشارق و مغارب سے مفتوح کر دیئے جاویں گے و لیکن ان ملکوں پر جو حاکم ہوں گے وہ دوزخ میں جاویں گے سوائے ایسے حاکم کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور تقویٰ پر ثابت قدم رہے۔ اور امام احمد نے حدیث عدی بن حاتم سے روایت کیا جس میں ہے کہ بھرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تو بے دراد رہے مجھے معلوم ہے کہ جو خیال تجھ کو مسلمان ہونے سے روکتا ہے تو اس خیال میں پڑا ہے کہ اس شخص پر ایمان لانیو اسے وہ پیروی کر نیو اسے لوگوں میں سے ضعیف و کمزور بیچارے غریب ہیں اور عرب کے ذبردست لوگوں نے مانا نہیں بلکہ پھینک دیا اور نہیں قبول کیا سو بھلا تو نے چہرہ دکھایا ہے میں نے عرض کی کہ میں نے دیکھا نہیں مگر سنا ہے تو فرمایا کہ قسم اس بات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس امر کو یعنی اسلام و تو حید کو پورا کرے گا یہاں تک کہ عورت بدون کسی کے ساتھ ہونے کے جبر سے اگر خاندان کعبہ کا طواف کر جاوے گی اور اللہ تم لوگ کسری بن ہرمن کے خزانے فتح کر کے قبضہ میں لاوے گا۔ میں نے کہا کہ کسری بن ہرمن بادشاہ فارس کے خزانے یعنی جس سے آج کوئی بادشاہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ ہاں کسری بن ہرمن کے خزانے فتح کر دے گا اللہ یہ جو گا کہ مال خیرات کو باجاویگا اور کوئی اسکو قبول نہیں کرے گا یعنی تو نگری کے سبب سے خیرات جو فقیرے سکتا ہے کوئی نہیں لے سکیگا۔ عدی بن حاتم نے یہ حدیث بیان کرنے کے وقت کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا آنکھوں دیکھو کہ تیرے سے مکہ تک کھٹکے عورت جاتی اور طواف و حج کر کے چلی آتی ہے حالانکہ کوئی بھی اسکے ساتھ نہیں ہوتا اور کسری بن ہرمن کے خزانے فتح ہونے کے وقت اللہ میں شریکیت تھا اور اللہ اللہ کہ تیسری بات بھی ضرور واقع ہوگی کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا ہے۔ رواہ احمد اور اس قسم کی احادیث بہت کثرت سے ہیں جن کا یہاں لانا موجب طوالت ہے پھر بہت بڑا افسوس ہے کہ کوئی فرقہ راہ تو حید و اسلام و رسالت حضرت خیر الامم سے منکر ہوو لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وہیت دیتا ہے وہی اپنی مخلوق کا دانا تر ہے۔ و کون کسیر کا المشہور کون۔ اگرچہ مشرکین ہرانا کریں فت یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل دین کو غالب کرے گا اگر کہا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی اتباع کر نیو ان کے حق میں قیامت تک غلبہ کا حکم آیا ہے۔ کما فی قولہ اذ قال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی متوفیکم رافک الی و جاہل لذین اتبعوک فون الذین کفرو الی یوم القیامۃ الایہ۔ پھر مسلمان کیونکر نصاریٰ پر غالب ہوئے تو جواب یہ ہے کہ آیت میں حضرت عیسیٰ سے کفر و انکار کرنے والوں پر غلبہ کی خبر ہے جیسے یہود کہ حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں پس نصاریٰ قیامت تک

ان پر غالب ہیں گے اور مسلمان کہو حضرت عیسیٰ کے منکر نہیں ہیں بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ عزوجل کا بندہ رسول جانتے ہیں اور یہ آیت کریمہ بھی صریح
 معجزہ ہے کہ قیامت تک کی خبر برابر صادق ہو پھر افسوس ہو کہ ہٹ دھرم انکار کرتے ہیں۔ اب رہے مسلمان و نصاریٰ تو ان میں سے جو
 متبع حضرت عیسیٰ ہو گا وہ بطریق اشارت کے غالب معلوم ہوتا ہے اور تحقیق تفصیلی اس آیت کی تفسیر میں گذر چکی اور خلاصہ یہ ہے کہ اتباع
 دو طرفہ ہے ایک بحقیقت دوسری برائے نام پس اتباع بحقیقت یہ کہ حضرت عیسیٰ کو بندہ رسول جانکر جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید معرفت
 سکھائی ہے اس پر یقین ایمان رکھے اور اتباع برائے نام یہ کہ ان کی پیروی کا دعویٰ کرے اور نام لیا کہ لکھے اگرچہ درحقیقت ان سے
 کو سونے اور بلکہ بالکل دروغ و دور ہو جیسے متاخرین نصاریٰ ہیں پس حقیقی اتباع کہنیو اسے تو ضرور بدلیل اشارت کے غالب ہیں اور جو شخص
 سچا مسلمان ہو اور اس سے اسلام کا یقین رکھتا ہے وہ درحقیقت عیسیٰ کا متبع ہے بلکہ امت محمدی صلعم میں سے ہے مسلمان گستاخی نہ تو
 حضرت عیسیٰ کے واسطے متبع ہونے میں فخر میں ہیواسطے صحابہ رضی اللہ عنہم تمام نصاریٰ پر غالب ہوئے اور برابر نصاریوں سے کہتے تھے کہ حضرت
 عیسیٰ کے تم کو نہ ہو ہم ہی ان کی اتباع کے واسطے ادنیٰ ہیں۔ اور رہے وہ لوگ جو نام کے مسلمان ہیں راہ توحید سے غافل ہیں دل میں یقین
 نہیں ہو کہ میں سیتلا پوجنے دوڑے اور کہیں شیخ سدو کے نام پر بکرے مائے اور کہیں قبروں پر ناک رگڑی گرو پھرے۔ جب اعتقادی امور میں
 یہ حال ہے تو نور ایمان کہاں سے آیا پھر ان کے اعمال پوچھنا کیا۔ کوئی بد فعلی ان سے نہیں چھوٹی اور کوئی بد خلقی نہیں ہے۔ ناکاری شراذری
 جھوٹ فریب مکاری فتنہ پردازی مرض بازی بشیر بازی عرض کوئی کہاں تک بیان کر گیا ہے ان کے اعتقاد اور یہ ان کے اعمال ہیں اور ان کے
 عالم لوگ تو اپنا مستقر بنانے پر مرتے ہیں اور پیر لوگ اپنے مریدوں کو مسئلہ وحدت وجود سکھلانے پر فخر کرتے ہیں جب یہ نوبت ہو چکی
 تو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کا دانا تر ہے پھر ان میں حاکم کی حرکتیں ظاہر اور قاضی کی رشوت خواری ظاہر اور ثقہ گواہ کہاں جس پر فیصلہ
 ہو پھر حکومت سولے ظلم و فساق کے اور کیا ہوگی لہذا ایسی صورت میں سب نام لیا متبع معلوم ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جسکو چاہے حاکم فرمائے اور ہی
 ہر چیز پر قادر ہے اللہ اعز الاموالہ اسلام دابدنالہ دونقاوانت ارحم الراحمین۔ اے لوگو راہ توحید و اسلام کو مضبوط رکھو تاکہ دین دنیا میں اللہ تعالیٰ
 کی نصرت سے سرفراز ہو اور علمائے پہلے صلاحیت اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ تو فیض عطا فرمائے۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ ہود و نصاریٰ
 و مجوس جو اسلام میں اس نظر سے عیب لگاتے ہیں کہ جتنے بڑے کام ہیں وہ دنیا کے لوگوں میں سے اہل اسلام میں زیادہ ہیں لہذا یہ مذہب
 قابل قدر نہیں ہے تو جواب لے سکا یہ ہے کہ اس طرح کسی مذہب کی خوبی نہیں دکھائی دیتی ہے بلکہ اس مذہب کے اعتقاد و اعمال کو دیکھو تو معلوم ہو
 اور ان لوگوں کو مست دیکھو جو برائے نام اس مذہب کے دعویٰ ہیں کیونکہ یہ لوگ تو برائے نام اس مذہب کے ہیں نام لیا ہو کر گویا بد نام کرتے ہیں
 مسترحم کہتا ہے کہ بنظر انصاف دیکھو تو یہ بات بھی حقیقت اسلام و صدق رسالت کی دلیل ہے اور غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی
 اس امر کی بھی خبر فرمائی تھی کہ جیسے اگلی امتوں نے دین بگاڑا ویسی یہ امت بھی ان سے ایک عدد ذرا آتش فرقت ہو جائے گی۔ اور امام مسلم
 نے اپنی صحیح میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ لات دن بخائیں گے بہانہ تک
 کہ لات عجزی پوجے جاویں گے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو لہ ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ دین الحق
 لمنظروہ علی الدین کلہ۔ لآ تہ تبغی یقین تھا کہ یہ تمام و کمال ہو گا اپنے فرمایا کہ ان حسب قدر اللہ عزوجل کی مشیت ہوگی وہ ان تک ہو گا۔ پھر
 اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا چلا دے گا جس سے ہر وہ شخص مر جاوے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر ایمان ہو گا اور باقی وہ لوگ
 مر جاویں گے جن میں کچھ بھلائی نہیں ہو پس سے لوگ اپنے باپ دادا کے پیر مر جاویں گے۔ واہ مسلم۔ اگر کہا جائے کہ قولہ علی الدین کلہ

مفرد کیونکہ یہ تو جواب آپ تکہ کفر کے دین سب شیطانی راہ و کج ہونے میں یکسان ہیں کما قیل الکفر ملۃ واحدة۔ اگر کہا جائے کہ دین ہو کہ بلقہ کل ہو اور دین اسلام بھی ایک ہے یہ وہ بھی داخل ہو جائیگا تو جواب یہ کہ الدین میں الف لام حمد کا ہو اور مراد کل ادیان یا طلہ ہیں پس دین اسلام میں دخل نہیں ہو۔ واضح ہو کہ راہ مستقیم ماتر خط مستقیم کے ایک ہی ہو سکتی ہے اور اسوائے اسکے جانبا فراط یا الفریط میں جملہ راہیں کج ہو گئی ہذا اہل اسلام امت وسط و عدل میں ان پر لازم ہے کہ اپنے دین میں جو امور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں پس ٹھیک ٹھیک انہیں پر انکی حد تک مستقیم رہیں کسی جانب کو ہوا و ہوس سے تجاوز و میلان نہ کریں ورنہ اسلام سے خارج ہو جاویں گے اگرچہ اپنے زعم میں توحید کے مدعی ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو محب رسول اللہ صلعم تصور کریں کیونکہ دعویٰ دروغ ہے و السلام فی العرالس قولہ تعالیٰ اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من ارض مقتدی نے جس شخص کی اقتدا و تقلید کی اگر اسی پر نظر رکھی اور دیدار حق تعالیٰ سے نظر فائل کئے رہا تو اس کو رب بنا لیا اور مشرک قرار دیا یعنی طاعت فقط حق تعالیٰ عزوجل کی ہے اگرچہ درمیان میں انبیاء و اولیاء و وسیلہ ہوتے ہیں پس ان وسائل کی طاعت کرنے میں یہ لحاظ نہ رکھے کہ یہ طاعت ان کی طاعت ہے بلکہ یہ طاعت عین طاعت الہی ہے جو وسیلہ ان کے معلوم ہوئی ہے کیونکہ توحید کے دین میں یہی ہے کہ قدم کو جو فقط باری تعالیٰ جل جلالہ ہے حدیث سے جو تمام ماسوائے حق تعالیٰ ہے مفرد کرے اور اس افراد میں وسائل و واسطہ اور اس پر نظر رکھنا شرک ہے اور تصدیق اسکی پوری آیت میں ہے یعنی قولہ وما امر الا لیعبدا و التوا احد۔ و حدیث کی غیرت نے درمیان میں شاہد و آیات و جملہ مخلوقات میں سے کسی کو باقی نہیں رکھا چنانچہ فرمایا۔ قل اللہ ثم ذرہم یعنی دین توحید میں صرف اللہ ہی اللہ تعالیٰ ہے اور ماسوائے اسکے جو کچھ ہو وہ کچھ نہیں ہے۔ ایسا واسطے جب آنحضرت علیہ السلام نے غیرت قدم کو لحاظ کیا تو اپنی مدت میں اپنی حد سے تجاوز کرنا منع کیا یعنی حدود کی تعریف اسی کی حد تک ہے اور شان قدم تک نہ پہنچنے پائے چنانچہ فرمایا۔ لا تطرونی لکما اطرت النصارى اسح۔ یعنی میری تعریف میں تم ایسے نہ اطرا کرنا جیسے مسیح کی شان میں نصرانی اطرا چلے اور مشرک ہو کر ضال و گمراہ ہو گئے چنانچہ قولہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ کی تفسیر صحیح حدیث میں یہی آئی ہے کہ مغضوب علیہم یہودی ہیں اور ضالین نصرانی ہیں اور ان دونوں کی راہوں سے پناہ مانگنے کی سواہ فاتحہ کی اس آیت میں تعلیم ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو ملت ابراہیم حنیف علیہ السلام کی متابعت کا حکم اسی معنی کر تھا کہ درگاہ قدم کو حدیث کے لگا دے پاک منترہ رکھنے میں ابراہیم مرتبہ خلعت فاڑتے یہ نہیں دیکھتے کہ غرود ملعون نے جب آگ میں ڈالنے کا قصد کیا اسوقت ملائکہ آسمان و زمین کو اضطراب و جنبش ہوئی کہ الہی یہ کیا شان ہے جہاں مخلوق کو دم مارنے کی مجال نہیں کہ کافر منکر ایک لحد غلیل کو آگ میں ڈالنے پر قابو دیا گیا اور ان کو اجازت ملی کہ جو ابراہیم تم سے مدد چاہے وہ مدد و لیکن حضرت غلیل علیہ السلام تمام یقین رکھتے تھے کہ تاثیر فقط قدرت الہی کی ہے کسی اور کی حرکت سے کچھ نہیں ہو سکتا ہذا کمال مطمئن تھے کہ جب درمیان میں غیر کا وجود محض ہے اگرچہ جس حکمت کیواسطے حدیث پیدا ہوئے ہیں۔ حکمت ان سے بتا ثیر قدرت قدیمہ ظہور کرتی ہے پس اس معنی سے تو یہ باطل نہیں اور باطل کہنا باہین معنی ہے کہ انکی ہستی مستقل و مؤثر گمان کی جائے لہذا قولہ رہنا خلقنا ہذا باطلا علین صدق ہے اور قولہ لا اکل شیء الا کل شیء ما خلا اللہ باطل ہے یہی درست ہے لہذا صحیح المترجم و اللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر شیخ نے لکھا کہ آنحضرت علیہ السلام کو ملت حنیفہ ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم تھا پس اپنے حالت میں میں نثار الکل فی الکل کی اور قدم کے حدود سے پاک منترہ ہر طرح بے لگا ڈھونے کی خبر فرمائی بقولہ لی مع اللہ وقت لا یسعی فیہ اللہ حدیث یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے کہ اسوقت مجھ میں کسی سول مکر و فرشتہ مقرب کی گواہی نہیں یعنی اشارہ کر دیا کہ میرا سرباطنی اللہ تعالیٰ کی توحید و تفرید کیلئے فارغ ہے اس میں کسی حادث کا گذر نہیں ہے۔ قال المترجم علماء نے لکھا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ کسی اسی بزرگ کا

ابو کربن الکتب الہدیٰ و بیروت ص ۱۰۲ - ۱۰۳

قول معلوم ہوتا ہے و طریقہ سند سے بعض نے کہا کہ موضوع ہوا اور بعض نے کہا کہ ضعیف ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ البیڑی نے مقالہ التوحید میں کہا کہ خبر دار
 توحید میں کسی کا لحاظ نہ رکھنا یہ نہیں ہو سکتا کہ توحید علیہ السلام یا کلیم و خلیل کو محاذ کرے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں راہ پاوے۔ قال المترجم
 قول توحید بہت دقیق ہے اور اسکی صحت میں شک نہیں اور اسے شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ نے تفسیر عزیزی میں بعض صوفیہ کے طریقہ تصور
 شیخ پر انکار کیا یعنی بعض صوفی اپنے مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں کہ مراقبہ میں اپنے پیر کی صورت کا تصور بنا دو جو ہر آن تک کہ غیر مراقبہ میں بھی ہر وقت
 تمہارے سامنے وہی صورت نظر آئے تو شاہ صاحب نے اسکو توحید کے خلاف بلکہ صاف شرک کہا ہے اور مترجم کہتا ہے کہ تصور کی تحقیق و
 اس کے اسرار کی تو صریح بہت طول چاہتی ہے اور اتنا یاد رکھو کہ تصور کے عجیب آثار و غریب اسرار ہیں اور توحید میں اگر جناب باری تعالیٰ کی نسبت
 کوئی تصور کسی قسم کا آئے یعنی کسی طرح کی کوئی صورت خیال میں سامنے آئے تو اس کو فوراً رد کر دے کہ میرا پروردگار تعالیٰ اس سے پاک منزہ ہے اور
 یہ سب نفس و شیطان کے تقلیدات ہیں و نمود بائد نہما۔ قال الشيخ شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جبریل علیہ السلام کے تقرب و خصائص کیا کیا
 ہیں اور کیوں نہیں تو کہا کہ واللہ ایک مہینہ ہوا کہ مجھے یہ خیال ہی نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو پیدا بھی کیا ہے اس میں شیخ شبلی نے اشارہ کیا کہ شہود الہی
 عزوجل کے سامنے شبلی خود نابود ہو تو غیر کامشاہدہ کہاں ہے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ یہود و خصوص نصاریٰ نے کچھ پیر پھیلانے اور اللہ تعالیٰ کے
 طلب میں اڑنا چاہا و لیکن ایسی چیز سے سکون و آرام پا کر طلب کوشش سے مطمئن ہو بیٹھے جو خود ان کے مثل ہے یعنی وہ بھی ان کے مانند
 ایک مخلوق بشر ہے کہ آدمی سے پیدا ہوا پس انہوں نے حق تعالیٰ کو ایسی راہ سے ڈھونڈا جو اس کی آہ نہیں پس گمراہ ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ
 نے جس کی آنکھ میں نور تو فیض کا سرمد عنایت کیا اسکے سامنے راہ کھنی ہوئی ہے اور جو اس سے اندھا ہے وہ راہ حق سے مردود ہے اور اور
 شیطان نفس پر بھڑکا پھرتا ہے اور عجب ہے کہ ان لوگوں کو خود معرفت نہیں مگر اہل معرفت و اسلام و توحید کو بے راہ بتلاتے ہیں۔ اور خود اپنے
 باپ دادوں کی راہ پر تقلید کے جاتے اور مقام توحید سے کہیں پیچھے گرے پڑے ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قل یا اہل الکتاب
 لا تغفلوا فی وسیکم غیر الحق ولا تتبعوا اہوار قوم قد ضلوا من قبل لایہ یعنی اے محمد صلعم تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے کہہ دے کہ تم لوگو تم اپنے
 دین میں حق کے برخلاف غلو مت کرو کہ عزیر و عیسیٰ کو بیٹا بناؤ اور اپنے اگلوں کی تقلید مت کرو جنہوں نے اپنے ہی کی چاہی بات کو شیطان
 کی سجاوٹ سے گڑھ کر مان لیا اور خود بھٹکے اور دوسروں کو گمراہ کر دیا۔ بالجملہ جن کے دونوں میں پھڑپھڑا ہوا چارہ ہے گیا۔ اور جنہوں نے مور تین
 گڑھی ہوئی اپنے مہمود بنائے اور جنہوں نے اپنے خیالی معبود کے بیٹوں سے وھیان کر دیا جن کا پوتا پوتا دیکھنے میں نہ آیا بھلائیے کب
 عقل کی نورانی راہ پر آویسے ہمان سوائے ذات پاک مدہ لا شریک کے کسی حادث چیز کا گمراہ نہیں ہو اور یہ کچھ بچھوڑ کر کہاں وہ بے لگا و قدیم
 پاک جامع صفات کمال معبود کو مانیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایت فرمائے تو ہو سکتا ہے پھر شیخ نے لکھا کہ اس امت میں جو مکار پیر ہیں کہ درحقیقت
 شیطان کے نائب ہیں اور صورت اپنی نیک لوگوں کی ہی بناتے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے نائب ہوتے ہیں پس صورت و لباس مظاہر میں تو
 عباد الرحمن بنتے ہیں اور سیرت بد باطنی میں شیطان ہیں بڑی بڑی دارحیوان لڑکائے رنگے کپڑے و تہ بند و جہر و دستار بچائے یہ کہتے
 پھرتے ہیں کہ ہم بزرگ نوابی کے ہیں ہم ملانے بزرگ کی اولاد ہیں اللہ تعالیٰ انکے کمرے بچائے۔ اور زمانہ میں ان کی لہنی داڑھی کی ہنسی پھیلاوے۔ یہ
 بد بخت سمجھتے ہیں کہ معرفت و توحید ہی کچھ نسبت خانوادہ سے ملتی ہے اور لوگوں کو مرید بناتے اور خود گمراہ ہیں ان کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ تو یہ تو بے
 بھلا جسکو اللہ تعالیٰ نے معرفت و توحید سے با تہا سنت سید المقربین صلی اللہ علیہ وسلم کے سرفراز فرما کر اسکا دل تمام اختیار سے پاک
 کر کے قبول نہیں کیا وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو جائے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے مترجم کہتا ہے کہ اس فساد کی اصل جڑ تو فرقہ شیعہ و ائمہ سے نکلی ہے

اللہ تعالیٰ اُن کے شر سے بچا دے۔ جنیڈ نے کہا کہ ہندہ کے حق میں بھلائی کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو علم نافرمانی اور کثرت دعا والی دعاہ
 و مثال چاہنے والوں کی صحبت سے بچا کر ایسی صاف باطن قوم کی صحبت عطا کرے جو دنیا سے درحقیقت بے رغبت اور خاموش و گمنام پسند
 اور اس سنت پر مستقیم اپنے نفس کی ہوا دہوس سے دور بھاگنے والے و بندگان خدا پر شفقت کر نیوالے امانت دار دین کے خیر خواہ اور اسکی حفاظت
 میں ہمہ تن مصروف نہ ہوں۔ مترجم کہتا ہے کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عالم ہو یا صوفی جو جب اُس نے دنیا کا نام دعا لیا تو اُس کی عزت
 کا اثر اسکو یہاں مل جائیگا پس متدین عالم کو چاہیے کہ اپنی گمنامی پر اُسکے مقابلہ میں رنج و حسد نہ کرے اور نفس کے جھگڑے میں صبر ثبات
 کی تدفین چاہے اگر چہ وہی نام کے چاہے و اسے بیدین گمراہ اسکی تحقیر و توہین کریں اور آخر میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو وہ خود بخود دیکھنا سے
 مشہور ہو جائے۔ جیسے ہونو نصاریٰ نے دین اسلام کی نسبت یہی چاہا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا بلکہ اسکا بلند و ظاہر کرنا چاہا اور وہی ہوا
 چنانچہ قولہ تعالیٰ یریدون ان یظفوا النور اللہ یا نورہم الایہ۔ سے ظاہر ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ ان مشرکوں کی پوری جہالت تھی جس سے صاف ظاہر
 ہے کہ معرفت سے انکو کچھ نصیب نہ تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے خیالات کی آگ و شن کر کے ایسے سوچ و چاند کی روشنیوں میں جاوے جو توحید
 میں بے شمار دیکھ رہے ہیں کہ اُن پر کسی نجس مشرک لائی کی نگاہ نہیں ٹھہرتی ہے اور جن بنڈن میں یہ توحید ہو اُن کے روبرو شیطان آگ سے
 آگ کی کیا قدر ہوگی کیونکہ وہ ان تکم قولہ نور علی نور۔ کے سبب اسکے کہ صفات الہی کے واسطے نہایت نہیں ہے وہ آب و زادن ہر کہ اُنکی
 آگ کا وجود ناپاؤ ہے۔ قولہ تعالیٰ ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی الخ اللہ تعالیٰ نے تمام حکمت بالغہ و دقائق امتحان کیلئے یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ
 ایک سول پاک کے واسطے سے بنڈن کو اپنی راہ کا علم و عمل تعلیم فرمائے پس وہ اسواسطہ و اپنی سے اسطرت کیلئے کہ نظر اسلی عبادت میں یعنی حق سبحانہ تعالیٰ
 ہو اور کمال قدسے واسطہ کا شکر یہ جان و مال سے ادا کرے کیونکہ اس نعمت کے فیض میں اللہ تعالیٰ نے اسکو واسطہ کر دیا پس ہی اُن کو اللہ تعالیٰ
 کی اہم عبادت بتلا دیکھانی پہلے اُن کو آگاہ کرے گا کہ تمہارا خالق جل جلالہ وہ پاک پروردگار ہے جس کی ذات و صفات ہرگز تم بنڈن کی عقل
 و گمان میں نہیں آسکتی ہے لیکن یہ سمجھو کہ وہ قدیم ہے جسکی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہو سکتا جو چاہے وہ کسے اسی کی قدرت
 میں تمام مخلوقات آسمان و زمین و حیوان و نبات سب سخر ہیں جس دم جس پر جو تاثیر ہوتی ہے وہی اُسکا اثر ہوتا ہے وہ سب دیکھتا سنتا جانتا ہے
 یعنی کان آنکھ وغیرہ سے نہیں بلکہ جس طرح اس کی شان کے لائق ہے وہ کسی چیز سے مشابہ نہیں وہ سب پاک منزہ ہے جو بات عیب و نقصان ہو اگر تھی
 ہے وہ کوئی بھی جناب الہی میں گنجائش نہیں رکھتی ہے وہ ان بیٹا بیٹی جو رو وغیرہ کو کچھ گنجائش نہیں وہ پاک ہے غرض کہ پہلے اس طریقہ سے حضرت مسعود
 عزوجل کو پہنچا دیا گیا جب جان چلے کہ ہمارا معبود ایسا ایسا عظمت جلال والا پاک ہے جس نے ایسی ایسی مخلوقات پیدا کی جس میں
 جب حکمتیں ہیں جسکی ایک پتی بھی کوئی نہیں پیدا کر سکتا ہے اور یہ سب ہمارے ہی واسطے ہے اُس نے اپنے فائدہ کیلئے کچھ نہیں پیدا کیا کیونکہ
 وہ پاک ہے وہ ان کسی احتیاج کو دخل نہیں ہے پس ہم پر واجب ہے کہ اسکا شکر یہ ادا کریں جو اُس نے ہم کو اس خوبی و عقل کیساتھ پیدا
 کیا مگر معلوم ہے کہ اسکے شکر یہ کیلئے کوئی چیز کہاں سے لاوین بلکہ انہیں ہاتھ پاؤں زبان دل سے ادا کریں گے پھر بھلا شکر یہ کیا ادا ہوگا لیکن اسکی
 رحمت ہے کہ اسکو قبول کیا پھر یہ بھی ہم سے نہیں ممکن کہ ہر آتی جاتی سانس پر شکر یہ ادا کر سکیں اس پر اور زیادتی یہ کہ صحت سلامتی و عافیت و
 رزق وغیرہ ہزاروں نعمتیں دین جن کا شمار نہیں ہو سکتا تو کن کن نعمتوں کا شکر یہ کیسے ادا ہو آخر ضرور اقرار ہوا کہ الہی ہم عاجز ہیں ہم سے کمال
 شکر یہ ادا ہو سکتا ہے اس پر مزید رحمت دیکھو کہ جنت و نعمت دینے کا وعدہ فرمایا الہی تیری رحمت کا کون پار پاسے نک لک محمد اکثیر اطمینان مبارک
 فیہ تیرے ہی واسطے بندگی کرنا واجب ہے پس رسول پاک نے سکھایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی دل جان سے خوش ہو کر اسطرح ادا کرو اور اسکا

یہ طریقہ ہے اور نادر چوری و دغا بازی و ظلم و فساد وغیرہ ایسی ایسی باتوں سے باز رہو اور عفت و انانیت و دیانت مداح امن خیر خواہی وغیرہ
 عمدہ اخلاق سے آراستہ ہو کر دنیا کی چند روزہ زندگی بسر کرو کہ مرتے ہی اس قبورخاں سے بچو کر راحت آرام میں پہنچو اللہم تو فنی مسلما مننا
 و انت ارحم الراحمین پس جسکو واسطہ مقرر کیا اسپر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اسکے واسطے سے ہم پر یہ فضل فرمایا اگرچہ واسطہ تو خود یہ اختیار نہیں کہ
 یہ فضل جسکو چاہے اسکو عطا فرمائے بلکہ ہدایت و توفیق حضرت باری تعالیٰ عزوجل کے اختیار میں ہے وہی قادر مختار ہے جو کہتا ہے میں حکمت ہے
 کسی بندہ کی مجال نہیں کہ اس حکمت کو پہنچ سکے۔ لہذا جس بندے نے اپنے خالق معبود کو پہچانا وہ صدق دل سے اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے جو کیا وہ عین عدل و سر حکمت ہے اور کسی بندے کا وہاں کچھ دعویٰ نہیں اور کسی زاہد و عابد کا جو شب روز عبادت ہی میں رہا ہے کچھ استحقاق
 نہیں چنانچہ اوپر بیان ہو گیا لیکن اسکا فضل ہے کہ نہ شکر یہ ادا ہوا اور نہ عبادت مگر اپنے فضل سے جنت دی اسپس کوئی سبب استحقاق نہ تھا۔
 و الحمد للہ رب العالمین العاقبة للمتقين الصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الصالحین پھر جسکو رسول و واسطہ کیا وہ ادب سکھانے میں واسطہ ہے اور اللہ تعالیٰ
 سے قرب مقبول کرنے میں واسطہ نہیں ہے پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے فضل کیا اور اسکو گناہگاروں کا شفیع بنایا لیکن کسی معاملہ ہدایات میں
 شریک نہیں کیا اور یہ ہو ہی نہیں سکتا پس اسکی طرف گمان ہی نہیں۔ پھر قولہ بالہدی و دین الحق۔ میں ہدی تو قرآن نورانی ہے اور دین الحق
 خالق شریعت ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اپنی درگاہ تک پہنچنے کی راہ بنایا کہ مے راہ مستقیم پر علامات ہیں اور
 اسل مذہب سے گھر میں نور ہیں جن کے پیچھے پیچھے چلنے والا اس درگاہ عظمت جلال تک پہنچ جاویگا۔ قال المترجم واضح ہے کہ راہ بہت
 باریک ہے اسپس لوگوں کی عقل مگرانی پھرتی ہے اور ہرگز اسپر اعتماد نہیں اسی واسطے کہم فرما کر رسول بھیجئے پس علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص کھاتے
 پیتے سوتے اٹھتے بیٹھے بسر کرنے میں آخر دم تک ہر ہر بات میں وہی طریقہ برتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا تو عین ثواب ہے اور نیت
 صادقہ سے وہ ٹھیک راستہ مستقیم پر پہنچے اس سے بچے وہ جو فرائض و واجبات و سنن ہو کہ وہ میں مستقیم ہو پھر جو فرائض و واجبات میں مضبوط سنن
 قریب بواجب میں ثابت ہو علی ہذا القیاس واللہ اعلم پھر اہل کتاب کے سرگڑھ لوگوں کا شر و فساد بیان کیا۔ بقولہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَا كُونُ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
 اے ایمان والو بہت عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے

وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفقونها فِي
 اور اٹکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور روپے اور خرم نہیں کرتے

سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتَكْوِي بِهَا
 اللہ کی راہ میں سونا کو خوشخبری سناؤ کہ وہاں مارکی جہنم آگ دہکا دیئے اسپر دوزخ میں پھروا عین گے اس سے

جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَأُخْرَاهُمْ هَذَآ مَا كُنْتُمْ لَكُمْ كَفْسِكُمْ فَنذَوْا
 ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ جو تم گاڑنے تھے اپنے واسطے اب چکھو مزہ

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ○

اپنے گاڑنے کا

اللہ تعالیٰ نے اجار و رہبان کی پیروی کرنے والوں کا حال تو اوپر بیان کر دیا کہ کمال حماقت سے انکو ارباب بنا لیا اور حکم اللہ تعالیٰ اور رسول

کو معطل چھوڑ دیا اور شرک و ضلالت میں پڑ گئے اب جبار و رہبان کا حال کہ کیسے دنیا میں نہرک دین میں مفسدین بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - لے ایمان والو تم آگاہ ہو کہ ان کثیراً مِّنَ الْأَجْبَارِ وَالرُّهْبَانِ - اجبار و رہبان میں سے
بِتِيرَةٍ - لیا کلون اموال الناس بالباطل البتہ کھا جاتے ہیں اموال لوگوں کے باطل یعنی نے کہا کہ اجبار سے
علماء یہود اور رہبان سے علماء نصاریٰ مراد ہیں مشہور یہ کہ رابیبہ نصرانی جو ہجر ابنکر صومعہ میں عبادت کیلئے تہننا بیٹھا ہوا اور شاید
اکثر انہیں کے علماء ایسا کرتے ہوں گے اور قولہ کثیراً من الاجبار سے معلوم ہوا کہ قلیل ان میں سے ایسے نہ تھے بلکہ وہ تقویٰ رکھتے تھے اور
بدون تحریف و تبدیل کے اصل کتاب لکھی کی پابندی کرتے تھے کذا قبیل اور ترجمہ کہتا ہے کہ قید کثیر سے یہ بات نہیں نکلتی کہ متقی اور اصل
دین پر تھے بلکہ اتنا ثابت ہوا کہ بعضے لوگ باطل طور پر مال کھانے والے نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ تحریف و تبدیل کرتے تھے یا نہیں
مگر اجبار یہود میں سے مانند عبدشد بن سلام وغیرہ کے متقی تھے اگرچہ ان کی کتابیں تودت سے تحریف ہو گئی تھیں لہذا اصل کو تحریف سے
ستیز کرنے میں انکو خود پریشانی تھی بہر حال مومنوں کو ان کی بدافعالی و حرکات سے بیدار کر دیا تاکہ ان کو عالم سمجھ کر انکے فریب و دھوکا
دیکھائیں اور ان کو ایسا سمجھ کر بندگان خدا کو ان کے دام زدویر سے بچا دین اور خود اپنے درمیان انکے مانند حرکات سے حفاظت رکھیں
اور اناس سے ظاہر ان لوگوں کے معتقد متبع مراد ہیں اور شاید عموماً ہو یعنی ان کی بددیانتی یہ ہے کہ باطل سے عام لوگوں کا مال کھا جانا
چاہتے ہیں اور کھا جانے سے یہ مراد کہ لے لیتے ہیں اور محاورہ کے طور پر اس کو کھانے سے تعبیر کیا کیونکہ مال لینے کا بڑا نفع ہی ہے کہ کھایا جاوے
و باطل لے لے باطل کے مواضع میں چنانچہ یہودی اپنے ہاتھوں کتابیں لکھتے اور اس میں احکام کی تحریف کرتے اور کہتے کہ تورات ہی ہے اور
بعض مفسرین نے کہا کہ باطل لے لے باطل یعنی باطل جو ذریعہ سے جو حلال نہیں ہے جیسے احکام میں رشوت لینا وغیرہ اور یہی تو
اور یہودیوں و نصاریٰ سب کو اور جملہ جوہ کو شامل ہے اور حاصل آنکہ اجبار و رہبان کا یہ حال ہے کہ باطل جوہ سے لوگوں کے مال لیتے
ہیں۔ بعض نے کہا کہ عوام کے سامنے یہ دعویٰ کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہڈن اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ اجبار و رہبان کو راضی
رکھو اور جان مال سے ان کی خدمت کرو اور عوام چہ چند مشہور بات جانتے تھے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ داسکے رسول کے احکام مانے اور جو باتیں شرع
میں منع ہیں ان سے باز رہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا لیکن اجبار و رہبان کے ایسے متبع تھے کہ جو وہ کہتے اسی کو لیتے جیسے قوم ہنود میں برہمنوں
کیلئے تو اعد مقرر تھے یا جیسے غیر ملک دین سے واقف نہ ہونے کیلئے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ جو کوئی دریائے انکس پار اترے وہ دھرم سے جانا
ہو اور عوام انہیں باتوں پر مانند قطعی احکام کے یقین و عمل کرتے تھے بعض مفسرین نے کہا کہ تورات میں بعثت محمد صلعم و فضل و خاتمیت کی
آیات تعین تو ان میں تحریف کر کے حضرت موسیٰ کو خاتم الانبیاء و دین یہود کو باقی قرار دیتے تھے اور ان حرکتوں سے مال تحصیل کرتے
اور بسا اوقات اس میں کو باقی قرار دیکر اسکی تقویت کیلئے عوام یہاں واجب کرنے بالجملہ فریب لکر کے سینے شیطان سے سیکھ کر دین کے
پیرائے میں دین فروشی کر کے دنیا کماتے تھے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ان کے ہتھ کھنڈون کو مشرح بیان کر کے لکھا کہ یہی سب سینے
کر فریب کے ہاتھ زمانہ میں بھی موجود ہیں کہ اکثر مکار دنیا دار دین فروش عالم و فقیر ایسے ہیں کہ انہیں طریقوں سے جاہل عقول کے مال
کھاتے ہیں اور لکھا کہ اگر تو ہائے زمانہ کے شیخی گھٹانے والے عالموں کو اذکار پیر عقول کو تا مل نظر سے دیکھے یعنی راہ سنت شرع مقدس پرانگی
آزمائش کرے تو اسلام و توحید سے کہیں دور پاویگا اور تبھی یہ نظر آویگا کہ گویا یہ آیات انہیں عالموں و پیروں کی شان میں اتری ہیں اور انہیں کا
تفصیلی حال ان آیات میں بیان ہوا ہے۔ ذرا غور سے دیکھو تو بعض پیر عقول کا یہ حال ہے کہ دعویٰ تو یہ کہ دنیا کی طرف بھے التفات نہیں اور کسی

مخلوق کی طرف میری نظر نہیں بلکہ میں فقط اپنے معبود ہی کی طرف اوج ہوں اور ایسی ایسی باتیں کہ لگا کہ گویا طہارت میں ملائکہ سے ہمسر ہو گیا
پھر جب نیا کے امور میں سے کوئی پیش آئے تو ایسا انداز سے منہ کر کے کہنا کہ حرم سے ایک ٹکڑا روٹی پر لڑے گا۔ ہذا حال کلامہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ترجمہ
کتابہ کہ اوپر اشارہ ہوا کہ قولہ یا ایہا الذین آمنوا میں مومنوں کو خطاب کر کے اجارہ و رہبان کے مذموم حرکات بیان کرنے میں فوائد و اشارات
معنوی بہت بلیغ ہیں از انجملہ قیامت تک کے مومنوں کو افادہ دیا کہ ان میں حیوت ایسے عالم و درویش ہوں تو ان کو بود و نصاری کے اجار
و رہبان پر قیاس کر کے راہ توحید اسلام پر مستقیم رہیں اور ان کے فریبوں میں نہ پھنسیں کہ دولت برباد اور دین تباہ اور سوائی آخرت باقی رہ جائیگی
کیونکہ صرف مال ہی برباد ہوا بلکہ جب اس سے عقیدت ہوئی تو قلب تباہ ہوا جس کا انجام فسق و فجور و منکرات ہے ایمانی پر خاتمہ ہو نہ تو بائندہ اس لیے لگا
وہ مکار پر کبھی راہ راست پر نہ آنے دیکھا اور دین کے پیرایہ میں جو اسے لکھ پھیلایا ہے اس کی طرف دعوت کرے گا پس اہ حق سے روک کر باز رکھیگا۔
چنانچہ اجارہ رہبان کا یہی حال تھا چنانچہ جن تعالیٰ نے بطریق باطل ان کے اموال کھانے کے ساتھ آگاہ فرمایا۔ **وَيَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ**
اور راہ الہی سے روکتے ہیں چنانچہ علم اہل ہونڈرتے تھے کہ اگر عوام کو معلوم ہو گیا کہ تورت میں آنحضرت صلعم کا وصف جمیل و اسلام کی مدح مذکور ہے
تو سلام میں غل ہو کر لوگ ہم کو چھوڑ دینگے اور یہ اموال نذرانہ کے جاتے رہیں گے پس باطل جہوں سے اموال کھاتے اور لوگوں کو اسلام
کی حقیقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم رسالت سے آگاہ کرتے اور تحریف و تبدیل کتاب تورت میں سرگرم ہوتے اور انکی بیباکی طرح
کے اشبا و آثار میں بروی ہر جسکو بخوف طوالت یہاں ذکر نہیں کیا جاتا اور سب کا نتیجہ ہی کہ لوگوں کو دین حق سے روکتے تھے۔ ایسے ہی اسلام میں جو
عالم و درویش اسی خصلت کے ہیں وہ بھی اپنے مطالب کے لئے دین کے پیرایے میں اموال جمع کرنے کیلئے خلاف شرع و خلاف سنت باتیں نکالتے ہیں
اور عوام بچال جو ذرا اسی لٹکی بات دیکھ کر امت و ولایت کے قائل ہو جاتے ہیں اپنے پیروں و معتقدوں کی باتیں کیسی ہی خلاف شرع ہوں
عمرگی پر محمول کر لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ بزرگی لی ہم سے زیادہ واقع ہو جو وہ فرماتا ہے وہی ٹھیک ہے ہم کو حکم شریعت کی سمجھ نہیں پس ایسے پیروں و
مریدین کا حال اجارہ رہبان اور ان کے متبعین کے حال سے خوب ہی مشابہ بلکہ بالکل یکساں بلکہ بعض خاص خاص مواقع میں بڑھا ہوا ہے
جیسے پورب کے بعض پیرایسے ہیں کہ سجادہ نشین تو بڑے خدا اور ان کے بھائی چھوٹے خدا کہلاتے ہیں بالجملہ یہ سب دین فردوسی صرف دنیا کمانے
و اموال جمع کرنے کی غرض سے ہر جس کا انجام بہت خراب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اموال جمع کرنے والوں کا حال و انجام بیان فرمایا۔ **بِقَوْلِهِ**
وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور وہ لوگ جو کثرت سے یعنی
خزانہ کا گنجھا جمع کرتے ہیں سونے چاندی کا اور اسکو راہ الہی میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔ **فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** تو انکو
عذاب الیم کی بشارت سنائے۔ یہ بطریق تنگم ہے یعنی نتیجہ ان اموال پر چھوٹنے کا یہ کہ عذاب الیم سے مزہ چکھیں اور وہ انہیں اموال سے حاصل
ہوگا چنانچہ تفصیل آتی ہے۔ واضح ہو کہ قولہ والذین مبتدأ مضمون معنی شرط اور قولہ فبشر ہم الخ اسکی خبر ہے پھر علما تفسیر کے یہاں اقوال ہیں
اول آنکہ والذین گویا عطف تفسیری انہیں اجارہ رہبان کا ہے یعنی ہم موصول سے وہی مراد ہیں اور اوپر یہ بیان ہوا تھا کہ باطل و جہ
سے لوگوں کے اموال لیتے ہیں اور اس سے بطور مبالغہ ان کا حال قبیح بیان کیا کہ مال جمع کرنے پر حریف ہیں اور اس میں کمال سجلی کرتے ہیں۔ یہ قول
معاویہ بن ابی سفیان سے مروی ہے۔ دوم آنکہ مسلمانوں میں سے ایسا کہ نیا سے مراد ہیں۔ یہ ابن عباس سے مروی ہے اور یہی سدی نے کہا کہ
مسلمانوں میں سے وہ مراد ہیں جو زکوٰۃ نہ نکالیں بیضاوی نے کہا کہ ان کو اہل کتاب کے رشوت خواروں سے قریب کر کے بیان کرنا بعض تغلیظ
ہے یعنی اشعار ہے کہ کثرت جمع کر نیا سے بہت بڑے ہیں کہ انکو اہل کتاب کے رشوت خواروں سے ملا کر بیان فرمایا اور اسی قول دوم پر دلالت کرتا ہے

کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ امر بہت بھاری معلوم ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا پس آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ اسی واسطے فرض کر دی ہے کہ اسکو نکال کر باقی مال کو پاک کر دے۔ قول سوم آنکہ اہل کتاب مسلمانوں دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور یہی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور معنی یہ ہے کہ عموم لفظ سے ہر وہ شخص مراد ہے جو مال جمع کرے اور اس میں سے حق شرعی نہ نکالے خواہ یہ نبوی و نصرانی ہو یا اور کوئی ہو کہ اقبل مترجم کہتا ہے کہ والذین مبتدئا متضمن معنی شرط ہے بدلیل دخول فاء پر خبر یعنی قولہ فبشر ہم پس حاصل یہ ہوا کہ جو ایسا کرے اسکی جزا یہ ہے۔ اور یہ ہر ایسے صفت والے کو شامل ہو گا کیونکہ مبتدئا بسبب معنی شرطیہ کے محصل نہ رہا کہ قوم میں ہو گا تقریر فی موضع پھر بنا پر قول ائمہ حنفیہ کے کفار مکلف لغیرہ نہیں ہیں لہذا اہل کتاب کی راہ سے ان کا بیان ہو گا اور یہ تشریح ان پر نہیں ہے تاکہ شمول انکا ذراہ تشریح ہو کیونکہ محصل اسکا یہ ہے کہ جو کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے وہ دوزخ کے عذاب بطریق خاص میں گرفتار ہو گا اور ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کی حالت کفر میں زکوٰۃ دینے کا کچھ اعتبار نہیں ہے پس حق حکم میں صرف مسلمان باقی ہے ان مذمت کے حق میں اہل کتاب نظر و تمثیل ہیں اور اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اقوال سلف جو اسکی تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کچھ مختلف نہیں ہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ اب ہا بیان اس کا کہ کس کس کو کہتے ہیں تو حضرت ابو ذر وغیرہ سے مروی ہے کہ حاجت سے زائد جو جمع کرے وہ کفر ہے اگرچہ اس میں سے زکوٰۃ دیوے اور دیگر عمل کرنے لگا کہ جس مال کی زکوٰۃ دے جائے وہ کفر نہیں اگرچہ حاجت سے زائد کتنا ہی خزانہ ہو۔ یہی حضرت عمر و ابن عمر و ابن عباس و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم و عمر بن عبد العزیز وغیرہ مجہم شدہ سے مروی ہے اور یہی صحیح ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قولہ والذین کینزون الذہب الآية۔ زکوٰۃ نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا پھر جب زکوٰۃ نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسکو مالوں کے واسطے پاک کر نیوالی کر دیا سو اگر میرے پاس احد ہزار براہ سونا ہو تو مجھے کچھ ڈر نہیں ہے میں اس کی زکوٰۃ دیدوں گا اور اس کو طاعت اسی میں خرچ کروں گا۔ رواہ عن البخاری و احمد و البیہقی وغیرہم۔ اور ایک حدیث مرفوعہ میں ثابت ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ کفر نہیں ہے۔ یعنی نیت و عرف کی راہ سے وہ کفر ہو لیکن شرع میں جس کفر پر عذاب کی وحید آئی ہے وہ ایسا کفر نہیں رہتا ہے۔ وقال البیضاوی۔ اور یہ جو حدیث میں آیا کہ جس نے سونا چاندی چھوڑا اسکو اسی سے جہنم میں داخل کیا جائیگا تو اس سے مراد ایسا مال ہے جسکی اسنے زکوٰۃ حق شرعی نہیں دیا ہے بدلیل حدیث دیگر جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ جو کوئی سونے یا چاندی کا مالک کہ وہ اسکی زکوٰۃ نہیں نکالتا تھا اسکا یہ مال مذکور ہے کہ آتش دوزخ سے تاب لے کر داغ دیا جائے گا پس اس کی پشیمانی وہ دونوں پہلو و پیچہ داغی جا دیگی اس دن کہ وہ پچاس ہزار برس کا ہو گا یا تنگ کہ لوگوں کا فیصلہ ہو پھر وہ اپنی بابت راہ پاسے یا دوزخ کی طرف یا جنت کی طرف والحدیث رواہ البخاری و مسلم وغیرہما اور اس سے معلوم ہوا کہ قولہ ولا یفتقروا فی سبیل اللہ سے مراد انفاق بطریق زکوٰۃ اور بحق واجب ہے یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے اور جو حقوق شرعی ان پر واجب ہیں ان میں خرچ نہیں کرتے ہیں اور مترجم کہتا ہے کہ زکوٰۃ سے تخصیص کرنا دولت سے خالی نہیں ہے اسواسطے کہ مال میں عام حق شرعی زکوٰۃ ہے اور دیگر حقوق واجبہ خصوصیت بھی ہوتے ہیں مثلاً کسی پر اسکے اقارب کا نفقہ و حیب ہے یا جوار میں کوئی عاجز مسلمان ہے کہ کوئی اور کو نفقہ دینے والا نہیں ہے وہنا موت لایسہ القام۔ اگر کہا جائے کہ ضمیر لایفتقروا مفرد ہے اور مرجع ما قبل تثنیہ ہے تو جواب یہ ہے کہ ضمیر ازراہ معنی راجح ہے ازراہ لفظ کیونکہ ذہب و فضہ میں سے فضہ کا لفظ بھی مؤنث ہے اور ذہب کا لفظ مذکر ہے لیکن کثر و خزانہ کی صحت میں ازراہ معنی کے ہر ایک بتعداد کثیر و مجموعہ وانیہ ہو کر بسبب حاجت کے ضمیر مؤنث سے تعبیر ہوا اور چونکہ مجموعہ خزانہ ہونے میں لفظ کیسان ہیں لہذا ضمیر واحد کافی ہے اور مترجم کہتا ہے کہ ذہب و فضہ اور مذکور ہونے سے ہر ایک کا مفرد اعتبار نہیں یعنی یہ خصوصیت نہیں ہے کہ ذہب کو خزانہ کرتے اور فضہ کو خزانہ کرتے ہیں تاکہ لایفتقروا۔ کی ضمیر میں لایفتقروا بضمیر تثنیہ ہونے کا سوال پیش ہو کیونکہ

لفظ جمع عام الہود اور ذہب و فضہ عام و ہر ایک ذہب و فضہ ہے۔

مقصود اس سے یہ کہ خزانہ جمع کرتے ہیں اور جس چیز سے جمع کرتے ہیں وہ بیان کر دی کہ ذہب و نفع سے کیونکہ خزانہ جمع کرنے میں خصوصیت رو پیہر یا
 اشرافی کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ اکثر مخلوط جمع کرتے ہیں ان بیان میں انھیں دونوں کی خصوصیت کی حالانکہ فلوٹس وغیرہ اموال کثیرہ اگر جمع کرے اور
 زکوٰۃ و حقوق واجبہ نہ نکالے تو وہ بھی کفر ہو جائیں گے تو خصوصیت ذکر میں اسوجہ سے کہ تمام تفصیل و تطویل سے احتراز ہوا اور مقصود جملہ اموال ہیں
 پس خزانہ رکھنے میں۔ چونکہ ہی دونوں اشرف سمجھے جاتے ہیں اور انھیں سے خزانہ کرنا معروف ہے انذا ان ہی دونوں کے بیان پر اکتفا کیا اور
 مقصود یہ کہ جو لوگ کفر و خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسکو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حقوق واجبہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی بشارت
 دیدے بشارت کا لفظ بطریق تکمیل ہے۔ پھر عذاب الیم کی بشارت کس دن کے واسطے اور کیونکر ہو تو بیان فرمایا جو صحیحی حکمیت ہائی کا
 جہنم اس دن کہ تابے یا جائیگا ان کنوز پر جہنم کی آگ میں یعنی سچا ہزار برس لے دن میں یہ خزانے دوزخ میں جھونک کر تپائے
 جائیں گے۔ فتکونی بہا جباہم و جنوبیہم و ظہورہم۔ پھر داغ دی جائیں گی اس سے ان لوگوں
 کی پیشانیان و پہلو و پیٹھیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا پر دنیا دارم پر درم نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان کی کھال چوڑھی کر کے
 ہر درم و دنیا را آتش دوزخ سے تپا ہوا علیحدہ رکھا جائیگا۔ ابو بکر الوراق رحمہ سے پوچھا گیا کہ پیشانی پہلو و پیٹھ کی خصوصیت میں کیا حکمت ہے۔
 کہا کہ کفر جمع کرنا لا احقار فقیر محتاج کو دیکھ کر بجائے رحم کے اس سے چین بچھین ہو کر اس سے پہلو تھی کرتا اور پیٹھ پھیر لیتا ہے بعض نے کہا کہ
 ان مقامات کے ذکر سے مقصود یہ کہ داغ دینے میں ہر چار طرف سے احاطہ کیا جائے گا چنانچہ پیشانی سے اگلی جہت اور پیٹھ سے پھلی طرف
 اور دونوں پہلو سے دائیں بائیں طرف سے احاطہ مراد ہے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہے کہ جو کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا قیامت میں اس کے عذاب
 کیلئے آگ کے پڑ کر کے اسکی پیشانی و دونوں پہلو و پیٹھ داغی جائے گی۔ اس دن کہ مقدار اسکی سچا ہزار برس ہوگی پس برابر اسپر عذاب ہوتا
 رہیگا یہاں تک کہ بندن کا حساب کتاب فیصلہ پاوے پس یہ شخص بھی اپنی راہ دیکھے خواہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ وہ اسلم پھر
 اگر دوزخی ہوا تو دوزخ کے عذاب کا حال معلوم ہو اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ اس حدیث سے نکلا کہ یہ عذاب قبل فیصلہ حساب کتاب
 کے میدان حشر ہی میں زکوٰۃ نہ دینے والے پر طاری ہوگا۔ اس سے نکلا کہ زکوٰۃ کا فرض بھی بڑے مرتبہ کا ہے کیونکہ انہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
 اسکو جا بجا نماز کے ساتھ ملا کر یقینوں لصلوٰۃ و لیتون الزکوٰۃ فرمایا ہے۔ ابن عمرو ابن عباس حضرت عمر و جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے
 دوزخ میں داریت ہو کر جس مل کی زکوٰۃ ادا کر دیجاوے وہ کفر نہیں ہوتا یعنی یہ کفر جس پر عذاب کا حکم ہے نہیں رہتا اگر چہ زمین کے نیچے مدفون ہو
 اور جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کفر ہے اگرچہ وہ کفر نہ ہو بلکہ اوپر ہی رکھا ہو پس قیامت کے روز آتش دوزخ سے تاب کرے اس سے مال و اللہ
 بطور مذکور داغ دیا جائیگا۔ ہذا اما کفرکم انفسکم۔ ایقوال ہم اوقا لہم ذلک یعنی بطور مذکور داغ دینے جاوے۔
 در حالیکہ ان سے یہ قول کہا جاتا ہوگا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے واسطے کفر کیا تھا کہ فقیر و محتاجوں پر ترس نہ کھایا اور حقوق واجبہ کو
 چھوڑا اور ان مالوں کو بہت پیار سے خزانہ کر کے اپنے نفس کیلئے رکھا یہ نہیں سمجھے کہ ایسے برتاؤ سے یہ تمہارے لئے عین نصرت و سبب
 عذاب ہے۔ فذوقوا ما کفرتم کفرکم۔ پس اب چکھو جسکو تم کفر کرتے رہے یعنی اب اس کے وبال بد انجامی کو چکھو۔
 مال کو اس طور سے جمع کرنا لوگوں کے حق میں مال کا انجام یہ ہوگا جو بیان ہوا اور ان سے یہ مزہ چکھنے کو کنا بطریق تکمیل و ملامت ہے۔ جیسے
 احماد و رہبان کو عذاب الیم کی بشارت دینے کا حکم بھی اسی معنی میں ہوا اور محصل اسکا یہی ہے کہ دنیا کی چیزیں جو مخلوق الہی ہیں ان میں جب
 ایک مخلوق بخل کر کے بر خلاف حکم و رضا خالق کے اپنے تصرف میں لائے اور ظلم و فساد کرے تو وہی چیزیں اس کے حق میں وبال عذاب

ہیں اگرچہ فی الحال ظاہری صورت سے اسکو اپنا انجام نظر نہ آوے بلکہ فریب نفس سے ان چیزوں کو منفعت سمجھے یہیں سے حکم اور بانی نے کہا کہ جس چیز کو آدمی محبوب کر کے طاعت الہی پر مقدم کرتا ہے اسی سے عذاب اٹھاتا ہے۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے احبار و رہبان کی مذمت مخصوص کر کے بیان فرمائی حالانکہ کوئی آدمی جو حیل ایسا کرے جیسا کہ عذاب پاویگا تو اس سے کہ عام لوگ تین قسم کے لوگوں کے عیال ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے درومد عمار کے اور سوم درویش لوگوں کے پس جب یہ تین فریق بگڑے تو سب لوگ خراب برباد ہو جاتے ہیں اور ظاہر اللفظ احبار جو غالباً علماء یہود پر لاجا تا ہے اس آیت کریمہ میں علماء نصاریٰ کو بھی شامل ہے اگرچہ علموہ اطلاق میں عالم نصاریٰ کو قسم تیسس کہتے ہیں جیسے ان کے درویشوں و عابدوں کو راہب کہتے ہیں۔ اور مقصود اس بیان سے یہ کہ گمراہ اور گمراہ کر نیواسے عالموں پرین سے پرہیز کریں نہ پروردی کر نیواسے ہی برباد ہوں گے چنانچہ یہود و نصاریٰ نے پرہیز نہ کیا بلکہ احبار و رہبان کو ارباب بنایا تو دین سے بالکل اندھے ہو گئے اور دینی عقل کم ہو گئی حالانکہ ان کے علماء و درویش آخرت سے منعم ہوئے دنیا کے اموال جمع کرنے پر حرص لایا جیل ہوئے تھے اور چونکہ آخر اسلام میں ہی یہی حالت ہوئی تھی لہذا مومنوں کو اس سے تحذیر فرمائی اور حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تم لوگ بھی اپنے سے اگلی امتوں کی چال قدم بقدم چلو گے سیفیان بن عیینہ نے کہا کہ ہمارے علماء میں سے جو بگڑا اس میں احبار ہوں کی مشابہت ہو جاتی ہے اور ہمارے زاہدون عابدوں میں سے جو بگڑا اس میں نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے حاصل تحذیر یوں ہے کہ ان کے احبار رہبان کا یہ خراب حال تھا کہ بطریق باطل وہ لوگوں کے مال لینے اور دنیاوی ریاست چاہنے اور دین فروشی کرنے اور خود بخیل و مال جمع کرنے پر حرص تھے اور انھیں مالوں کے لالچ سے راہ توحید کو بگاڑا لہذا ان اموال کے سب سے جو ان کو راجح سے زیادہ محبوب ہے واپس دے جانے کا عذاب پایا اور آیت اگرچہ احبار و رہبان کی مذمت میں مخصوص ہے لیکن آئندہ جو کوئی ان احبار و رہبان کے اقوال و افعال میں مشابہ ہو اسکو شامل ہے جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے یہ امر مخصوص مروی ہوا ہے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سوائے قدر نفقہ کے زائد مال کو کٹر کہتے تھے اگرچہ اسکی زکوٰۃ دیدی جائے اور سینہ گنے اپنی تفسیر میں ابو امامہ سے روایت کی کہ تلواروں کا حلیہ یعنی ان پر چڑھی ہوئی چاندی جو لٹوڑیوں کے ہوتی ہے وہ بھی کٹر ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے ایک طرحی مروی ہے کہ چار ہزار تک نفقہ ہے اور اس سے زائد کٹر ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے صحیح ہے کہ یہ قبل نزول زکوٰۃ تھا اور بعد زکوٰۃ کے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مالوں کے لئے پالی کر دیا ہے ان شرفی درویش کے حق میں تقلیل کرنے کی تعریف اور تکثیر کرنے کی مذمت بہت احادیث میں وارد ہے۔ حافظ ابن کثیر نے چند احادیث کو بیان دار کیا جسکی تلخیص یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم کا فرمان نقل کیا کہ بربادی ہے چاندی کو یعنی چاندی کو بطور کٹر جمع کر نیواسے کو اور بربادی ہے سونا جمع کر نیواسے کو۔ اس بات کو یقین رکھنا کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ امر دشوار گذر انھوں نے عرض کی کہ پھر ہم کون چیز ذخیرہ کریں تو فرمایا کہ ایسی زبان جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور ایسا دل جو شکر کرے اور ایسی حمد جو آخرت کے واسطے مددگار ہو۔ اور ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی کہ جب یہ آیت اتری والذین یکنزون الذہب والفضة اخرج تو آنحضرت صلعم کے صحابہ پر یہ امر دشوار ہوا پس عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آنحضرت صلعم سے پوچھتا ہوں پس جا کر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی واسطے فرض فرمائی ہے کہ تمھارے اموال پاک ہو جاویں۔

احمدیہ شداد بن اس کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ جب لوگ سونا چاندی بطور کٹر جمع کریں تو تم ان کلمات دعا کو ذخیرہ جمع کرو۔ اللہم انی اسئلك الثبات فی الامور واغفر لیت علی الریش و اسئلك ثمر الیمینک اسئلك من عبادک اسئلك قلبا یلین و اسئلك رسانی صا و قادی اسئلك من خیر العلم و احوالک من شکرنا لکم بما تشکم و انک انت کلام الیقوب۔ اور صحیحین کی حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے احبار و رہبان کی مذمت مخصوص کر کے بیان فرمائی حالانکہ کوئی آدمی جو حیل ایسا کرے جیسا کہ عذاب پاویگا تو اس سے کہ عام لوگ تین قسم کے لوگوں کے عیال ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے درومد عمار کے اور سوم درویش لوگوں کے پس جب یہ تین فریق بگڑے تو سب لوگ خراب برباد ہو جاتے ہیں اور ظاہر اللفظ احبار جو غالباً علماء یہود پر لاجا تا ہے اس آیت کریمہ میں علماء نصاریٰ کو بھی شامل ہے اگرچہ علموہ اطلاق میں عالم نصاریٰ کو قسم تیسس کہتے ہیں جیسے ان کے درویشوں و عابدوں کو راہب کہتے ہیں۔ اور مقصود اس بیان سے یہ کہ گمراہ اور گمراہ کر نیواسے عالموں پرین سے پرہیز کریں نہ پروردی کر نیواسے ہی برباد ہوں گے چنانچہ یہود و نصاریٰ نے پرہیز نہ کیا بلکہ احبار و رہبان کو ارباب بنایا تو دین سے بالکل اندھے ہو گئے اور دینی عقل کم ہو گئی حالانکہ ان کے علماء و درویش آخرت سے منعم ہوئے دنیا کے اموال جمع کرنے پر حرص لایا جیل ہوئے تھے اور چونکہ آخر اسلام میں ہی یہی حالت ہوئی تھی لہذا مومنوں کو اس سے تحذیر فرمائی اور حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تم لوگ بھی اپنے سے اگلی امتوں کی چال قدم بقدم چلو گے سیفیان بن عیینہ نے کہا کہ ہمارے علماء میں سے جو بگڑا اس میں احبار ہوں کی مشابہت ہو جاتی ہے اور ہمارے زاہدون عابدوں میں سے جو بگڑا اس میں نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے حاصل تحذیر یوں ہے کہ ان کے احبار رہبان کا یہ خراب حال تھا کہ بطریق باطل وہ لوگوں کے مال لینے اور دنیاوی ریاست چاہنے اور دین فروشی کرنے اور خود بخیل و مال جمع کرنے پر حرص تھے اور انھیں مالوں کے لالچ سے راہ توحید کو بگاڑا لہذا ان اموال کے سب سے جو ان کو راجح سے زیادہ محبوب ہے واپس دے جانے کا عذاب پایا اور آیت اگرچہ احبار و رہبان کی مذمت میں مخصوص ہے لیکن آئندہ جو کوئی ان احبار و رہبان کے اقوال و افعال میں مشابہ ہو اسکو شامل ہے جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے یہ امر مخصوص مروی ہوا ہے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سوائے قدر نفقہ کے زائد مال کو کٹر کہتے تھے اگرچہ اسکی زکوٰۃ دیدی جائے اور سینہ گنے اپنی تفسیر میں ابو امامہ سے روایت کی کہ تلواروں کا حلیہ یعنی ان پر چڑھی ہوئی چاندی جو لٹوڑیوں کے ہوتی ہے وہ بھی کٹر ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے ایک طرحی مروی ہے کہ چار ہزار تک نفقہ ہے اور اس سے زائد کٹر ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے صحیح ہے کہ یہ قبل نزول زکوٰۃ تھا اور بعد زکوٰۃ کے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مالوں کے لئے پالی کر دیا ہے ان شرفی درویش کے حق میں تقلیل کرنے کی تعریف اور تکثیر کرنے کی مذمت بہت احادیث میں وارد ہے۔ حافظ ابن کثیر نے چند احادیث کو بیان دار کیا جسکی تلخیص یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم کا فرمان نقل کیا کہ بربادی ہے چاندی کو یعنی چاندی کو بطور کٹر جمع کر نیواسے کو اور بربادی ہے سونا جمع کر نیواسے کو۔ اس بات کو یقین رکھنا کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ امر دشوار گذر انھوں نے عرض کی کہ پھر ہم کون چیز ذخیرہ کریں تو فرمایا کہ ایسی زبان جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور ایسا دل جو شکر کرے اور ایسی حمد جو آخرت کے واسطے مددگار ہو۔ اور ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی کہ جب یہ آیت اتری والذین یکنزون الذہب والفضة اخرج تو آنحضرت صلعم کے صحابہ پر یہ امر دشوار ہوا پس عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آنحضرت صلعم سے پوچھتا ہوں پس جا کر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی واسطے فرض فرمائی ہے کہ تمھارے اموال پاک ہو جاویں۔

آسمانوں و زمین کو پیدا کیا طرف متعلق بمعنی ثبوت ہو یا متعلق بکتاب ہو اگر مصدر قرار دیا جائے اور معنی یہ کہ یہ بات فی نفس الامر ثابت ہے جب اللہ تعالیٰ نے
اجرام و ازمینہ کو پیدا کیا۔ اور ان مہینوں کے نام عربی میں محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الثانی۔ جمادی الاول۔ جمادی الثانی۔ رجب۔ شعبان۔
شہر رمضان۔ شوال۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ۔ ہیں۔ سال کے یہ مہینے قمری ہیں جو چاند کی سیر کے حساب سے ہیں اور اہل اسلام انہیں مہینوں کے شمار
سے صوم و حج و دیگر امور احکام و حیض نفاس کا برتاؤ کرنے میں اور خطیب و غیرہ نے لکھا کہ اس حساب سے سال کے تین سو چوبیس دن ہوتے ہیں
اور فتاویٰ ہندیہ وغیرہ کتب فقہ میں جو کہ تین سو چوبیس دن و اڑتیس جزو کے گیارہ جزو ہوتے اور ایام سال شمسی کے جو آفتاب کے پورے دور
کے حساب سے تین سو پچیس یوم و چار یوم ہیں اتنے سال شمسی تو موسم گرمی و سردی کے حساب سے یکساں ہیں لہذا ہر فصل اپنے مہینوں میں واقع
ہوگی اور چونکہ سال قمری بہ نسبت سال شمسی کے دس دن کے قریب کم ہوتا ہے لہذا ہر تین سال میں ایک مہینہ کامل کم ہوگا اسی لئے ہندی لوگ ایک
مہینہ بوند لگاتے ہیں تاکہ فصل شمسی کا حساب ٹھیک ہو اور بوند کچھ اعتقاد ہندو سے متعلق نہیں جیسا کہ عوام زعم کر کے پھراپنے تین شک میں
ڈالتے ہیں چنانچہ اگر مہینہ میں یہ کمی بیشی کر دیا وے جیسے انگریزی و رومی مہینہ میں تیس و اکتیس سے کر دی گئی ہو تو بوند کی کچھ ضرورت نہیں
ہوتی ہے مہین سے معلوم ہوا کہ سال شمسی موافق فضول ہو اور سال قمری انہیں اسی لئے کبھی رمضان جاڑوں میں اور کبھی برسات اور کبھی گرمی
میں واقع ہوتا ہے اور ہر حال میں بندے حکم الہی پر امتحان کر لئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ ابتداء خلق اجرام و ازمینہ
سے اللہ تعالیٰ نے سال کا شمار انہیں مہینوں سے حکم تہدیٰ قرار دیا اور اسی کو انبیاء و رسل علیہم السلام لائے ہیں اور اسی شمار پر کتب آسمانی نازل
ہوئی ہیں حتیٰ کہ حیض نفاس کے احکام شمسی سے متعلق نہیں ہو سکتے کیونکہ واسطہ اس میں چاند کا عروج ہو جیسا کہ کتب فنون میں مصرح ہے پس
اس سے یہ حکم نکل آیا کہ قطعی و رومی و انگریزی مہینوں کا احکام تبدیلی میں کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ قمری مہینوں کو معتبر رکھو کہ انہیں کو اللہ تعالیٰ
نے روز پیدائش اجرام و ازمینہ سے ثابت فرمایا ہے **وَصَلِّ لِحَجَّتِمْ** ان بارہ مہینوں قمریہ میں سے چار حرم ہیں حرم حج حرام یعنی
محرم۔ ہین۔ جبین سے تین پے در پے ہیں یعنی ذوالقعدہ و ذوالحجہ و المحرم۔ اور ایک فرد ہے اور وہ رجب ہے۔ اسی ترتیب مفسر نے ذکر کر کے اشارہ
کیا کہ دوسرے میں سے چار دن ہیں اور آنحضرت صلعم نے بھی خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ **الان الزمان قد استدار کئینۃ یوم خلق السموات والارض**
السنۃ اثنا عشر شہرا منها اربعہ حرم ثلاث متوالیات ذوالقعدہ و ذوالحجہ و المحرم و رجب مضر الذی بین جمادی و شعبان یعنی آگاہ ہو کہ زمانہ
گھبرا جیسے آسمانوں و زمین پیدا ہونے کے روز تھا سال بارہ مہینہ کا اس میں سے چارہ حرام ہیں تین پے در پے ذوالقعدہ و ذوالحجہ و المحرم اور
ایک جب جو قبیلہ مضر کا جب کہلا تا ہے جو جمادی الثانی و شعبان کے بیچ میں پڑتا ہے۔ ابن کثیر نے کہا کہ قولہ علیہ السلام **الان الزمان قد استدار**
کئینۃ یوم کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء خلقت میں یہ امر جس طرح اللہ تعالیٰ نے رکھا اسی کو ثابت و مقرر فرمایا اور اسی پر ثابت ہونے کی تاکید کی
اس طرح کہ اس میں کوئی تقدیم و تاخیر و زیادتی و نقصان و تبدیلی مت کر دے جیسے جاہلیت و اے نسبی سے تئیر کرتے تھے اور بعض مفسرین
و متکلمین نے اس حدیث میں کہا کہ اتفاق سے اس سال آنحضرت صلعم کا حجۃ الوداع ماہ ذی الحجہ میں واقع ہوا تھا حالانکہ عرب اے جاہلیت میں نسبی
کرنے کے سبب سے اکثر سوائے ذی الحجہ کے دوسرے مہینہ میں حج کرتے تھے اور ان لوگوں نے زعم کیا کہ ابو بکر نے سال گذشتہ میں یعنی نوین سال
ہجرت کے جو حکم آنحضرت صلعم حج کیا تھا وہ بھی ماہ ذوالقعدہ میں واقع ہوا تھا و لیکن یہ زعم صحیح نہیں ہے چنانچہ آیت النسی کی تفسیر میں لگے
آویگا اور اطرب قول رہے جو طبرانی نے بعض سلف سے روایت کیا کہ سال حجۃ الوداع میں اتفاق سے مشرکوں و یہود و نصاریٰ سب کا
حج مہینوں سے متفق واقع ہوا تھا۔ و فیہ نظر ایضا۔ ہا ہا ہا شہادت حدیث کے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ چاروں ماہ حرام دو سال کے اندر

آتے ہیں اور کوئی یون نے ان کو محرم ورجب و ذوالقعدہ و ذوالحجہ سے شمار کر کے ایک ہی سال میں قرار دیا ہے لیکن نووی نے شرح صحیح مسلم میں ترتیب اولیٰ کو بدلتا حدیث کے صواب قرار دیا ہے اور ابن المنیر نے اپنی تفسیر میں اعتراض کیا کہ یہ سب اس بنا پر ہو گا کہ پہلا مہینہ ماہ محرم سے شمار کیا جائے حالانکہ یہ امر زمانہ حضرت عمرؓ میں مشہور صحابہ رضی اللہ عنہم قرار پایا اور نہ سابق میں عرب اے عام الفیل سے تاریخ شمار کرتے اور ابتدائے اسلام میں ایسے اول سے ابتدا لیتے تھے۔ فلینا لیل خطیب نے کہا کہ المحرم بالف لام ہو سولے اور مہینوں کے اسلئے کہ وہ اول ماہ ہے گو یا الف لام سے اشعار ہو کہ اسی مہینہ سے ابتداء سال ہو اور محرم اس واسطے کہتے ہیں کہ اس میں قتال حرام جانتے تھے اور ابتداء اسلام میں بھی یہ حکم مستقر ہوا اور بعض نے کہا کہ محرم اسلئے کہ اسی مہینہ میں ابلیس پر جنت حرام ہوئی اور نکالا گیا۔ رجب و ذوالحجہ بمعنی تعظیم ہو اور ذوالقعدہ اسلئے کہ عرب اس مہینہ میں نمود کرتے یعنی قتال سے بیٹھ رہتے تھے اور ذوالحجہ بحسب الجہا بسبب ابتداء حج کے کہلاتا تھا و قد اطل اسنادی فی الکلام علی ذلک فی رسالتنی الايام و اشهر۔ بالجملہ اس میں اختلاف ہے کہ ترتیب ان چار ماہ حرام کی اس طرح ہے کہ دو سال میں پڑتے ہیں یا اس طرح کہ ایک ہی سال میں آتے ہیں۔ ابن ماجہ وغیرہ نے کہا کہ اس اختلاف کا فائدہ جب ظاہر ہو گا کہ کسی نے قسم کھائی کہ ترتیب ماہ ہمارے حرام کے رونے رکھون گا تو قول اول پر ذوالقعدہ سے اور دوم پر محرم سے شروع کرے گا۔ خطیب نے کہا کہ حدیث استدارۃ کے معنی یہ ہیں کہ مہینے اپنے اپنے موقع پر قائم ہونگے جیسے ابتداء خلقت میں تھے اور حج اپنے مہینہ ذوالحجہ میں لازم ہو گیا اور نسوی وغیرہ زمانہ جاہلیت کی تبدیل جس سے گمبھی حج ذی الحجہ میں اور کبھی ذوالقعدہ اور کبھی محرم وغیرہ میں پڑا کرتا تھا باطل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ** یہ دین قییم ہے یعنی مہینوں کا باعتبار قرہ ہونا اور ان میں سے چار کا ماہ ہمارے حرام ہونا یہی دین مستقیم دین برہیم و اسمعیل ہے جو عرب کے میراث پایا ہے۔ بعض نے کہا کہ دین ازوان دین بمعنی حساب ہے کہانی الحدیث الکیس من ان نفسه یعنی دانا و پختہ کار وہ ہے جس نے اپنے نفس سے ماسہ رکھا اور خلقت کے اپنی خواہشوں پر چلنے کیلئے عاجز نہ ہوا۔ پس معنی یہ کہ یہی حساب مستقیم ہے اور بعض تابعین نے کہا کہ دین قییم وہ دین ہے جو متغیر و متبدل و زائل نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ چاندی مہینوں کو محرم رکھنا کیا معنی ہیں جواب یہ کہ معصیت سے ان کی تنگ حرمت نگرے اور طاعت میں سرگرم رہے۔ اگر کہا جائے کہ کیا تمام باقی سال میں اسکی اجازت ہے۔ جواب یہ کہ نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان مہینوں میں معصیت کا گناہ بہت بڑھتا ہے جیسے ان میں ثواب طاعت بھی بڑھا ہوا ہے اور عرب بھی ان مہینوں کو معظّم و مکرم رکھتے اور یہ علم ان کے میراث نبوت غلیل اسمعیل علیہما السلام ہو چکا حتیٰ کہ آدمی اپنے باپ کے قاتل کو بااگر احرام ماہ سے اسکو کچھ نہ چھیڑتا تھا اگر چہ عرب اپنی حالت سے خصوصاً ان مہینوں کے ایام پر قائم نہ رہتے بلکہ چار مہینوں کی اوقات کو استیفا کر لیتے کہیں سے ہوں چنانچہ آگے آتا ہے اگر کہا جائے کہ اجزاء زمانہ تو باہم مشابہ ہیں مگر اس امتیاز کا کیا سبب ہے جواب یہ کہ علم الہی ان حقائق کو بخوبی سمجھتا ہے آدمی تو صرف ظاہر صحت کو دیکھتا ہے اور عقل باعتبار ثواب عقاب کی حالت کے یہاں استقلال نہیں رکھتی چنانچہ آخر ماہ رمضان جس دن چاندی ہو گا روز صوم ہو اور ثواب اسکا مفروض معلوم ہو حالانکہ چاندرات کی صبح کا روزہ جو روز عید ہے حرام ہے پس شرائع متقرّہ حکمت بانذالہی عوذ علیہن ان میں عقل کی تاب نہیں چنانچہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے دیگر بلاد سے بلاد احرام کو متمیز کیا اور دیگر ایام ہفتہ سے روز جمعہ کو اور دیگر ایام سنال سے روز عرفہ کو اور دیگر ماہ ہمارے سال سے ماہ رمضان کو باعتبار جہات حرمت کے متمیز کیا حتیٰ کہ شب و روز کے بعض ساعات متمیز ہیں اور یہ متمیز بہ اعتبار کسی حقیقت معنوی کے ٹھیک ہے اگرچہ عقل سبب سے گنہگاریت سے جاہل ہے اسکو نہ جانے حالانکہ اپنے جسم و شخص میں قلب کی فضیلت بدون حقیقت بیان کرنے کے جانتا ہے اور خود معلوم کہ اشخاص میں سے انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں اور خود مشہور معلوم کہ باوجود ظاہری مشابہت جسم کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے نہایت لطیف خوشبو کہ عطر گلاب لہرہ اسکے سامنے ہستی نہیں رکھتا ہے

ہکتی رہتی تھی اور آپ کے پیشاب کو ایک صحابی نے دھوکے سے پی لیا تھا عمر بھر اسکے بدن سے عطر گلاب کے مانند خوشبو آتی رہی پس باوجود عقلی دلائل ان مشاہدات نقلی کے ایام و شہوں کے امتیاز میں تامل کرنا محض نادانی و عقل کا بھدا پن ہے بلکہ عقل سلیم جب حکمت بالغہ الہی پر ایمان لائی اور یقین کیا کہ او تعالیٰ سب چیز پر قادر ہو خود نما رہے ہر چیز کی حقیقت اسی کی فطرت ہو تو جو اس نے حکم دیا وہ میں صواب ہے لہذا یہاں فرمایا کہ شمارا ہمارے قریہ اور ان میں سے چار ماہ حرم رکھنا ہی دین مستقیم ہے۔ فلا تظلموا انفسکم بفسحکم بفسحکم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور مظلمہ اپنی گردنوں پر مت لادو۔ ضمیر نہیں راجح بجانب بے حرم ہے یعنی ماہ ہمارے حرام میں معاصی مت کرو جن کا وبال تمہاری جانوں پر ہو گا پس تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اسے مت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو اختصا من ذلک لیس ان میں کوئی معصیت کرنا زیادہ وبال کی موجب ہو چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا۔ ارجع انہم معلوماً فمن فرض فیہم الحج فلا رنت ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ حالانکہ رنت و فسوق و جدال ہر وقت میں گناہ ہے لیکن ماہ ہمارے حج میں منع فرمانے سے تاکید مقصود ہے جس سے تہنید ہے کہ ان ایام میں طاعت حج وغیرہ موجب مزید ثواب و معصیت رنت وغیرہ مستوجب مزید عقاب ہے پس یہ ایام مشرف و منیر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ضمیر مذکور راجح ہمارے اثنا عشر ہے یعنی بارہ مہینوں میں گناہ مت کرو اور مقصود یہ کہ اپنی عمر قلیل کو طاعت میں بسر کرو اور معصیت و فساد سے ظلم کا وبال اپنے اوپر مت لادو۔ فرار و غیرہ نے کہا کہ قول اولی ہوا سئل عنہ لفظ کلام بزبان عرب ہے اور عربین سے دس تک لفظ نہیں لاتے اور اس سے زائد کی طرف نہیں بولتے ہیں اور اصل یہ کہ جمع قلت کی طرف جماعت مؤنث کی لفظ سے کنایہ کرتے اور جمع کثرت کی طرف واحد مؤنث سے کنایہ کرتے ہیں پس اگر اثنا عشر کی طرف ضمیر ہوتی تو فیہا ہوتا لہذا انہیں بجانب رجب حرم۔ جو اگر کہا جائے کہ علی ہذا قول اول ہی صواب ہے پھر اولی کیوں کہا تو جواب یہ ہے کہ گو اصل یہی ہے کہ جو فرار نے ذکر فرمائی لیکن استعمال میں کبھی ایک کو دوسرے کی جگہ بھی لاتے ہیں جیسے شعر النابتہ سے ولا عیب فیہم غیر ان سیدونہم بہن فلول من قراع الکتاب : نہیں ضمیر بجانب بیونہ سے باوجود دیکھو جمع کثرت ہے۔ اختلاف ہے کہ ظلم سے معنی عموم مراد ہیں جو ان سے قتال وغیرہ کو شامل ہیں یا فقط نسبی سے مانعت ہے۔ قول اول ظاہر آیت ہے۔ و قتادہ ج نے کہا کہ ماہ ہمارے حرام میں ظلم کا گناہ بہت بھاری ہے نسبت دیگر اذمذ کے اگرچہ ظلم ہر حال میں بھاری گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے امر میں جسکو چاہتا ہے عظیم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے انواع و اقسام سے برگزیدہ فرمایا چنانچہ ملائکہ سے رسول اور نبی آدم سے رسول برگزیدہ کے اور کلام میں سے اچھا ذکر یعنی قرآن برگزیدہ فرمایا اور زمین میں سے مواضع مساجد کو اور مہینوں میں سے رمضان و ماہ ہمارے حرام کو اور ایام میں سے جمعہ کو اور راتوں میں سے شب قدر کو برگزیدہ کہہ دیا پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا تم بھی اس کی تعظیم رکھو کیونکہ اہل عقل و اہل فہم کے نزدیک مخلوقات میں سے کسی کی تعظیم کچھ نہیں مگر یوں ہی کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے معظم کیا ہے ان کی تعظیم بواسطہ حکم الہی کے ثابت رکھو۔ اور قول دوم یعنی مخصوص نسبی سے مماثلت بقریہ مقام ہے خطیب نے کہا کہ سبب ل اس آیت کا مشرکین کی نسبی و افح ہوئی جس کو مشرکین عمل میں لاتے تھے جس سے حج کبھی ذی الحجہ میں اور کبھی پہلے اور کبھی پیچھے آجاتا تھا۔ اور در قتال تو اسلام میں سوائے ہماؤ کے ہر قتال جو معصیت ہو بالضرور مانند اور معصیات کے ماہ ہمارے حرام میں بتاکید ممنوع ہے اور ہماؤ میں اختلاف ہے عطار سے منصوص ہے کہ حرم یا ہمارے حرام میں ہماؤ کرنا حلال نہیں ہے اور یہی ایک جماعت اہل علم کا مذہب ہے اور چھوٹے کہا کہ ماہ ہمارے حرام میں قتال کی مماثلت ممنوع ہے اور ناسخ اسکی آیۃ السیف ہے جو ابتدا سورہ میں گذری اور نیز آنحضرت مسلم نے حنین میں ہوازن پر ماہ شوال میں ہماؤ کیا اور طائف کو ذوالقعدہ میں ہماؤ کیا تھا اور نیز استدلال لیتے ہیں بقولہ تعالیٰ۔ وقاتلو

۱۱۳

المشركين كافة لعمري يعني مقاتله كرمشركين سے۔ كما يقاتلونكم كافة۔ جیسے وہ تم سے مقاتلہ کرتے ہیں سب کے سب۔ پس ثابت ہوا کہ تمام ہیبتوں میں ان سے قتال جائز ہے کیونکہ عموم اشخاص مسلمہ سے عموم احوال و اذنیہ کو یعنی جب عموم مشرکین سے قتال کا حکم دیا تو ضرور ہوا کہ ہر حال میں اور ہر وقت جائز ہوتا کہ ہر فریق مشرک سے جس حال و صورت میں ہو مقاتلہ کر سکیں ماہین کثیرہ نے لکھا کہ ظاہر کلام و سیاق اسی کو مشعر ہے کہ یہ حکم عام طور پر ہے اور اگر ماہہائے حرام میں قتال حرام ہوتا تو ان کے گردنے کی قید ہوتی اور فعل ہلک سے صلح اسکا بیان ہو گیا کہ شوال میں ہوا زن کو شکست دی اور جب ان کے بھاگے ہوئے طائف میں محصور ہوئے تو چالیس روز تک ان کا محاصرہ کیا اور بدون فتح کے واپس ہوئے پس ثابت ہوا کہ ماہہائے حرام میں سے ذوالفقہہ میں محاصرہ کیا پھر لکھا کہ قول اول کے جو لوگ قائل ہیں کہ ماہہائے حرام میں قتال نہیں ہوا ہے ان کے قول کے موافق کہا جائے گا کہ ماہہائے حرام میں قتال مشروع نہ ہوا اور حرمت ان کی منسوخ نہیں بدلیل قول تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا لا تملوا لشرا لا تملوا لشرا لا تملوا لشرا لا تملوا لشرا۔ اور بدلیل قولہ الشہر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدى علی حکم فاعتدوا علی مثل ما اعتدى علیکم۔ و بدلیل قولہ فاذا نسلخ الاثر الحرام فامتلوا المشرکین۔ اور دو قول میں سے ایک قول کے موافق یہ اشہر الحرام جن کے انسلخ کی قید ہے یہی چاروں ماہہائے حرام ہیں بزود چار مہینہ جن کی مہلت دہی گئی تھی بقولہ فی حیوانی الارض اربعۃ اشہر الا یہ۔ اور قولہ تعالیٰ قاتلوا المشرکین كافة الخ میں ماہہائے حرام کے اندر قتال کی علت منصوص نہیں بلکہ احتمال ہے کہ یہ حکم اپنے اقبل سے منقطع ہوا اور جملہ مستأمن مقصود کی واسطے ہو کہ مومنوں کو آمادگی و جوش حاصل ہو یعنی جیسے مشرکین تھکے واسطے مجتمع ہوتے ہیں ویسے ہی تم بھی ان کے واسطے مستفین و مجتمع ہو اور نیز یہ بھی احتمال ہے کہ مومنوں کو ماہہائے حرام میں مشرکین کے ساتھ قتال حلال ہونے کی اجازت ایک قید کے ساتھ دیکھی یعنی كما یقاتلونکم كافة۔ یعنی ان ماہہائے حرام میں جبہ ابتدا کر کے تم سے قتال شروع کرتے ہیں تو تم کو بھی اجازت ہے کہ ان سے مقاتلہ کرو۔ جیسے قولہ الشہر الحرام والحرمات قصاص۔ میں ہے یا جیسے قولہ لا تقاتلوا ہم عند مسجد الحرام حتی یقاتلواکم فیہ فان قاتلواکم فامتلوا ہم الا یہ۔ میں مشرکوں کی طرف سے ابتدا ہونے کی صورت میں اجازت ہے۔ ایسا ہی جواب آنحضرت صلعم کے حصار کرنے کا بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ہوا زن نے ابتدا کر کے لوگ جمع کئے اور سامان مہیا کیا تھا تب ہی اپنے انکی طرف قصد کیا اور بعد شکست دینے کے طائف کا محاصرہ کرنا اسی کا تمہ تھا کیونکہ طائف نے قوم ثقیف انھیں ہوا زن کے ہم سو گندھے اور ہوا زن بھاگے ہوئے بھی ان کے ساتھ مستفین ہو گئے تھے پس انکو محاصرہ کیا یہاں تک کہ ماہ حرام آگیا حالانکہ ابتدا اسکی حلال مہینہ سے ہوئی تھی اور ایک امر کی حالت بقا میں بعض ایسے امور جائز ہو جاتے ہیں جو حالت ابتدا میں جائز نہ تھے اور شرع میں اس کے نظائر بہت ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ مثلاً مہینہ میں اگر ابتدا شروع ہو مثلاً نصف مکان شائع غیر مقسوم ہے کیا تو امام ابو حنیفہ کے قول پر وہ انہیں حالانکہ تمام مہینہ کرنے کے بعد اگر نصف کا کوئی مستحق نکلا اور شروع ہو گیا تو برداشت کر لیا جائیگا اور ایسے ہی نکاح و بیوع و اجارات وغیرہ میں بہت سے مسائل ہیں جو اسکی نظر میں کہ حالت بقا میں بعض وہ امور برداشت ہو جاتے ہیں جو ابتدا میں جائز نہیں ہوتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ظاہر ہو کہ قول اول پر آیات و احادیث میں اتفاق ہو جاتا ہے جبکہ قول اول کے یہ معنی لئے جاوین کہ ماہہائے حرام میں ابتدا کرنا قتال کے ساتھ و انہیں ہوا اور منسوخ کرنے کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ و انہذا علم انہذا محققین علماء کا میلان اسی طرف ہے کیونکہ تعظیم حرمت الہی اس میں زیادہ ہے اور وہ اقرب بتقویٰ ہے فانہم و اعلموا ان اللہ مع المتقین۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہی متقیوں کے۔ ساتھ ہونا قرب غیرہ کے طور پر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیات وغیرہ مخلوقات کی مشابہت سے بھی پاک برتر ہے پس نکاح و بیوع بھی نہ ہوگا بلکہ مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بدولت اور صبر و صبرت

اس کی شان پاک کے لائق ہو اس طرح ساتھ اور ظاہر ایمان بقرینہ بہاد کے مدد نصرت الہی کا ساتھ ہونا اور ہر
پس نصرت الہی جس کے ساتھ ہو وہ ضرور مظفر و منصور ہو گا لہذا لازم ہے کہ نافرمانی سے پرہیز کر کے طاعت
پر قائم ہو کر مستحق رہیں۔ تاکہ نصرت کے مستحق ہوں۔ واضح ہو کہ ماہ ہائے حرام جب مومنوں پر
محرم کے گئے تو مومنین ان مہینوں میں قتال نہیں کر سکتے تھے بخلاف مشرکین کے کہ ان مہینوں کو اگرچہ وہ بھی محترم جانتے تھے لیکن انھوں نے
نہی کا ایک قاعدہ نکال رکھا تھا کہ ایک مہینہ کو اپنی جگہ سے نال کر دوسرے مہینہ کی جگہ بجانے تھے پس وہ لوگ اس اعتراضی طریقہ سے ماہ
حرام میں مومنوں سے لڑنے پر آمادہ ہو سکتے تھے پس جب مومنوں کو بھی اجازت دی کہ اگر ماہ حرام میں وہ تم سے ابتدا کریں اور پھر میں تو مارو
تو اب مومنوں پر کوئی مشکل باقی نہ رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے قاعدہ نہی کی مذمت فرمائی تاکہ مومنین بھی اُس سے بچتے رہیں۔ بقولہ تعالیٰ
إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضْعِفُكُمْ وَيُضْعِفُونَ النَّبِيَّ إِذْ يَأْتِيكُمُ الْبُرْهَانُ وَالنَّصْحُ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
سے تفسیر کیا اور اذاجملہ یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اسکو حلال کر لیا اور جسکو حلال کیا تھا اسکو حرام کر دیا۔ اذاجملہ یہ کہ مومنوں میں کوئی مفہوم
مرد و کڑا۔ اور بیان اسکا یہ ہو کہ کسی خواہ نام کی قرآن پر بتشدید یا اور باہین طور کہ آخری حرف ہمزہ کو یا اسے بدل کر یا اول میں ادا کیا گیا
یا آخر ہمزہ اپنی اصل پر موافق ہو کر کے رہی اُسکے تاخیر میں اور جہری رہنے کا کہ فیصل یعنی مفعول ہونے سے پہلے پھر تحویل کر کے کسی ہوا جیسے مفعول
سے قلیل ہوا لیکن اس تغذیر سے زیادہ کامل مجاز ہو گا بقدر ذوقی انانسی ذی زیادہ۔ اذ انظر یہ ہو کہ مصدر ہوا ماخذ انسا بمعنی آخر جیسے
ذی زیادہ اندر اور بخیر اذ انکر اور بہین تغذیر احتیاج حذف نہیں اور قرأت نس و نسا وغیرہ مصادر سے اسکی مؤید ہیں۔ اہل عرب نے ماہ جاہلیت
میں ان مہینوں کو جو ماہ ہائے حرام مذکور ہوئے ہیں حرام رکھتے لیکن چونکہ کثرون کی اوقات لوٹ مار قتل و غارت وغیرہ میں بسر ہوتی تھی
لہذا پہلے درپے تین ماہ کے حرام رہنے سے کلفت اٹھانے اسلئے جب قتل و غارت کی احتیاج پڑتی تو ان ماہ حرام میں بھی قتال کو روا رکھ کر
پہلے اسکے سال کے کسی دوسرے مہینے کو جو اسکے بعد ہو جائے اسکے حرام کر لیتے تاکہ چار مہینہ کی تعداد باقی رہے اور خصوصیت کو چھوڑ دیتے پس
یہی مانہ جاہلیت کی کسی تھی جسکی نسبت اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اللہ ذی الذکر ہے یعنی ماہ حرام کی تاخیر کر دینا کفر پر اور زیادتی
ہے کیونکہ جو مہینہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اسکو حلال کر کے اور جو حلال کیا تھا اسکو حرام کر کے اپنے کفر پر اور کفر بڑھایا اور اللہ تعالیٰ
نے حرمت کیلئے اوقات مخصوص کر دیئے تھے اس خصوصیت کو ترک کر کے چار کی گنتی پوری کر لی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا
مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنَّمَا جَعَلْنَا الْحُرُمَاتِ لِيَتَذَكَّرَ فِيهَا مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن قَبْلُ إِنَّمَا سَخَّرْنَا الْقُرْآنَ لِتَجْزَلَ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا فِيهَا آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
جو کافر ہوئے ہیں۔ باقیوں کی قرآن میں لعل یعنی اول بر بنا معروف ہے یعنی گمراہ ہونے میں سبب اسکے وہ لوگ جو کافر بنے ہیں اور یعقوب
کی قرآن میں لعل یا ذملاں بصیغہ معروف ہے پس فعل اللہ تعالیٰ اور موصول اسکا مفعول ہو یعنی اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ کافروں کو گمراہی
دینا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْمُوتَةَ وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
دوسرے سال۔ لِيُؤْطَوْا عَذَابَ مَا خَرَقَهُمُ اللَّهُ تَاكُ مَوَاقِفَ كَيْفَ شَاءَ اس چیز کا جسکو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا۔ یعنی ایک
مہینہ کو حلال کر کے بجائے اسکے دوسرے کو حرام قرار دینے سے اُن کی غرض یہ ہوتی کہ چار ماہ جو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیئے ہیں اُن کا شمار باقی
سے ہو جو بیان میں اشارت ہو کہ تحلیل و تحریم کی پابندی مخصوصہ تھی بلکہ گویا جدید شرع نکالنے میں اللہ تعالیٰ کی تحریم سے موافقت کرنا
مقصود تھی اگر کہا جائے کہ ایک سال میں تحلیل ایک سال میں تحریم بیان کی حالانکہ مہینوں کی نسبت ایسا کرنے سے تو جواب یہ کہ کسی کو عمل میں لانا

تہ جو درود لڑنا نہ دوسرا کجا اس دن کی صبح جیکر اس وقت پورے گئے۔ ۱۲۔

بیان کر دیا کہ ایک سال میں جب ضرورت ہوتی ماہ حرام کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال جب ضرورت نہ ہوتی تو اپنے حال پر حرام رکھتے اور تعداد میں نہ وقت اور ترک خصوصیت سے نہیں کرتے۔ **فَيُحِلُّوْا مَا كَحَرَمَةِ اللّٰهِ**۔ میں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسکو حلال کر لیتے تھے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر خطبہ پڑھا اور بعد حمد و ثنا کے فرمایا کہ اے لوگوں کی ذرا عقل شیطان اور کفر میں زیادت ہو گا فراس فعل سے گمراہی میں پھلکے جاتے ہیں کہ ایک سال میں ماہ حرام کو حلال اور دوسرے سال حرام کرتے ہیں محرم کو کسی سال حلال کر لیتے اور بجائے اس کے صفر کو حرام کرتے اور ایک سال حرام رکھتے تھے اور یہی نہیں ہے۔ واہ ابن ابی عامر مفسرین نے اختلاف کیا کہ پہلے کس نے نسبی کو نکالا ابن بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہجرت کے بعد بن عمرو بن ابیہ الکنانی ہوا اور بعض نے کہا کہ عمرو بن لُحی سے پہلے پہلے ساندہ پھرنے والا اور بعض نے کہا کہ نبی کنانہ میں بنو نعیم بن خلیلہ بن ابن کثیر نے کہا کہ یہاں محمد بن اسحاق کا کلام جید ہے کہ مہینوں کی بابت نسبی پہلے پہل عرب کے واسطے نکالی اور حلال کو حرام۔ اور کو حلال کیا وہ جلس ہذیفہ بن عبد نعیم بن جدی بن عامر بن ثعلبہ بن الحارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ ہو۔ اسکے بعد اسکا بیٹا عباد بجائے اسکے قائم ہوا پھر اسکا بیٹا قلع بن عباد پھر امیہ بن قلع پھر عوف بن امیہ پھر ابو ثامہ بن جنادہ بن عوف قائم ہوا پس زمانہ اسلام آیا۔ ابن عباسؓ نے مجاہد وغیرہ نے کیفیت بیان کی کہ جنادہ بن عوف جب کو ابو ثامہ کہتے تھے اپنے گھر پر سوار آکر مجمع میان میں کتا کہ لے لو گو بھے عیب نہیں لگایا جاتا اور لٹا جاو اب نہیں دیا جاتا اور جو کتا ہوں دہن کیا جاتا۔ اے لوگو تمہارے اللہ یعنی تمہارے اس سال محرم کو حلال کیا اور صفر تک نہیں کر کے صفر کو حرام کیا پھر سال آئندہ میں صفر کو حلال اور محرم کو حرام کرتا تھا اور لوگ اپنے کفر میں ان اعمال کو اچھا سمجھتے اور اسی کی پابندی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **ذُنُوبَكُمْ سُبُوْعًا كَمَا لِيَحْمُرْنَ اَنْ كَرِهْتُمْ** ان کے برے اعمال انکی نظروں میں زمین تھیں گے پس یہ اعمال قبیح ان کو اچھے نظر آتے تھے۔ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ** اور اللہ تعالیٰ قوم کافرین کو راہ نہیں دیتا ہو یعنی جو لوگ کفر پراڑے رہے وہ راہ صواب پر نہیں پہنچتے ہیں اور اس راہ کا دکھلانا و بتانا اور اس کی طرف رہنمائی تو اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے لئے رسولوں کے بھیجنے و دلائل توحید سے قائم کر دی ہے پس جو نیک ہیں وہ رہنمائی سے راہ پر آجاتے ہیں اور جو سرکش کا فر مفسد و خود رائے ہیں وہ راہ پر نہیں آتے ہیں۔ شیخ ابن کثیر نے نسبی کفار کی کئی تفسیریں روایت کیں۔ مجاہد نے مرد کنانی کا قول بیان کیا کہ لوگوں سے اگر کتا کہ ہم نے محرم کو حرام کیا اور صفر کو مؤخر کیا پھر دوسرے سال اگر کتا کہ ہم نے صفر کو حرام اور محرم کو مؤخر کیا پس ہی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا **لِيُوَلِّوْا اَعْدَاءَهُمْ حُرْمَةَ اللّٰهِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ** اور تاخیر سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے تھے اور ایسا ہی بالہدائل و سخاک قتادہ سے مروی ہے۔ **قَالَ الْمُرَجِّمُ** ہی صورت نسبی کی اوپر مذکور ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ جس سال صفر تک تاخیر کی ہو اگر بعد محرم کو حلال کرنے کے بھی ضرورت تھا باقی رہے تو صفر کو ریح الاول تک تاخیر کر دیتے حتیٰ کہ سال کے تمام مہینوں پر نسبی چھا جاتی تھی لیکن ظاہر بعض اقوال صرف محرم کی تاخیر کو مشعر ہیں اور عمل ان کا یہ ہو کہ صورت تاخیر بیان کرنے میں بطور مثال ہیں۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے کہا کہ جلسہ کو حلال پر محرم کو حلال کرتا اس شرط سے کہ سال آئندہ میں محرم و صفر دونوں حرام کریں۔ ابن کثیر نے اعتراض کیا کہ اگر تفسیر صحیح ہو تو لازم آوے گا کہ اول سال انھوں نے فقط تین ہی مہینہ حرام رکھے اور سال آئندہ میں پانچ حرام کے پس مواطاة حدیث ما حرم اللہ تعالیٰ نہیں باقی رہی۔ مجاہد سے ایک صورت نسبی کی ذکر کی کہ مہینوں کے نام میں تاخیر تبدیل کرتے پس فی الجملہ ایک سال محرم کے وقت کو لیتے اور دوسرے سال حرام کر کے ذی القعدہ کو ذی الحجہ سے تیس مہینہ دو سال بچ کرتے تھے چنانچہ نوین سال ہجرت میں ریح ابو بکر رضی اللہ عنہ ذی القعدہ میں واقع ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع دوسرے سال ذی الحجہ میں واقع ہوا اور یہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ **اِنَّ الْاَيَّامَ الْقَدِيْمَةَ لَيَوْمٌ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ اَرْبَعًا**۔ ابن کثیر نے اس تفسیر کو بھی ضعیف قرار دیا اور کہا کہ

اس صوٹ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حج کیونکر صحیح ہوتا جبکہ مہینہ درحقیقت ذوالقعدہ کا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسی حج کی نسبت فرمایا ہے
 اذ ان من اللہ ورسولہ یوم الحج الاکبر ان اللہ یزی من المشرکین ورسولہ الایۃ کیونکہ یہ نماز اسی حج ابی بکر رضی اللہ عنہ واقع ہوئی۔ پس فی الحج میں نہ ہوتا
 تو حج اکبر نہ ہوتا اور اسی اس امر پر موقوف نہیں ہوا کہ دو سال و ہر مہینہ دو سال حج کرنے کی ذکر کی ہو کیونکہ بدون اسکے حاصل ہو کہ عمر
 کو حلال کیا اور اسکی حرمت کی صفر تک تاخیر دی حالانکہ سال اپنے نظام پر موجود ہو اور سال آئندہ میں محرم اپنی حرمت پر باقی رکھا۔ لیکن
 جسے لوگ کبھی تو متوالی تینوں ماہ حرام میں سے تیسری کی تحریم کو مقدم کیے یعنی محرم کو اور کبھی تاخیر دیکر صفر پر ڈالنے تھے۔ فانہم واللہ اعلم
 فی العرائس قولہ تعالیٰ ان عدۃ المشہور عند اللہ اثنا عشر شہرا الحج۔ اللہ تعالیٰ نے ایام فراق کو معدود کر دیا اور ایام وصال کو بلا حساب
 و بلا انقطاع کر دیا کما قال تعالیٰ لا مقطوعہ ولا منقوتہ۔ اور ایام عبادت کیلئے ایک مقطع قرار دیا حالانکہ اسکی جزا و ثواب کیلئے جو مشاہدہ ہے
 کوئی مقطع نہیں رکھا۔ کما قال تعالیٰ انما یوفی الصابر ورنہ اجرہم بغیر حساب۔ اس سے اہل اشتیاق کو جوش شوق میں ڈالا کہ دوام وصال کے
 قصور سے قایل ایام فراق کو صبر کے ساتھ گزاریں گے۔ کتاب اذلی بن ایام عبودیت کی واسطے انحصار ہو چکا اور وہی زمانہ امتحان ہو اور یہ اوصاف
 ممکنات سے بچ کر جب مکان ممکنات سے باہر ہوا تو پھر بلا مکان کے سوائے انوار رحمت کے اور کچھ نہیں باقی رہتا اور وہاں ندرات ہر دن ہوتی ہیں۔ نہ
 انقباض و انبساط اور نہ حدود و مکان اور نہ زمانہ کا نام و نشان بلکہ فقط کشف جمال ازل براسے جلال ابد و بالعکس ہر دن وہاں شام غروب نما ہر اور
 نہ صبح علل بتدریس وقت عارف کشف جمال میں وقت مانی نہیں بلکہ ہر قدم میں دوام و سرمدیت بازوئے بقا سے طیران درفضا
 ابدیت ہو ایسے ہر دن ہر طوارق زمانیہ و علل حدانیہ سے کچھ جاری نہیں ہوتا۔ مبارک ایام وصال جنکو نصیب ہوں سے طوبی الاغین
 قوم است بہیم بن فن فی نغمۃ من و جمل الحسن بنہ خوشوقت اس قوم کی آنکھیں چین تو موجود ہو کیونکہ ان آنکھوں کو تیرے چہرہ پاک حسن سے نعمت
 خیر تر قبہ حاصل ہے قولہ یوم خلق السموات والارض۔ امین اشارت مرد و قضا و قدر پر غلبی اذلی کے ساتھ کشف اوقات سرمدیہ کا اشارہ
 ہے۔ یوم نوآفتاب کے طلوع سے غروب تک کے وقت کہتے ہیں اور معلوم ہو چکا کہ کشف جمال و جلال قدم میں نہ طلوع ہو نہ غروب۔ بلکہ ازل
 و ابد ہر دو اور تمام ازل و ابد و دور و دور سب اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے میں فنا ہیں۔ عدم سے ایک نیت بقدر یوم کے ایجاد کر کے اس میں مخلوق
 کو پیدا کیا۔ قال المترجم یوم بقدر ہفتہ و ہفتہ بنام یوم سب تعبیر کے لائق ہے۔ فانہم قولہ۔ ہننا اربعۃ حرم۔ کرم درحمت سے ماہنامے قرب پیدا
 کر دیے جنہیں مناسک عبادت و کشف مقامات سے مزید شرف کھا گیا پس دنیاوی تم ہمیش سے انہیں منع کر کے تنگ کا حکم دیا اور انہیں
 ہمیشہ میں ان کو سامان کر کے جاریا بہت کنا حطوفت کی طرف جانے کا حکم دیا پس بصوت عشاق ہر چیز سے منقطع ہو کر جو ارغاض مراد کو
 جھاتے ہیں اور ما سوائے ان ایام کے اہل انس کو فنا ہست اور شہم کی اجازت دی پھر اس حکم کو موکد فرمایا بقولہ ذلک اللدین الیقین۔ یعنی
 راہ راست بجا نبی حق سبحانہ تعالیٰ و مشاہدہ و ہمال و کشف جمال ہی پھر ان اوقات میں مخالفت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی۔ بقولہ فلا تظلموا
 فیفسد نفوسکم نفوس پر ظلم اس طرح مت کرو کہ عبادت سے ان کو روکو اور مشاہدات کی طلب سے باہر ہو بلکہ حطوطا شہوات ان کو دیدو۔ بعض نے
 کہا کہ اپنے نفس کا ظالم وہ ہے جو نفس کو اسکی مرادات و اتباع شہوات میں مطلق العنان چھوڑے کہ وہ بدکار پان کر تا پھرے اور حارم پر قدم
 دھرتا پھرے۔ اور ان سے تجاوز کرے۔ پھر جو لوگ اپنے نفس کی اتباع پر مستقیم اور درحقیقت ان افعال سے نفس پر ظلم کرنے والے
 ہیں انکا حال فرمایا۔ بقولہ زین لہم سودا عالم۔ یہ ان کی مذمت ہے کہ باطل طریقہ جو ان کی فاسد راہ سے نکلے اور برائے ان کے
 خیالات شیطانیہ سے پیدا ہوتے اور یہ خیالات شیطانی ان کے نفس کے مطلق العنان ہونے سے پیدا ہوتے ہیں دے اپنی جمالت

سے ان کو اپنے نزدیک یعنی نفوس کی آنکھوں سے پسندیدہ دیکھتے ہیں کیونکہ سنت الہیہ میں ہجرت اور اس سے انہی ہیں۔ واسطی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بقولہ دین ہم سوا اعمالہ۔ ان کو عذاب نہیں کیا بلکہ ایسی راہ پر چھوڑا جس میں ان کی ہلاکت ہو۔ جعفر صادق نے ریاکاری کو بھی سوراخ حال میں شمار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تکلیفات دنیا و مرادات نفس پر آمادہ اور روح اطاعت و خیر تعالیٰ پر آمادہ کیا بقولہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ الْفِرَارُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ایمان والو کیا ہوا ہے تم کو جب کہے کہ ہجرت کرو اللہ کی راہ میں

إِنَّا قَلَّمْنَا إِلَى الْأَرْضِ أَرْضِيئُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ

ڈپے بہنے ہو زمین پر کیا رہے دنیا کی زندگی پر آخرت چھوڑ کر سو کچھ نہیں

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ أَلَا تَنْفِرُوا أَلَا تَعِدُّكُمْ عَنِ الْيَمَاءِ وَيَسْتَبِدُّ

دنیا کا برتنا آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا اگر نہ نکلو گے تم کو دیکھا دکھ کی مار اور بدل لاویگا

قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ إِلَّا تَتَضَرَّعُوا

اور لوگ تمہارے سوائے اور کچھ نہ بگاڑو گے اس کا اور اللہ سب چیزیں قادر ہے اگر تم نہ درخواست کرو گے رسول کی

فَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْ هَمَّا فِي الْعَارِ

تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جو وقت اسکو نکالا تھا کافروں نے دو جان سے جب دونوں تھے غار میں

إِذ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَا

جب کہنے لگا اپنے رفیق کو تو تم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اُس پر اور مدد اسکی پونین

بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

وہ فوجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور سچے ڈال بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ بڑی برکت والا

پھر سے تھے اور ایسے ہی گران گزرنا بھی ظاہر اسب پر نہیں ہوا لیکن موافق عادت قرآنی کے خطاب عام فرمایا۔ تاکہ استفہام تو بیخ و بلامت ہے اور نذر ایک جگہ سے دوسری جگہ کو سبب کسی حادثہ کے حرکت کر جانے کو کہتے ہیں۔ واستنقر الامام۔ امام نے استفہام کیا یعنی جہاد کیلئے نقل حرکت کرنے پر آمادہ کیا وہی الحدیث اذا استنقرتم فانفروا یعنی جب تم سے نذر کو یعنی جہاد کے واسطے نکلنے کو کہا جاوے تو فوراً تعمیل کرو۔ اسم اس سے غیر آتا ہے اور آیت میں نذر یعنی لغوی ہے بسبب قولہ فی سبیل اللہ۔ اگرچہ عرف اسلام میں نذر واسطے جہاد کے نکلنے میں حقیقت ہو گیا اور شاید بروہ ہجریہ ہو۔ انا قلمتہ۔ دراصل قلمتہ تھا پھر تار قویہ کو ثابہ مثلثہ کر کے بعد ارقام کے ہزہ وصل سے انا قلمتہ کیا گیا اور معنی اسکے بوجھل ہونا اور مرا لازم ہو یعنی درنگی و توقف کیونکہ گران بار آدمی جلدی نہیں کرتا۔ اور یہ لازمی ہوتی ہے متعدی نہیں ہوتا الا بتعمین معنی فعل دیگر لہذا انا ظم الی الارض۔ میں کہا گیا کہ متعین معنی میل ہونے بتا ظم و ظم عن الجہاد الی الارض یعنی سستی و درنگی کر کے مائل ہونے جہاد سے طرف زمین کے یعنی طرف بیٹھ رہنے اپنے وطن کے۔ المعنی۔ اے ایمان والو کیا ہو تم کو کہ جب تم سے کہا گیا کہ جہاد کے واسطے نکلو تو تم بوجھل ہو کر جہاد سے بے رغبتی کر کے اپنے وطن میں بیٹھ رہے و توقف کرنے کی طرف مائل ہوئے۔ اکر ضیتکم بالخیوتہ الدنیاء من الاخرۃ ہزہ استفہام انکاری و تعجب لانے کو ہو یعنی کیا تم راضی ہو گئے زندگی دنیا و اس کی لذات کے ساتھ بدے آخرت و اسکی نعمتوں کے تم کو ایسا نہیں چاہیے۔ جو عرفان و عقون سے حیات دنیا کو فانی و آخرت کو باقی جان چکا پھر اس سے جب ہے کہ دنیا پر رہی ہو۔ چونکہ حقیقی مومنین میں یہاں باعث توقف یہ نہیں تھا بلکہ تنگی و مشقت سفر و شدت گرمی و کثرت دشمن رہے سامانی کا باعث تھا لہذا قطعاً نہیں فرمایا کہ تم ایسے ہی ہو گئے ہو لیکن امور توقف چونکہ از جانب نفس بمقابلہ حکم اللہ تعالیٰ و رسول مسلم تھے لہذا بحسب صورت و ظاہر کے ان کو تہنید کر دیا کہ حیات دنیا پر نظرت کرو اور آخرت باقی کی طالب ہو۔ فما امتنع الخیوتہ الدنیاء فی الاخرۃ الا قلیل عین نہیں متاع دنیا و زندگانی دنیا بمقابلہ آخرت مگر قلیل یعنی آخرت و اسکی نعمتوں باقیمہ کے بلکہ میں متاع حیات دنیا بہت قلیل ہے حدیث میں اسکی مثال یون آئی ہے کہ سمندر میں کوئی انگلی ڈبو دے تو بھلا اس میں کس قدر آہیں ہی مثال ہے کہ نیم آخرت بہتر نہ سمندر کے اور متاع دنیا جقدر اٹھلی میں لگا بعض نے کہا کہ قلیل سے معدوم بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ نعمت آخرت باقیمہ غیر متناہی ہیں اور متاع دنیا ہی متناہی اور دونوں میں کچھ نسبت نہیں ہے لیکن اول نظر ہے کیونکہ نسبت معدوم ہونے سے متاع دنیا کا عدم لازم نہیں ہوا ایسا ہے کہ تو با معدوم سے پس حاصل آنکہ جہاد پر کمر باندھو اور درنگ مت کرو۔ یہیں سے کہا گیا کہ آیت میں دلیل ہے کہ جہاد ہر حال و ہر وقت میں واجب ہے۔ قال بن کثیر کہ کہا گیا کہ یہ آیت اور قولہ تعالیٰ انفروا خفافاً و ثقلاً لا جاد و الا ایتہ۔ اور قولہ ما کان لاہل المدینۃ من حولم من الاعراب ان یخلفوا عن رسول اللہ الا ایتہ۔ یہ آیات منسوخ ہیں بقولہ تعالیٰ و ما کان المؤمنون لیسئلوا کافۃ للولاء لفر من کل فرقة طائفۃ منهم۔ لہذا جہاد فرض کفایہ ہے کہ سب ترک کریں تو گنہگار ہیں اور اگر بعض سپر قائم رہیں تو کافی ہے اور قول نسخ ہی ابن حسان مکرہ حسن زید بن اسلم سے مروی ہے و لیکن شیخ ابن جریر نے اسکو رد کر دیا اسطرح کہ خود جہاد کے قصد کرنے میں یہ بجا ہے کہ تمام مومنین ملک خالی کر کے چلے جاویں۔ اور یہ آیت دامت اس کے ان مومنون کے حق میں ہیں جنکو آنحضرت مسلم نے جہاد پر چلنے کا حکم دیا پس ان پر متعین ہو گیا کہ وہ مزدور چلیں گے چنانچہ اگر تعمیل نہ کریں گے تو مستوجب عذاب ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الا تنفروا یعدنا بکم عذاباً الیماً الا۔ دراصل ان لا۔ ہوں چون شرط کو لام میں ارقام کہا گیا یعنی اگر تم نذر کر گئے یعنی جہاد کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق ساتھ ہو کر نہ نکلو گے تو عذاب الیم سے تم کو اللہ تعالیٰ عذاب فرماوے گا۔ و کیست تبدل قوماً شیئاً کثیراً۔ اور سوائے تمہارے اور قوم کو تمہاری جگہ بدلے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ قوم اہل یمن ہیں اور شاید مراد انہری لوگ ہیں اور بعض نے کہا

یہ تو قرآن انصوری ہے جہاد کی ہر صورت میں شرط ہے اور اسکی مثال یون آئی ہے کہ سمندر میں کوئی انگلی ڈبو دے تو بھلا اس میں کس قدر آہیں ہی مثال ہے کہ نیم آخرت بہتر نہ سمندر کے اور متاع دنیا جقدر اٹھلی میں لگا بعض نے کہا کہ قلیل سے معدوم بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ نعمت آخرت باقیمہ غیر متناہی ہیں اور متاع دنیا ہی متناہی اور دونوں میں کچھ نسبت نہیں ہے لیکن اول نظر ہے کیونکہ نسبت معدوم ہونے سے متاع دنیا کا عدم لازم نہیں ہوا ایسا ہے کہ تو با معدوم سے پس حاصل آنکہ جہاد پر کمر باندھو اور درنگ مت کرو۔ یہیں سے کہا گیا کہ آیت میں دلیل ہے کہ جہاد ہر حال و ہر وقت میں واجب ہے۔ قال بن کثیر کہ کہا گیا کہ یہ آیت اور قولہ تعالیٰ انفروا خفافاً و ثقلاً لا جاد و الا ایتہ۔ اور قولہ ما کان لاہل المدینۃ من حولم من الاعراب ان یخلفوا عن رسول اللہ الا ایتہ۔ یہ آیات منسوخ ہیں بقولہ تعالیٰ و ما کان المؤمنون لیسئلوا کافۃ للولاء لفر من کل فرقة طائفۃ منهم۔ لہذا جہاد فرض کفایہ ہے کہ سب ترک کریں تو گنہگار ہیں اور اگر بعض سپر قائم رہیں تو کافی ہے اور قول نسخ ہی ابن حسان مکرہ حسن زید بن اسلم سے مروی ہے و لیکن شیخ ابن جریر نے اسکو رد کر دیا اسطرح کہ خود جہاد کے قصد کرنے میں یہ بجا ہے کہ تمام مومنین ملک خالی کر کے چلے جاویں۔ اور یہ آیت دامت اس کے ان مومنون کے حق میں ہیں جنکو آنحضرت مسلم نے جہاد پر چلنے کا حکم دیا پس ان پر متعین ہو گیا کہ وہ مزدور چلیں گے چنانچہ اگر تعمیل نہ کریں گے تو مستوجب عذاب ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الا تنفروا یعدنا بکم عذاباً الیماً الا۔ دراصل ان لا۔ ہوں چون شرط کو لام میں ارقام کہا گیا یعنی اگر تم نذر کر گئے یعنی جہاد کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق ساتھ ہو کر نہ نکلو گے تو عذاب الیم سے تم کو اللہ تعالیٰ عذاب فرماوے گا۔ و کیست تبدل قوماً شیئاً کثیراً۔ اور سوائے تمہارے اور قوم کو تمہاری جگہ بدلے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ قوم اہل یمن ہیں اور شاید مراد انہری لوگ ہیں اور بعض نے کہا

کہ اہل قاریں میں یعنی قوم سلمان ناری رضی اللہ عنہ۔ اور جن سے یہ کہ علماء تفسیر نے نظر قرآن و صحاح کے اقوام کو بیان کیا اور نہ آیت کریمہ کی تفسیر کسی قوم سے نہیں ہو سکتی کہ وہ مراد ہو اسکے کہ آیت جملہ شرطیہ ہو یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو ایسا ہو گا پس جملہ مصلد نہیں ہو تاکہ کسی قوم کی تعین ہو اور حال کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سنت تہدید فرمائی کہ اگر تم لوگ آنحضرت صلعم کے استغفار کو قبول نہ کرو گے تو تم پر عذاب الیم نازل کر کے بجائے تمہارے اور قوم کو لادیکا جو مطیع و متقاد ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ جیسے قوم و جیسے بندے چاہے پیدا فرمائے بلکہ جس قوم کو چاہے جیسا کر دے لہذا فرمایا **وَ لَا تَنْصُرُوا شَيْئًا وَاِنَّكُمْ لَعَلَىٰ شَيْءٍ قَدِيرٌ**۔ ضمیر نضرہ۔ راجع بجانب الی عزوجل یا بجانب رسول اللہ صلعم یعنی تم اللہ تعالیٰ کی مملکت میں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے باتم لوگ آنحضرت صلعم کی معادنت چھوڑنے سے اس کا کچھ ضرر نہیں کر سکتے کیونکہ تمہارا مددگار ہونا فتح و نصرت کیلئے ضروری نہیں اگرچہ تمہارے لئے ہی مفید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اپنے رسول و اسلام کو غالب کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ چونکہ نفس انسانی ان مقامات میں و سوا اس شیطانی کی وجہ سے تزلزل ہوتا ہے لہذا اشارہ بیان فرمایا بقولہ **اِنَّكُمْ لَتَنْصُرُوهُ وَاِنَّكُمْ لَعَلَىٰ شَيْءٍ قَدِيرٌ**۔ ان لا تنصروہ لم یصح ایکم فانہ قد نصرہ اللہ۔ اگر تم اسکی نصرت نہ کرو تو تمہاری مددگار اللہ ضروری نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو نصرت عطا فرمائی ہے جبکہ سوائے ایک آدمی کے اس کے ساتھ نونفانہ تھا۔ **اِذَا خَرَجْتُمْ مِنَ الْمَدِينِ فَقَضُوا عَلٰی الْكٰفِرِيْنَ كَقَضٰى وَاِذَا خَرَجْتُمْ مِنْهَا فَكُنْزًا**۔ جبکہ اسکو کافروں نے نکالا۔ یعنی کہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ نہ آنکہ خود باہر کر دیا کیونکہ خود تو تلاش میں تھے کہ پاوین تو سب کے سب موافق مشوہ دار اندوہ کے ایکبارگی ٹوٹ پڑیں و قتل کر ڈالیں جیسا کہ یہ قصہ گزر چکا پس مراد آنکہ کافروں کے حرکات سے اسکو نکل جانے پر مجبور کیا پس وہ نکلا۔ ثانی اثنتین در حالیکہ وہ دو میں سے ایک تھا یعنی ایک ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے۔ اگر کہا جائے کہ ثانی جب آنحضرت صلعم ہوئے تو اول ابو بکر الصدیق ہوئے حالانکہ مرتبہ صدیق خود مؤخر ہے تو جواب یہ کہ عرب کی زبان میں رسی ترکیب میں رتبہ وغیرہ کا لحاظ کچھ نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ ان اعداد میں سے ایک عدد ہی تھی یہ کہ دو میں سے ایک آنحضرت صلعم تھے اور فائدہ یہ نکلا کہ کل دو ہی تھے و قد قال تعالیٰ و ما من نبوی نزلنا الا ہور الیہم۔ اپنی ذات پاک کو چہا م فرمایا یعنی تین مشوہہ کر نیوالوں کے ساتھ جو تھا علم آئی ہوتا ہے پس رتبہ بیان مراد نہیں کیونکہ مکن ہی نہیں ہے اس لئے کہ خالق کو مخلوق سے کچھ نسبت نہیں ہے پس مقصود یہ کہ نصرت دی اپنے رسول کو کہ سے نکلنے کے وقت در حالیکہ ہمیں دو عدد ہیں ایک **عَلٰی ذٰلِكَ نُنزِّلُ الْغَارِ جِبۡلًا مِّنۡ دُورٍ**۔ اور نونفانہ میں تھے اس غار سے جبل ثور کا غار مراد ہے جس میں آنحضرت صلعم مع ابو بکر کے تین روز پوشیدہ رہے تھے تاکہ کافر لوگ راستوں سے ڈھونڈ نہ سکیں واپس آئیں اور اس وقت تک حضرت صدیق کے غلام کھانا پانی پہنچاتے اور حضرت صدیق کی چھوٹی بیٹی اسماء بنت ابی بکر بھی سہمہ ہوتی تھیں اور یہ قصہ بخاری کی حدیث کیفیت ہجرت وغیرہ میں مفصل مذکور ہے اور آیت میں ابو بکر کی بڑی فضیلت ہو اور دلیل ہے کہ معیت ابو بکر کی اور شان مستفیض اس درجہ پر تھی کہ تفسیر بلنظ ثانی اثنتین اذ ہوا فی الغار۔ کالی تھی اور امت کا بھی اجماع ہے کہ ثانی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تھے کشتاف میں کہا کہ علماء نے فرمایا کہ جس نے حضرت صدیق کے صاحب ہونے سے انکار کیا وہ کافر ہوا کیونکہ اس نے نص قرآنی کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِذْ یَقُوْلُ لِحٰبِطِہٖمَا جِبۡلِہٖمَا صَبۡرًا**۔ جبکہ رسول اللہ صلعم کتا تھا اپنے صاحب سے **لَا تَنْتَرِکُنَّ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا**۔ تو کچھ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ خفا جی ہے کہ کہا کہ ساتھ ہونے سے ایک خصوصیت کا ساتھ ہونا مراد ہے ورنہ ہوتا اللہ تعالیٰ اپنے علم وغیرہ سے ہر بندہ کے ساتھ ہے اگر کہا جائے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تو مرتبہ صدیقیت پر تھے پھر کیونکر عظیم ہوئے جیسا کہ آیت سے نکلتا ہے جواب یہ کہ آنحضرت صلعم پر نظر کر کے گھرانے تھے اور اپنی ذات کو واسطے کچھ عظیم نہ تھے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم

بند غرب کے حجرہ شریفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر باہر آئے اور جماعت کفار کو گھیر کر اڑھکھک کر سورہ یسین تا قولہ نعم لا یجوزین پر ہکا
مشت خاک ان کی آنکھوں پر جھونک کر ان کے روپوں سے نکلے ہوئے چلے گئے۔ اور کفانہ اندھوں کی طرح کھڑے رہے صبح کو کفانہ نسوس
کی کر لوگ ڈر آئے اور دیدبان بٹھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تل کر حضرت ابو بکر کے یہاں تشریف لائے اور ہجرت کے حکم سے آگاہ کیا۔ ابو بکر نے
نے ساتھ ہونے کی اجازت چاہی اپنے فرمایا کہ ہاں میں ساتھ لے ہوئے جبل ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ روایت ہے کہ ابو بکر نے کسی
آگے ہو لیتے اور کبھی پیچھے تو اپنے پوچھا۔ ابو بکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب مجھے دیدبانوں کا خیال ہوتا ہے تو آگے ہو لیتا ہوں اور
جب درپے طلب کافروں کا خیال آتا ہے تو پیچھے ہو لیتا ہوں یہاں تک کہ فار مذکور تک پہنچے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! الوقت فرما
کہ میں غار کو پاک کر دوں پھر کائنات وغیرہ سے پاک کر کے عرض کیا کہ آپ اندر آجائیے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ قصہ دایت کر کے کہتے کہ وائش یہ رات
ابو بکر کی واسطے ساتھ ہونے کے عمر اسکی اولاد سے بہتر تھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غم صرف اس امر پر تھا کہ کافروں کو درپے طلب میں ایسا ہونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت پہنچے اور اس سے یہ لازم نہیں کہ دین اسلام پھیلے اور نصرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ دیا گیا ہے اسکے خلاف کیوں غم ہوا
اسلئے کہ اذیت پہنچنا اسکے منافی نہیں جیسے جنگ حدین ہوا تھا۔ ابن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے خود یہ قصہ بیان فرمایا کہ جب
ہم غار میں تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ کافروں کو یعنی جو غار پر ادھر ادھر ڈھونڈ رہے ہیں اگر ان میں سے کوئی پہنچی
نظر کرے تو ہم کو اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لے اپنے فرمایا کہ اب ابو بکر تیرا گمان کیا ہے ایسے دو آدمیوں کے ساتھ جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔
والحدیث فی الصحیحین۔ پس اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غار سے اندھا کر دیا پس وہ لوگ اسکے گرد آئے پھرتے رہے مگر کسی نے ہم کو نہ دیکھا
زاد الطبرانی والبیہقی عنہ۔ نووی نے کہا کہ اس میں آنحضرت کے توکل عظیم کا بیان اور حضرت حدیق کی کمال فضیلت پر تنبیہ ہے۔ نبی نے
فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اس آیت میں تمام اہل زمین کو عتاب فرمایا سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابو بکر کو فرمایا کہ تو حوض کوثر پر میرا صاحب تو غار میں میرا صاحب ہے۔ رواہ الترمذی قال ابن ماجہ عن ابن عمر۔ اہل علم نے اس آیت سے بہت سے
وجوہ فضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استنباط کی ہیں۔ حاصل کلام آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس وقت مدد دی جبکہ غار میں اپنے
ساتھی سے کتا تھا کہ تو کچھ غم مت کر ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی مینی نصرت الہی ہمارے ساتھ ہے۔ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ
پس اللہ تعالیٰ نے اپنی طمانینت اسپر نازل فرمائی۔ ضمیر علیہ من علمائے کے دو قول ہیں ایک یہ کہ حضرت ابو بکر کی طرف راجح ہے کیونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو برابر سکینت و وقار پرستے پس معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر پر اپنی طمانینت نازل فرمائی جس سے ان کے
دل کو تسکین ہو گئی کہ نصرت الہی شامل حال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت نہیں پہنچ سکتی ہے۔ بعض نے لکھا کہ ابن عباسؓ و اکثر مفسرین
کا یہی قول ہے۔ قول دوم یہ کہ ضمیر مذکور راجح با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور فار قولہ فَاَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَیْہِمْ اِسْمَ اللّٰہِ
نے اپنی طمانینت نازل فرمائی بلکہ سیان کلام سے اثبات نصرت ہے جس جہاں حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی کو تسکین دی تو
اثبات ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر طمانینت نازل فرمائی اور بعض نے کہا کہ سکینت سے مراد ایسی عصمت ہے کہ اس کے ہونے
ہوئے کوئی خون کسی سہیہ نہ آئے بلکہ ہمہ تن سہب الاسباب پر نظر ہے۔ ابن کثیر نے لکھا کہ قولہ فَاَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَیْہِمْ اِسْمَ اللّٰہِ
اپنی تائید و نصرت آتاری اور ای کا مؤید ہے قولہ تَمَّامًا وَ اَقْبَلًا كَابِحْتَنُوْا كَلِمًا قَدْرًا وَّ هَا اُوْر تَا سِدُوْی اِسْكُوْنِیْ اَنْخَطِرْتُمْ عَلَیْہِمْ
سُكْرُوْنَ سے جنگ تم نے نہ دیکھا اگر پوچھا جائے کہ یہ کہاں اور کیسے کا بیان ہو تو معالم وغیر میں لکھا کہ حالت مذکورہ یعنی غار میں اور دیگر اوقات

حالت ہما دو غیرہ میں پس غار میں تائید ملا کہ باہر معنی تھی کہ کافر دن کے رخ کو غارت سے پھرتے اور انکھیں میں نظر کرے اندھی کرتے یعنی بیانیان
 غیرہ کرتے تھے اور جنگ ظہور میں تائید ملا کہ معروف ہو اور ظاہر ہو کہ بعد احوال کے موطن جنگ میں تائید کا بیان ہو اور معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے
 اپنے رسول کو ہر وقت تائید و سکینت دی جیکہ ہجرت کے وقت غار میں اپنے ساتھی سمیت تھا اور بعد اس کے موطن قتال میں ملائکہ کے گروہوں
 سے تائید کی جگہ تم نے نہ دیکھا۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ غَنِيٌّ غَنِيًّا ۗ وَتَعَالَىٰ اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۗ
 دعوت شرک کو مغلوب کر دیا جسکی گردن بڑھ چلی تھی وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ يُوْحِدُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
 غَالِبٌ ۗ ہر مان لوگ البتہ اس سے محروم تھے کیونکہ کلمہ توحید سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت کا بیان ہو اور وہ ہر حال میں ظاہر ظاہر
 ہے اور ہر چیز اسکی قدرت و حکم میں مخر ہو۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت ملک میں غالب اسکی صنع میں
 حکیم ہو جو کہ حیوت جس حال سے جاری ہو سب اسی کے قبضہ قدرت میں مخر اور اسی کی حکمت بالغہ سے جاری ہو جس کا پار کوئی نہیں پاسکتا
 اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو رضاء اسی و مشاہدہ پاک باقی مال کرنے کیلئے دنیا و اسکی لذات چھوڑنے پر آمادگی دلائی بقولہ اَضْمِمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
 مِنَ الْآخِرَةِ۔ اور اس میں اہل طریقت کو اشارت ہو کہ کلمات کو مشاہدہ پرست اختیار کرو۔ مترجم کہتا ہے کہ اکابر اولیاء اللہ صوڈر کلمات کو
 آدی کیوں اسطے نقص سمجھتے تھے کیونکہ یہ توجہ بجانب عالم ہو اور غفلت از مشاہدہ خالق عزوجل۔ اور قاضی شام اللہ رحمہ اللہ وغیرہ نے اسکو
 مصرح بیان کر دیا ہے اور اہل اشارت یہ ہو کہ کلمات اگرچہ صاحب کرامت کے بزرگ ہونے کی دلیل ہیں لیکن چونکہ امر باقی نہیں لہذا انکی
 خواہش جو موجب غفلت از مشاہدہ ہو نہیں چاہتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے جس سے صادر فرادے اُس کے حق میں چونکہ اسی راہ
 سے تجلی بھی ہوگی۔ کچھ نقصان نہیں۔ فافہم واللہ اعلم۔ یعنی بن معاذ نے فرمایا کہ دنیا میں لوگ ہا ہم نصیحت میں خوف کر کے آخرت کی نصیحت میں گرفتار
 ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو قلیل قرار اور آخرت کو شرف و بابر فرمایا بقولہ فما تمتاع الہیوۃ الدنیائی الاخرة الا قلیل۔ اور اس میں اشارت
 ہو کہ عارف صادق نے دنیا میں جو کچھ قرب معرفت و وحد و حالت و فضل و کرامت پائی ہو وہ درگاہ کبریائی میں حاضر ہو سکتی نعمتوں سے جو آخرت
 میں بلینگی بہت کم ہیں کیونکہ وصال حق و کشف جمال کے مقابلہ میں تمام نعمتیں فانی و بچ رہیں جیسے بحر زخار کے مقابلہ میں ایک قطرہ حباب
 نا پائدار ہے۔ شیخ نیر چری نے فرمایا کہ دنیا ایک سمندر ہے اور آخرت اسکا کنارہ ہے اور جس چیز پر سوار ہو کہ پار ہو وہ ایک ہی چیز ہے
 یعنی تقویٰ اور لوگ اس سمندر سے پار ہو سکتے مسافر ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ دنیا اب بلکہ سراسر ہے اگر نعمت سمندر سے دامن تر ہو اس سراسر دامن
 اٹھائے گنہا ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ الا تفر وہ فقد نصرہ اللہ اذا خرجه الذین کفروا ثانی اشین اریخ۔ جو بندہ ازلی تائید سے سرفراز ہو اسکو کسی
 نصرت و مدد کی حاجت نہیں جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے معزز کیا اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار بن گیا
 حالانکہ آنحضرت اسکی مدد و نصرت سے مستغنی ہیں بلکہ مددگار خود اس نصرت کی توفیق پانے سے شرف حاصل ہو کیونکہ نصرت حق عزوجل اس پر ہے
 سے اہر ظاہر ہوئی جو بندہ اپنے مولیٰ عزوجل کی طرف منقطع ہو جائے اللہ تعالیٰ ہر حال میں اسکی اعانت فرماتا ہے اور ہر نعمت اسکو پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کو ہر طرف بیان فرمایا کہ جب غار میں اپنے ساتھی سمیت داخل ہوا تو اسپر کشف جمال سے اور اسکی ساتھی پر
 طوفانہ جمال سے بلانیت نازل کی اور حال یہ کہ تمہاری نصرت کی کیا حاجت ہو جسکو اُس کے مولیٰ نے نصرت دی جبکہ وہ کبری کے مالے کے اندر
 مخر ہوا اور اسکی نعمتوں نے اسکی ساتھ کچھ قابو نہ پایا۔ مترجم کہتا ہے کہ جب حضرت صلح قادینہ میں داخل ہوئے تو اوپر سے طوفانی نے

جاء الامام جعفر علیہ السلام لکما لکما ان اس غار میں جلتے تو بکری کا جالا ہائی نہ ہو مگر لاکھ لاکھ بکر رضی اللہ عنہ انہ سے مشرکوں کے باطن دیکھتے تھے
یہی شیخ نے اشارہ کیا۔ اور نیز اس کلام میں بیان ہو کہ نہ ہونے کو کسی کی نصرت کی حاجت نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو نصرت اذی اور اہمیت نصرت
و نصرت سے منظور فرمایا پس وہ تمام غلامی پر غالب ہے مگر ہم کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عمر و آیات سے آنکھوں دکھلایا چنانچہ بد زمین ایک
مٹی خاک سے لشکر بھاگا اور جنین میں بھی جناب ہنارہ گئے اور ایک مٹی خاک کا فروں پر چھوٹ گئی اور فرمایا کہ خوار ہوں یہ چہرے بھاگو
میرے بد و بدو تمام لشکر کھریل گیا اور ان کے دل ان کے سینوں میں اچھلنے لگے اور آنکھیں منہ و ناک سب لنگریوں وغیرہ سے بھر گئے اور نہایت
مضطرب ہو کر بھاگنا شروع کیا اور یہ بیان بھی عوام کی تسکین کی واسطے ہر وہ نام حقیقت اس سے بھی اعلیٰ و اعلیٰ ہو پس وہ اللہ شرم اللہ کہ مرد
علیہ السلام نے جانتا ہو کہ نصرت کسی سبب پر موقوف نہیں اور نہ تھا حضرت صلعم تام عالم کے مقابلہ میں کافی تھے۔ اسے یہ نہیں جانتے کہ
اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمام کافرو تمام غلامی کو ایک دم میں ہلاک کرے ایک دم میں عاجز و مطیع کرے سب کے سب اچھے باند حکم حاضر ہوں یہ اللہ
قال تعالیٰ قل من یملک لکم من اللہ شیئاً ان ائمان ہیکل المسیح بن مریم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان القلوب میں آئین
من صانع الرحمن اللہ ہی ہے بلکہ یقین نصرت الہی کی حاجت ہو اور کسی شخص کی مدد گاری امر حقان الیہ میں بلکہ مددگار کے حق میں شرف ہے یا فاسق
شیخ نے لکھا کہ بعض نے کہا کہ قولہ فقد نصر اللہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھنا فرمایا چنانچہ بقولہ واللہ یشھد من الناس۔ سب کی نصرت ہے پروا کر دیا اور
جو بیاد کہ میدان عصمت میں مشرف ہو وہ تمام مخلوق کی نصرت سے بے پروا ہو۔ مگر ہم کہتا ہوں کہ ابتداء میں رات کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے
بعض صحابہ کی چوکیداری و حراست کیا کرتے تھے اور اوقات بھر مسلح ہو کر گرد گھومتے ہیں جب یہ آیت اتری تو اپنے چھڑکے سے سر نکال کر فرمایا
کہ اب تم ملو اللہ کو واللہ تعالیٰ نے مجھے عصمت میں کر دیا یعنی کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ شیخ نے لکھا کہ قولہ ثانی اشہد ان اللہ تعالیٰ الغار میں حبیب کی
صفت میں صدیق رضی اللہ عنہ کی خاصیت کا اشارہ ہے یعنی آنحضرت صلعم کی صحبت کی واسطے صدیق رضی اللہ عنہ کو مخصوص فرمایا تھا کیونکہ آنحضرت صلعم
کیساتھ ہونے والے صدیق میں ایک خاص خصوصیت تھی کیونکہ مقام قرب منزلت میں اتحاد مشرب سے میت ہو اور مشرب صدیق کا بھر نبوت نصرت
سے تھا اور یہ تقدیر قدیم تھی پس اگر یہ امر نہ ہوتا تو آنحضرت صلعم کی صحبت کیلئے مستوفی ہوتے اور صدیق ایسی منزل میں تھے کہ وہ ان ظہور وحدت تھا
اور وہ بیان سے صدیق دینی سب مرتفع تھے اور اعلیٰ مرتبہ اس مقام کا مقام نبوت ہو پس انتہا مرتبہ صدیق ابتداء مرتبہ نبی ہو اور وہ ایسا مقام
ہے کہ وہ ان اللہ تعالیٰ کے سوائے کچھ نہیں ہو پس اسی بزرگ سے دو ذوق نکلے اور اسی کے ساتھ فارغین داخل ہوئے حبیب علیہ السلام نے صدیق
کلیے ساتھ ہونے کے خصائص پہنچائے جبکہ صدیق پر طوارق امتحان کا ظہور ہوا کہا قال تعالیٰ اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا یعنی کسی اس
خالق سے جگہ نصرت ہو کہ اذی بگڑے گی و عصمت میں تیز آویگا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ پاک پروردگار اگرچہ فرود مدنی پاک ہے لیکن فضل سے ہم کو
سرفراز کیا پس نا ابروہ ہمارے ساتھ ہے یا یعنی کہ اسکی قدرت و عنایت اذی و امین کا علم قدیم اور اسکا ظہور مشاہدہ اندازہ کتب روح و عقل جو عصمت
قرب مناجات کیساں ہمارے ساتھ ہو۔ ابن عطاء اور نے قولہ اذ ہم فی النار میں کہا کہ محل قرب کے قابل اللہ لالی میں تھے اور کہا کہ قولہ لا تحزن ان
جو کوئی لوہا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہو اسکو گلین نہ ہونا چاہیے۔ شبلی نے قولہ ثانی اشہد ان اللہ تعالیٰ من اللہ کی راہ سے اپنے
صوبے کے ساتھ واحد تھے۔ ابن عطاء اور نے قولہ ان اللہ معنا میں کہا کہ صحبت الہی ہمارے ساتھ ازل میں ہو چکی چنانچہ ہم میں وصل یہ با اور ساتھ
کہ وہاں فصل و جوائی کا بیج بہت کہہ دے یعنی نے کہا کہ صدیق نے کو عمر صرف اس امر کا تھا کہ آنحضرت صلعم کو کچھ اذیت لاحق نہ ہو اور یعنی نے کہا کہ اس
صفت سے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا امر پیش آدے جس سے اسلام میں صفت ہو جائے مگر ہم کہتا ہوں کہ شان الہی سبحانہ اعلیٰ و اعلیٰ ہو اسکی عظمت و کبریا
کی طرف سے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا امر پیش آدے جس سے اسلام میں صفت ہو جائے مگر ہم کہتا ہوں کہ شان الہی سبحانہ اعلیٰ و اعلیٰ ہو اسکی عظمت و کبریا

جب پر تہ کمال حاصل ہو تو وہ مرتبہ نبوت ہو اور درجہ بدرجہ کی سے مرتبہ انسانی میں نقص ہوتا ہو اور اسی قدر اپنی فطرت میں قوی ہوتا ہو جس بات
بعبید نہیں کہ بندہ برگزیدہ کسی مکروہ میں گرفتار ہو چنانچہ حضرت صلعم ابتدا میں عرب قریش کے اعمون اذیت میں آئے لہذا صدیق کو ایسا خوف
و غم ہونا نظر عظمت کبریا الہی کے بجائے خود تھا تا آنکہ بوی الہی و کلام نبوت یہ امر ظاہر ہوا کہ اس واقعہ میں معیت الہی ہی ظہور تجلی انفعال
و طلوع آفتاب فی کمال ہے پس سلام روز بروز قوی ہو گا اور ایسا نہ ہو گا کہ جیسے بعض بنیادین کو اللہ تعالیٰ نے قوم کے ملعون اعمون سے
قتل کر کے اٹھالیا اور مقام قرب منزلت میں بلا لیا اور اس قوم ملعون کو طغیان مگر ابی میں چھوڑ دیا۔ فانہم قاریں نے کہا کہ حزن سے اسے منع کیا
کہ حزن ایک علت ہے پس معرفت دیدی کہ اس مقام پر حزن لائق نہیں ہے کیونکہ مقام قرب میں اس کے اعلیٰ مقام ہے بعض نے کہا کہ وزن مقام مشاہدہ
میں تھے پس غیرت حق نے انکو چشم فلائین سے غار میں پوشیدہ کیا اور یہ ایک تجلی خاص ہے تو نہیں دیکھتا کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے ابو بکر تیرا ایسے
دو آدمیوں کیساتھ کیا گمان ہے جو کجا تیسرا اللہ تعالیٰ ہی یعنی شاہدہ و نصرت اے دو سے تیسرا وہ پاک پروردگار ہی یعنی وہی اٹھانا مردوسین ہے۔ بعض نے کہا کہ تو لم
فقد نصرہ اللہ۔ یہ نصرت عیب فضل ذکر است یعنی کسی کو میسر نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان کشف مقامات سے وہ اعلیٰ مشاہدات تھے جو جس بدن سے نجات ہو
حاصل ہوتے ہیں جیسے پیرا حق سبحانہ تعالیٰ بعد نماز جسم و جسمانیات کے بعد ایجا خاص کے حاصل ہوتی ہے نہ ان آنکھوں جیسا کہ سابق میں تحقیق ہو چکا ہے
اگر اس حالت میں یہ نصرت خاصہ نہ ہوتی تو سطوات عظمت و کشف مشاہدہ خاصہ میں متلاشی ہو جاتے۔ اسرا صوفیہ میں کہا جاتا ہے کہ قطعات میں
و مقامات کیلئے جو خصوصیات بیان ہوتے ہیں صحیح ہیں اگرچہ وہ خیالات پر مبنی نہیں کیونکہ کون جانتا تھا کہ یہ غار ایسے سردار بنی آدم و اشرف عالم
کا ٹھکانا ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ نے جیسے اپنی رحمت سے جسکو چاہا مخصوص فرمایا اسی طرح جسکی قسمت میں جو فضل چاہا تقسیم کر دیا بعض کہتے ہیں کہ
بعض لوگوں کے دل عرش سے متعلق ہیں اللہ تعالیٰ کو وہ ان طلب کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا یہ تو
یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زبان و مکان سے پاک سزہ ہو لیکن اس خطاب میں اہل دل کیلئے حیات اسرار ہے۔ شیخ نے لکھا کہ مجھے بیان ایک
کتبہ عجیب کشف ہوا کہ قول ثانی اشہین اذ ہانی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ میں نفی اتحاد بود اذیت ہو جیسے عیسیٰ و اسکی ماں سے
نفی فرمائی جبکہ نصاریٰ نے یہ زعم کیا۔ کہ ان اللہ ثالث ثلثہ۔ پس رد کر دیا کہ ماں اللہ والا کہ واحد۔ پس عیسیٰ و ان کی ماں سے الوہیت کی نفی فرمائی
ایسے ہی بیان بھی سید المرسلین و سید الصلحین سے ان کی نفی فرمائی تاکہ کوئی حق یہ گمان نہ کرے کہ عرش سے تری تک ساحت کبریا و ازلیت میں
اثر نہ تھا جو اسلئے کہ الوہیت قدیمہ تو انقسام و افتراق و اجتماع و غیر سے متنوع ہے اور قول ان اللہ معنا سے اسکی تحقیق کر دی اور اس میں کوئی
ہے کہ اتحاد محال ہے اور جو اشارہ بیان ہو اس کی دلیل اس قول سے ہے کہ لا تحزن۔ اس طرح کہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے طلب میں حزن کا
اثر نہ تھا فرمایا اور یہ حزن ادراہ حال و وقت ہے کہ اس میں تغیر نہ آوے اور فوت نہ ہو جائے حالانکہ زمانہ امتحان کا ہو۔ پس آنحضرت علیہ السلام نے
آگاہ فرمایا کہ یہ وقت و حال ہم سے فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کشف وقت و حال کے فضل فرماتے ہے ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ
نے اس کشف حال میں مزید فرمایا بقولہ فانزل اللہ سکینۃ علیہ کیونکہ صدیق بنی ہاشم کو اسی سے غلبہ تھی۔ اس میں اشارت یہ ہے کہ سکینت مذکور پہلے
قلب محمد صلعم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور یہ کشف و قرب میں وضوح کے واسطے تھی اگرچہ آنحضرت صلعم ہر حال میں مستقیم
تھے اور کسی آپ کو اس حال وقت کے کم ہو جانے کا خوف نہیں ہوا لیکن ان کے قلب پر اس سکینت کا نزول بمرکز زیادتی استقامت قلب صدیق
رضی اللہ عنہ کے تھا کہ ان کے دل سے بالکل حزن امدودہ جاتا ہے تاکہ رسول اللہ صلعم کے جمال سے منور ہو جائے اور اگر بدون واسطہ آنحضرت صلعم
کے صدیق بنی ہاشم کے قلب پر اسکا نزول ہوتا تو انوار قدم کے اشراق سے وہ فانی ہو جاتے کیونکہ ایسے اوقات میں اس کے نزول کو سوائے انبیاء

ورسولین اولی العزم کے دیگر انبیاء و رسول بھی نہیں اٹھا سکتے ہیں گو یا کلام لیتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سکینت کو جو ابو بکر کے لئے رہتی محمد صلعم پر
 نازل فرمایا۔ اور یہ بھی احتمال ہو کہ بوجہ قوت معرفت حضرت صدیق کے جو ایسے رسول افضل اکرم کے صدیق تھے ابتداء یہ سکینت صدیق پر
 نازل ہوئی ہو کیونکہ آنحضرت صلعم پر یہ سکینت اول ہی سے تھی اور بعض نے کہا کہ نزول سکینت کا قلب ابو بکر رضی اللہ عنہ پر از جانب آسمانی مطرب
 ہوا کہ محمد صلعم نے صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیرا گمان ایسے دو کی طرف کیا ہے جن کا مقرر اللہ تعالیٰ ہی ہے پس سکون و طمانینت حاصل ہو گئی۔ مترجم کہتا ہے
 کہ واضح رہے کہ ہر کلام و خطاب کے ساتھ انوار توفیق و معرفت از جانب حق عزوجل ہوا کرتے ہیں اور جو شخص توفیق یافتہ ہوتا ہے اس کو حاصل ہوتے
 ہیں۔ اسی اسلئے جب کلام مجید کی تعلیم و تعلم کی تاکید فرمائی اور بعض نے عرض کیا کہ ہم آپ پر سنے اور اولاد کو پڑھانے ہیں پھر آپ کو خوف نہ فرمائیں تو
 آنحضرت صلعم نے بطریق استجاب فرمایا کہ میں تجھے فقیہ جانا تھا اسے تو نہیں دیکھا کہ آسمانی کتاب میں تورات و انجیل ان یہود و نصاریٰ کی نسل میں تھیں
 مگر ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا یعنی توفیق جاتی رہی آخر انھوں نے ان میں تخریف کر دی کہ اب اصل تورت و انجیل کا پتہ بھی نہیں ملتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا
 تو بھگو یہ اشارہ بھی مہم ہو گا کہ آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہی حضرت صدیق کیلئے حصول طمانینت میں کافی ہو گیا۔ فافہم۔ رہا کلام
 طمانینت میں تو فریضے نے ذکر کیا کہ بعض نے فرمایا کہ امور تقدیری اپنے مقدرہ طور پر جاری ہونے کی حالت میں قلب کو سکون رہنا طمانینت ہے۔
 ابن عطار نے کہا کہ یہ بھی احتمال ہو کہ ابو بکر کو عزت نہ ہو لیکن آنحضرت صلعم نے ادراہ شفقت کے متنبہ کر دیا کہ ایسے حال میں جو آدمی
 پر حزن طاری ہوتا ہے تو اس سے بچنا۔ مترجم کہتا ہے کہ اس تقدیر پر قولہ لا تحزن کے یہ معنی کہ خرد دار محزون نہ ہونا۔ اگر کہا جائے کہ یہ مجاز
 ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف مرجع نہیں ہو سکتا تو جواب یہ کہ بات یہی ہے لیکن احتمال تو باقی ہے۔ فافہم۔ ابن طاہر نے کہا کہ اس
 آیت میں آنحضرت صلعم نے ان اللہ معنا کہا یعنی ہم ذات کو لیا اور کسی اسم صفتی کو نہیں کہا اور ہم ذات کو مقدم کیا اور اپنا ذکر مؤخر کیا۔ اور
 موسیٰ علیہ السلام پر جب اسکے مانند وقت پیش آیا تو انھوں نے یوں کہا۔ ان می ربی سہدین۔ پس اپنا ذکر مقدم کیا اور ہم رب۔ یعنی اسم
 صفت سے دعا کی حالانکہ اسم ذات اسم خاص ہو اور اسم رب۔ بمعنی تربیت پرورش کرنا والا اسم عام ہو ہے آنحضرت صلعم کی دعا مرتبہ ادب میں
 اعلیٰ وارفع ہے اسی اسلئے امت محمد صلعم شرک سے غفلت رہی اور امت موسیٰ علیہ السلام کو سالہ کی عبادت میں پڑ گئی۔ نیز اس مقام پر کہا گیا کہ
 موسیٰ علیہ السلام نے مرتبہ حیرت میں کسی غیر کو درمیان میں نہ دیکھا۔ اور نبی صلعم بسبب مشاہدہ کے عجزت سے مستغنی تھے اور موسیٰ علیہ السلام
 مشاہدہ کے مفتقر تھے پس انھوں نے ان می ربی۔ کہا اور حبیب علیہ السلام نے ان اللہ معنا۔ کہا پس موسیٰ علیہ السلام رویت صفات میں پڑے
 چنانچہ انھوں نے تربیت رب سے التجا کی اور آنحضرت صلعم دیدار ذات میں تھے لہذا اسم ذات سے جو معنی الجمع ہو دعا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم
 پر عزت و شہرت کو بیان فرمایا بقولہ و آیدہ بجنود لم یروہا۔ ان جنود سے لشکر ملائکہ کی تفسیر گذر چکی اور باطنی طمانینت سے جو اشارات بیان ہوئے ہیں
 اسکے موافق بیان جمال ازل کی تجلیات ہیں جو آنحضرت صلعم کے اسرار پر خاصہ نازل ہوئے کیونکہ ان خاصہ تجلیات بلکہ انھوں نے اس کا رد داشت
 کر لیا لہذا اس لئے آنحضرت صلعم کے اسرار کے اور کوئی نہ تھا۔ جفر ہونے کا کہ اللہ تعالیٰ پر وثوق و توکل و یقین کے لشکر ہیں کہ ان امور میں بھی آنحضرت
 صلعم بدرجہ کمال تھے۔ بعض کا قول ہے کہ ظاہری صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثانی اثنین تھے لیکن باطن میں فانی الواعد تھے۔
 پھر اللہ عزوجل نے سب پر یہ احسان بیان کیا کہ اُسے طبیعتوں کی تاریکی دور فرمائی اور شرک کی روشنی پھیلائی بقولہ تعالیٰ و جعل کلۃ الذین
 کفر و اظلمی و کلۃ اللہ ہی علیہا۔ اس میں اشارت ہے کہ جتنی باطل باتیں دھوئے دھوئے ہیں سب تو حید و حقیقت کے تحت میں فانی و نابود ہیں اور باقی
 وہی کلمہ تو حید ہے۔ اور معنی کلمہ اللہ کے اسکا انفرادی فردانیت سے اور اسکی تو حید بوحولت اور اسکا تنزہ و تقدس از گمان و اوہام غلط ہے

یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ جس سے عزیز عزت کہر پائی ہو اور حکیم اپنے افعال میں ہو یہ اسکی حکمت ہے کہ اپنے اولیاء کو کشف بقا سے نقصان یا بھرا اللہ عزوجل نے سب کے اولیاء
 دلائی کہ راہی میں ارواح و اشباح قرآن کرنے میں جلدی کریں تاکہ میدانِ حدت میں ہونچو کہ کشف جمال و ادراک وصال سے سرفراز ہوں۔ بقولہ تعالیٰ
انفسهم واخفافا وثقافا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم

مکمل بلکہ اور جو عمل اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے
خیر لکم ان کنتم تعلمون لو کان عرضا قریبا وسفرا قاصدا لاتبعوک
 بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے اگر کچھ مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو تیرے ساتھ چلتے
ولکن بعدت علیہم الشقة و سیخلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا
 لیکن دور نظر آئی انکو طرف اور اب تمہیں کھا دیتے اللہ کی کہ ہم مقدور رکھتے تو نکلتے
معکم لیلکون انفسهم واللہ یعلم انہم لکن لیبون

تمہارے ساتھ وہاں میں ڈالتے ہیں اپنی جان اور اللہ جانتا ہے وہ جوئے ہیں
 سفیان الثوری نے ابو نعیم سے روایت کی کہ سوہا براۃ میں یہ آیت سب سے پہلے نازل ہوئی۔ انفسہم واخفافا وثقافا یعنی جہاد کیلئے
 نکلو اور مالیکہ خات ہوا انتقال ہو۔ ظاہر امر ابو نعیم کی یہ ہے کہ اس سورہ میں احکام جہاد سے متعلق اول آیت نازل ہوئی ہو اور معنی حالت خفا
 کے یہ ہیں کہ ایسی حالت ہو کہ اس حالت میں آدمی پر جہاد آسان و سبک ہو اور ثقال سے یہ مراد کہ اس حالت میں جہاد اسپر گران ہو اور یہ تفسیر عام
 و شمل ہو اور شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و کفر پر جہاد کیلئے بتوک کا قصد کیا تو آپ کے ساتھ ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ نے آیت میں
 نفیر عام کا حکم دیا کہ جو لوگ بلوغ و آزادی کے ساتھ مملکت جہاد میں وہ جس حال میں ہوں آپکا ساتھ دین۔ خواہ حالت نشاط ہو یا حالت اگرہ اور خواہ حالت
 تنگدستی ہو یا فراخی۔ ابن عباس مکرہ و ابو صالح و حسن بصری و ثمر بن عظیمہ و مقاتل و عیسیٰ و زید بن اسلم نے کہا کہ قولہ انفسہم واخفافا وثقافا یعنی جو ان ہوں یا
 بوڑھے۔ اور جہاد کرنے لیا کہ جو ان ہوں یا بوڑھے و توانگر ہوں یا مسکین یا سیاہی الصلح وغیرہ سے بھی مروی ہے اور حکم بن عقیبہ نے کہا کہ مشغول ہوں یا غیر مشغول
 حوفی نے ابن عباس سے روایت کی کہ نشاط ہوں یا غیر نشاط مترجم کہا ہے کہ نشاط یعنی بھگت و تشدد یعنی بھگت نشاط بکسر نون یعنی
 تشدد یعنی یہی تبادرہ کا قول ہے اور ابن ابی سنیح نے مجاہد سے روایت کی کہ لوگوں نے عرض کیا تھا کہ ہم میں ثقیل و عاجز نہ پیشہ و اور مشغول میں نہیں
 ہوتے وغیرہ لوگ بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قولہ انفسہم واخفافا وثقافا نازل فرمایا کہ کسی کا عذر نہیں قبول کیا یعنی جس حال پر ہوں جہاد کو نکلیں اور یہی
 قول شیخ ابن جریر نے اختیار کیا کہ مراد عموم حالت ہے یعنی خواہ ایسی حالت ہو کہ اسپن جہاد آسان ہو یا ایسی حالت کہ گران ہو پس دیگر
 تفسیر جو مروی ہوئی ہیں یعنی نشاط و غیر نشاط یا ثقیل و ضعیف یا جوان بوڑھے یا فقیر و توانگر وغیرہ ہر ایک اس عموم کی بعض صورتوں سے تفسیر کی
 اور سب اس عموم میں داخل ہیں پس تفسیر اللہ سلف میں کچھ اختلاف نہیں ہے اور یہ بات اصول میں قرآن پائی کہ جب تک عموم مقتضائے لفظ پر
 معمول کرنا ممکن ہو تب تک مخصوص پر اقتصار نہ کیا جائیگا اور حاصل اسکا یہ ہوا کہ جہاد کیلئے عموماً ہر شخص پر نکلنا فرض کر دیا جائے کسی حال میں ہو۔
 اگر کہا جائے کہ بچہ و غلام بھی داخل ہو جادینگے جواب یہ کہ تکلف ہونیکی اہلیت پائی جائیگے بعد تقسیم ہو یعنی مرد بالغ آزاد ہو تب اسپر جہاد
 کا حکم متوجہ ہوتا ہے۔ پھر مترجم کہا ہے کہ یہاں چند مقامات ہیں اول آنکہ تقسیم خاص غزوہ بتوک کیواسطے ہی یا عموماً حکم ہے۔ اور ظاہر آیت اسی
 امر کو مقتضی ہے کہ حکم عام ہے اگرچہ نزول اسکا استفسار غزوہ بتوک میں ہوا ابن کثیر نے لکھا کہ ابو طلحہ جب سورہ براۃ کی قراءت میں اس آیت تک
 جہاد کرتے بلا جانا

۱۲۶

ہو چکے تو کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو خواہ بڑے ہوں یا جوان ہوں جہاد کیلئے نکلنے کا حکم دیا ہے اسے میرے میوے سے لے کر سفر
 جہاد کا سامان درست کر دو۔ ان کے بیٹوں نے کہا کہ اپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر جہاد کیا پھر حضرت ابو بکر کی خلافت میں پھر حضرت عمر کیساتھ ہو کر
 جہاد کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اب ہم آپ کی طرف سے جہاد کرنے کے لئے نکلے اور انھوں نے اس سے انکار کیا پس سمندر کی آہ سے جہاد کیا اور اسی سفر میں
 انتقال کیا اور کوئی جزیرہ نہ ملا جس میں ان کو دفن کرتے یہاں تک کہ نودن کے بعد ایک جزیرہ ملا جس میں ان کو دفن کیا حالانکہ ان کی لاش میں
 کچھ تغیر نہیں ہوا تھا۔ ابن جریر نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انفراداً و ثقلاً آپس میں ضعیف
 ہو گیا یا ثقیل ہو گیا یعنی دو حال سے خالی نہیں۔ پس ہر حال مجھ پر جہاد کیلئے نکلنا لازم ہے۔ اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی
 کہ جہاد میں جانا چاہتے تھے تو بعض نے کہا کہ اب آپ کو اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا ہے۔ فرمایا کہ سورہ بقرہ میں ہے قولہ انفراداً و ثقلاً۔ کا حکم
 اترا ہے پس یہ روایات دلائل ان کے دلالت کرتی ہیں کہ حکم عام ہے اور عذرہ بتوک میں ہے۔ اور عذرہ بتوک کیساتھ یا نقطہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہیں۔
 لیکن اس صورت میں وارد ہو گا کہ بیمار و لجاج و اپاہج کوئی معذور نہ ہو تو بعض نے زعم کیا کہ آیت میں امر لفریر و جہ مذکور ہے یعنی لوگوں سے مخصوص ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیلئے نکلنے کو
 اور یہ زعم بہت ضعیف ہے اور بعض نے زعم کیا کہ آیت میں امر لفریر و جہ مذکور ہے یعنی لوگوں سے مخصوص ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیلئے نکلنے کو
 کہا تھا اور یہ بھی ضعیف ہے اور بعض نے کہا کہ اندھے و کلبے وغیرہ کو شامل نہیں جیسے جنوں و طفل کو نہیں شامل ہے۔ سدی رحمہ نے فرمایا کہ قولہ انفراداً
 و ثقلاً یعنی جہاد کیلئے نکلنا خواہ غنی ہو یا فقیر ہو۔ اور خواہ قوی ہو یا ضعیف ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آکر عرض کیا کہ میں موٹائی
 سے بہت بھاری ہوں اور شکوہ کر کے اجازت چاہی کہ ساتھ نہ جاؤں پس یہ کلام نازل ہوا۔ پس لوگوں پر بہت شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کو
 منسوخ فرمایا بقولہ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضى ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نضوا اللہ ورسولہ۔ یعنی فقہانے کہا کہ ظاہر اس
 سے مراد تخصیص ہے فافہم۔ ابن عباس محمد بن کعب عطار خراسانی وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے بقولہ فلو لا لفریر من کل فرقۃ منہم
 طائفۃ الا یہ۔ اور کلام اس میں عنقریب نشاء اللہ تعالیٰ آویگا۔ اور ظاہر یہ کہ نسخ نہیں ہے اور اندھے و ضعیف و مریض وغیرہ جن پر خطاب متوجہ
 نہیں وہ اس عموم میں داخل ہی نہیں اور یہ معلوم ہے کہ آیت کریمہ عذرہ بتوک میں نازل ہوئی حالانکہ اس جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو
 بعض مردوں کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا پس یہ دلیل ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور ہر مرد پر نہیں ہے بلکہ بعض محققین کے نزدیک امام جن
 لوگوں کو مستنفا کرے ان پر متعین ہو جاتا ہے کہ نکلیں پھر اللہ تعالیٰ نے تخصیص و تاکید فرمائی بقولہ۔ **وَجَاهِدُوا لَكُمْ**
وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور جہاد کرو اپنے مالوں و جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ کل افراد پر دونوں امر
 صحیح کرنا مقصود نہیں بلکہ محتاج لوگ اپنی جان سے جہاد کریں گے اور تو نکل لوگ جان و مال دونوں سے جہاد کریں گے۔ **ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ**
لِئَلَّا تَكُونُوا مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی جو حکم مذکور ہوا کہ خائف و ثقلاً ہر حال میں جہاد کو نکلو اور اپنے مالوں
 و جانوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے یعنی جو امر جو تم پر فرض کیا گیا تو جب تم اس میں خورد و مال سے دیکھو اور نفس کے خطرات دیکھو تو
 تمہارے لئے بہتر معلوم ہو گا اسی واسطے فرمایا۔ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ** اگر تم علم رکھتے ہو کیونکہ اسکا بہتر ہونا بعد نائل کے ظاہر ہوتا
 ہے ورنہ ابتداء میں نفس پر گران گزرتا ہے اور بعض نے کہا کہ غیر لکم مہنی خاص لکم۔ یہ یعنی یہ امر تمہارے واسطے مخصوص ہے پس یہ وہم نہیں ہوتا
 کہ اس سے اس حکم کی فرضیت نہیں نکلتی بلکہ بہتر ہونا ثابت ہوتا ہے اور جزا بشرط بقرینہ ما قبل کے معذون ہے یعنی ان کلمتوں نے انفراداً و ثقلاً
 اگر تم جانتے ہو کہ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے تو اسکو عمل میں لاؤ۔ اور ظاہر ہے کہ غیر جو عمل تفصیل ہے اپنے معنی پر ہے اور بہتر ہونا بہ نسبت نہ نکلنے کے ہے

یعنی انہ خیر لکم من العبودیہ جہاد کیوں اسلئے لکھنا تھا کہ اسلئے نہ نکلنے سے بہتر ہے اسلئے تم پر مفروض ہوا یا مانند قولہ تعالیٰ کتب علیکم القتال و ہو کر لکم
و عسی ان تکرہوا شیعیا و ہو خیر لکم الا یہ را اور ایک شخص نے کہا تھا کہ کن اعمال سے آدمی جہاد کر نیوالوں کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے تو آنحضرت صلیع
نے فرمایا کہ جہاد تجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ برابر تو بات و دن نماز میں کھڑا رہو اور کبھی بوزہ افطار نہ کیے تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ
ضعیف سے یہ نہیں ہو سکتا فرمایا کہ اگر تو اسکو داہمی کرتا تب بھی جہاد کر نیوالوں کے درجہ کو نہ پہنچتا اس حدیث سے کس قدر بہتر ہونا ظاہر ہو
شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ قولہ ذکر خیر لکم یعنی یہ امر تھا کہ اسلئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے کہ جو نہ کہ تم جہاد میں محتوڑا خرچ کر گئے اور اللہ تعالیٰ
تم کو دنیا میں کافروں کے اموال کو غنیمت دیکھا اور اسکے ساتھ آخرت میں ثواب کثیر تھا کہ اسلئے ذخیرہ ہو گا اور حدیث میں ہے کہ جہاد کر نیوالے کیلئے
اللہ تعالیٰ نے کفالت فرمائی کہ یا اسکو شہادت و وفات دیکر جنت میں داخل فرما دیکھا اور یا اسکو اسلئے ثواب آخرت ذخیرہ کر کے غنیمت کے مالوں
سے بھرا ہوا اسکے ٹھکانے واپس کر دیکھا کسی مرکی بہتری بیان کرنا اس کی فرضیت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ قولہ کتب علیکم القتال و ہو کر لکم عسی
ان تکرہوا شیعیا و ہو خیر لکم سے ظاہر ہے اور ثلاثیات امام احمد میں انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلیع نے ایک شخص کو فرمایا کہ تو اسلام لا اسلئے کہا
کہ میں مکروہ و شاق رکھتا ہوں تو فرمایا کہ اسلام میں داخل ہو اگرچہ تو کراہیت رکھتا ہو یعنی وہ فی نفسہ بہتر ہے پس تیرے نفس کی بالفعل کراہیت کا
کچھ اعتبار نہیں جب تو جان جائیگا تو تجھ پر اسکی بہتری عمل جائے گی فافہم۔ واضح ہو کہ آنحضرت صلیع اس سفر میں جماعت اسلام کیساتھ
روانہ ہوئے اور اس راہ سے گزرے جہاں قوم ثمود کی بیٹی تھی اور لوگوں کو ناقہ صالح علیہ السلام کے پانی پینے کا گھاٹ اور اسکی آمدورفت کا
پستہ دکھلایا اور جو لوگ ان کے کندھوں میں جا کر سیر کرتے تھے انکو منع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانی پر واہی تم لوگ ان مت جاؤ شاید تم پر بھی
عذاب آئے مگر انکو روئے خوفناک حالت میں ہو تو مضائقہ نہیں ہے پھر قوم ثمود کے کندھوں سے پانی لوگوں نے پانی لیا تھا وہ سب چٹکوا دیا
اور روانہ ہو کر آگے ایک کنوین پر منزل فرمائی جس سے اہل بیان قوم صالح کے پانی پیتے تھے جیسا کہ سابق میں قصہ ثمود میں بیان ہو چکا
ہو پھر مقام ہتوک میں پہنچ کر وہاں کے قیام کے بعد واپس ہوئے تو راہ میں منافقین کے عن میں آیات نازل ہوئی ہیں اور حال یہ تھا کہ بہت سے
منافقین بدرینہ میں بچھڑ رہے تھے اور انہیں اتفاق سے قرآن آدمی اہل ایمان سے بھی روکے تھے چنانچہ انکا قصہ بھی آگے آدیکھا پس منافقین
کے عن میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ انکو گان مانذ عوم علیہ۔ عسرا ضا قریباً ما عان الدنیا سئلۃ الماخذ و سفر اقا صندا
و سفر اوسطا یعنی اگر ہوتا یہ امر جس کی طرف تو نے ان کو بلایا تھا اسباب نیادی کہ قریب سہل طور پر مل سکتا اور ہوتا سفر درمیانی کے بقول
تو البتہ بے لوگ تیرے پیچھے ہو لیتے عرض بفتحتین ما یعرض اور وہ متاع دینا ہے اور کبھی سولے درم دینار کے حملہ اسباب کو عرض کرتے ہیں اور
یہاں معنی اول مراد ہیں اور بولتے ہیں کہ الدنیا کلھا عرض حاضر یا کل منہ البر الفاجر یعنی تمام دنیا ایک عرض حاضر ہے جس سے نیکو کار و بدکار
سبھی کھاتے ہیں حاصل انکہ منافقوں کا جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے بلکہ دنیا ہی کی ہوس میں پڑے ہیں انکا یہ حال ہے کہ جس بات کی طرف تو نے
انکو بلایا تھا اگر دنیا کے متاع و منافع میں سے کوئی سہل حصول بات ہوتی اور وہ درمیانی درجہ کے سفر سے بدون مشقت کے حاصل ہوتی تو البتہ
تیرے ساتھ ہو لیتے۔ وَلٰكِنْ يَفْعَلُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ یعنی ان منافقوں پر یہ سفر قریب ہونے بلکہ دور اور مشقت ہونے سے گران و شاق ہوا۔ پس
بچھڑے و سبکدوش ہونے کا وعدہ ہوا اور عذر ہتوک سے بچھڑنے والے متقرباً اللہ تعالیٰ کی قسم کھا دیں گے بطور اعتذار کے کہ لَوْ اَسْتَطَعْنَا
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ۔ اگر ہم کو ساتھ سفر کرنے کی قدرت حاصل ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ نکلنے یعنی اگر ہمارے پاس اس سفر کی ضروری چیزیں

مہیا ہو گئی ہو تین تو ساتھ ہو گئے ہوتے۔ استطاعت کسی امر کی یہ کہ جو اسباب و وسائل ظاہری اس امر کیلئے درکار ہیں وہ مہیا ہو جائیں اور بعض لوگوں نے موٹا ہونا حذر قرار دیا تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔ بالجملہ اللہ تعالیٰ نے واقع ہونے سے پہلے غیب کی خبر دی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو یہ منافقین حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا دیں گے کہ ہم کو استطاعت نہ تھی اگر ہوتی تو ہم ضرور ساتھ ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ بَعْلَهُمْ** بدل از قولہ جلفون باللہ یعنی قسم کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرینگے۔ **وَاللَّهِ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ** اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم قسم میں جھوٹے ہیں پس جو شخص جھوٹی قسم کھاے اس نے آپ کو ہلاک کیا کیونکہ سکت گناہ میں اپنے نفس کو ڈال دیا۔ حدیث میں ہے کہ جھوٹی قسمیں سبھیوں کو آہاڑ کر چھوڑتی ہیں۔ واضح ہو کہ گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹ قسم کھانا نہایت سخت ہے اور یہی عیسائوں کی عادت ہے اور اللہ کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں کیونکہ ایسا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ کفارہ سے عفو نہیں بلکہ توبہ و استغفار کرے **فِي الْعَرَائِسِ** تو اللہ تعالیٰ الفرواخنا فاولئالی یعنی ابواب دل تک خفا بقبول قدسیہ اور ثقال بقلوب ملکہ تیبہ جاؤ۔ نیز خفا یا طرح روحانیہ و ثقال بقلوب سماویہ حاضر ہو اور نیز خفا یا رادت عاقدہ و ثقال محبت مفرطہ ہو۔ نیز خفا یا بیان اور ثقال یا یقین ہو۔ نیز خفا یا نفس ثقال بقدر ہو۔ نیز خفا یا انوار مودت اور ثقال یا انست معرفت ہو۔ اور نیز خفا یا تجرید از مدوت اور ثقال یا انوار توحید ہو۔ نیز خفا یا طرح ہو کہ اپنے آپ کو محتاج و فقیر جانو اور مولیٰ عزوجل کو غنی جان کر ثقال ہو۔ اور نیز خفا یا بقاوت ہو اور ثقال بتوکل ہو اور نیز خفا یا بسط اور ثقال یا نقیاض ہو۔ ابن عطاء رحمہ اللہ نے کہا کہ خفا بقلوب اور ثقال باجسام و ابدان ہو۔ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خفا و ثقال بوقت نشاط و کبر اہیت ہے کیونکہ اس سے معیت ممکن ہے چنانچہ جریر بن عبد اللہ الجلی سے روایت ہے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی کہ ہم ہر حال میں خواہ بحال نشاط ہوں یا کبر ہوں متبع رہیں گے بعض نے کہا کہ خفا تو طاعات کی طرف یعنی طاعات ادا کرنے میں ہلکے پھلکے سبک جا دینگے اور ثقال بجانب معیت ہون گے یعنی گناہ کرنے میں سست و گران ہون گے بعض نے کہا کہ اسوال سے جہاد ہے کہ فقیروں کو دیر وادار کسی حال میں ان سے امت کو اور اپنے نفوس سے جہاد کرنا کہ تم پر شیطان غالب نہ ہو جائے فافہم۔ پھر اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا **عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَّبِعَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ تَعْلَمَ** اللہ بخشنے لگا۔ کیونکہ رخصت دی تو نے انکو جب تک معلوم ہونے سے پہلے جھونے سے بچا اور جانتا تو **لَا يَتَّبِعُونَ ۝ لَا يَتَّبِعُونَ الَّذِينَ يُولُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** جو لوگ نہیں رخصت آگئے تھے جو لوگ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر **أَنْ يَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالشَّاقِينَ** اس سے کہ لڑیں اپنے مالوں اور جانوں سے اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو

مفسر نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو یہ اجازت دیدی تھی کہ سفر جنوں میں ساتھ ہونے سے بچھڑے پس یہ کلام نازل ہوا اور ان میں عفو کو ختم کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مطمئن رہے **عَفَا اللَّهُ عَنْكَ** اللہ تعالیٰ تجھے اسے عفو فرماوے لہذا **لَمْ يَكُنْ لَهُمْ تَوْبَةٌ** ان کو توبہ کی اجازت دیدی کہ تم سے بچھڑنے میں ان کو اپنے مال پر نہ چھوڑا۔ **حَتَّى يَتَّبِعَكَ** لئلا الذين صدقوا۔ تاکہ تم سے کھل جائے ایسے لوگ جو تم سے سچ ہوئے **وَأَعْلَمُ الْكَاذِبِينَ** اور تم سے جو گے جو گے یعنی منافق لوگ معلوم ہو جاتے۔ ہتھام قولہ **لَمْ أَذِنْ لَهُمْ** انکادی ہو۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ تجھے عفو کرے یہ بات تجھے نہ چاہیے تھی کہ تو نے تکلیفیں کو

اجازت دیدی قبل اسکے کہ تم پر مومن منافق ظاہر ہوں مفسر نے ہی قول اختیار کیا کہ آیت میں آنحضرت صلعم کو عتاب ہی عون کے سے روایت ہے کہ اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ بھلا تم نے اس سے ہتر کوئی معایت دیکھی کہ حضور نے کہنے سے پہلے ہی فرمایا پھر عتاب کیا۔ ایسا ہی مورق عجلی وغیرہ سے منقول ہے۔ قنادہ رحم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو جیسے تم دیکھتے ہو عتاب فرمایا پھر سورہ نور میں اجازت و اختیار دیا کہ جسکو چاہو اجازت دیدو قول ناذا استاذنوک لبعض مشائخہم فاذن لمن شئتم۔ اور ایسا ہی عطاء خراسانی سے مروی ہے اور مجاہد رحم نے کہا کہ یہ آیت چند منافقوں کے حق میں آنحضرت صلعم نے آپس میں کہا تھا کہ جاؤ تم آنحضرت صلعم سے جھوٹ سچ طور پر اجازت لیلو پس الراجازت میں تو خیر در نہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حتیٰ تبین لک انکم کھل جانا کہ عذر لانیوالون میں سے کون بچا اور کون جھوٹا ہو بعض نے کہا کہ منافقوں کو بیٹھ رہنے کی اجازت دینے پر عتاب نہیں بلکہ ساتھ نکلنے کی اجازت پر عتاب ہی ولیکن قول اول ارجع ہو بد لالت کلام بالبعد۔ اور خطیب نے ذکر کیا کہ مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ سین آنحضرت صلعم کو عتاب یا نہیں ہے عمر بن مہمون نے کہا کہ دو باتیں آنحضرت صلعم نے بلا اجازت کیں ایک تو اہل بکاء فدیر لینا اور دوم منافقوں کو تخلف کر نیکی اجازت دینا پس اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا سفیان بن عیینہ نے کہا کہ اس لطف کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے عفو کو بیان فرمایا پس عتاب مول لطف ہے۔ قاضی عیاض نے سفار میں کہا کہ منافقوں کو تخلف کی اجازت دینے یا نہ دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر مقدم نہیں ہوا تھا اور اس امر سے کوئی نہی نہیں آئی تھی تاکہ یہ معصیت شمار ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسکو معصیت نہیں شمار کیا بلکہ اہل علم نے اس خطاب کو بھی عتاب نہیں شمار کیا ہے اور بعض لوگ جو اس طرف گئے ہیں کہ یہ عتاب ہی تو اہل علم نے ان کی غلطی بیان کی ہے اور بات یہ ہے کہ آیت میں عتاب بمعنی غفر نہیں ہے بلکہ ایسا ہی جیسے آنحضرت صلعم نے کہا کہ عفا اللہ عنک عن صدقة الخیل الرقیق یعنی خیل رقیق کی زکوٰۃ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو عفو کیا۔ حالانکہ گھوڑوں و مملوکوں پر زکوٰۃ واجب ہے نہیں ہوتی ہو اور معنی یہ کہ تم پر یہ لازم نہیں ہے اور شیری نے اسی ہی کلام کے بعد کہا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ عفو کا لفظ عرب میں سوائے گناہ کے نہیں سہل ہوتا تو یہ شخص زبان عرب سے واقف نہیں اور کی ہے کہ یہ استغاثہ کلام ہے جیسے بولتے ہیں اهلک اللہ۔ اعزک اللہ سمرقندی نے کہا کہ عفا اللہ یعنی عافاک اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم سے عافیت دے۔ مگر ہم کہتا ہے کہ قاضی عیاض نے جو کچھ بیان کیا زبان عرب کے عرف و بلاغت سے اسی بات کو مفید ہے جو شیری نے ذکر کی اور کوئی شک نہیں کہ یہی ابلغ و ارجح و اصوب کلام ساری ہے کہ اس کلام میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکرم و توقیر و خیر و مہمانگاہی کے لیے باو شاہ سے آدمی کہتا ہے کہ صلح اللہ الامیرانہ قد کان کذا یعنی ہمارا بادشاہ تم کو اچھا رکھے کہ بات یہ ہوئی۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عفا اللہ عنک لم اذنت لهم الا یہ ابن عباس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت میں منافقوں کو نہیں بھولتے تھے ہاں تک کہ سورہ ہر اة نازل ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل صدق کے حال کو بیان فرمایا یقیناً لا یستأذینک الذین یؤمنون باللہ والیوم الآخر یعنی نہیں اجازت مانگتے تھے سے قعود کی اور جہاد سے بچنے کی وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ در روز آخرت پر۔ ان یجاہدوا فی ان یجاہدوا یا مؤاہدوا انفسہم۔ اس بات میں کہ جہاد کریں اپنے مالوں و جانوں کے ساتھ خطیب نے لکھا کہ ان بجاہدوا پر سے فی کا حذف سبب ظہور کے مستحسن ہے اور حامل آنکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور روز آخرت کا یقین کیا کہ وہ جزا و ثواب کا دن ہو وہ تجھ سے بچھڑنے کی اجازت جھوٹے طور پر غیبی جہاد کی وجہ سے نہیں مانگتے بلکہ تیرے اشارہ پر جہاد کی طرف مبادرت کرنے میں چاہتے ہمارے میں و انصاف اللہ عنہم کا یہ قول تھا کہ ہم اجازت نہیں لیتے کیونکہ بار بار اللہ تعالیٰ نے جہاد کی طرف ندب فرمایا ہے بلکہ یہ حال تھا کہ جس کو بصلحت و ضرورت مدینہ میں چھوڑتے اس پر بہت گراں گزرتا تھا چنانچہ حضرت علیؑ سے یہ عذر وہ بتوک میں جب مدینہ میں رہنے کو کہا تو ان پر بہت شاق ہوا اور رضی

نہ ہوئے ہر شاک کہ یوں فرمایا کہ کیا تو راہی نہیں کہ میری نسبت ایسا ہو جیسے ہارون علیہ السلام بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے تھے۔ بعض نے لکھا کہ تو کہ
 ان بجا ہوا عمل نصب میں مضمون کہ ہوا ہے کہ اہتران بجا ہوا۔ یعنی جان و مال سے جہاد کرنے کو کہ وہ رکھنے کی وجہ سے تعلق کی اجازت نہیں
 چاہتے۔ بالجملہ سورہ نور میں جو اجازت مذکور ہے کہ فاذا استاذنوک بعض شائخ فاذن لمن شئت منهم۔ یہ امتیذان اگر عموماً ہوتی کہ اہل ایمان کو شاک
 ہے تو دونوں آیتوں میں کچھ مناسبات نہیں اسلئے کہ اجازت ہر وہ کہ اہریت جہاد نہیں مانگتے اور سورہ نور کی آیت میں بعض دیگر ضرورتوں آتی
 سے اجازت مانگنے کا حکم مذکور ہے علاوہ برین وہ جملہ شرطیں ہر وقوع لازمی نہیں فاقم۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا
 ہے ان لوگوں کو جو مخالفت و معصیت سے تقویٰ رکھتے اور طاعت کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ یہ پہچان تو اہل صدق و ایقان کی تھی۔
 پھر منافقوں کی شناخت فرمائی بقولہ تعالیٰ۔

لَمَّا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ

فِي رَيْبِهِمْ يَتَذَدُّونَ ۚ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً ۚ وَلَكِنْ

اپنے شک ہی میں بیٹکتے ہیں اور اگر چاہتے نکلتا تو تیار کرتے کہ اسباب اسکا د لیکن

كِرَآءِ اللّٰهِ اَنْبَعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝

خوش نہ لگا اللہ انکا اٹھنا سولہ جمل کر دیا انکو اور حکم ہوا کہ بیٹھو ساتھ بیٹھے والوں کے

لَمَّا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یعنی جہاد سے بچھڑنے میں وہی لوگ تھے جسے بلا غلظت

اجازت مانگتے ہیں جو نہیں ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور ذقیامت پر۔ یہی منافقین اُنٹا لیس آدمی تھے۔ بیضاوی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ

اور ذقیامت دونوں کی تخصیص ایمان میں و عدم ایمان میں یعنی دونوں فرق کی پہچان میں اسلئے شمار کیلئے کہ جہاد پر باعث انہیں دونوں پر ایمان

ہے اور جہاد سے تعلق انہیں دونوں پر عدم ایمان ہے پس منافقین چونکہ روز آخرت کی جزا و ثواب پر یقین نہ رکھتے تھے اور عذاب سے خوف نہ کرتے اسلئے

نفاق میں پڑے۔ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ اور شک قبول کیا ان کے دلوں نے۔ شک کی اضافت دلوں کی طرف اسلئے کہ وہی ہفت

و ایمان کا مقام ہے پس جب ایقان نہ تھا بلکہ اس میں شک اخل ہوا۔ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَذَدُّونَ۔ پس وہ اپنے شک میں متحیر ہیں یعنی

ان کے دلوں کے قبول نے یہ نتیجہ دیا کہ وہ شک میں متحیر ہیں نہ مؤمنوں کے ساتھ اور نہ کافروں کے ساتھ پھر ان کی تقدیری خواری کا بیان

فرمایا بقولہ۔ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً ۚ اور اگر وہ لوگ جہاد میں نکلتا چاہتے تو البتہ اس کے لئے سامان بھی

کرتے یعنی پہلے سے اطلاع دیگئی تھی تو چلنے کے وقت تک اگر چاہتے تو بہت سامان جمع ہو سکتا تھا۔ وَلَكِنْ كِرَآءِ اللّٰهِ اَنْبَعَاثَهُمْ

یہ استدراک از مفہوم سابق ہے کیونکہ لو ارادوا الخروج سے نکلا کہ وہ لوگ نکلے نہیں اور نہ سامان کیا پس اس سے استدراک کیا۔ گویا یوں کہا گیا کہ نکلے

تہیں بلکہ توقف میں رہے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اتباع کر دیا۔ كَمَا فَتَبَّطَهُمْ بِسِ نَامِرٍ اور کسل کی وجہ سے ان کو توقف ڈال دیا

ماصل انکہ ضاعے آئی نہ تھی کہ منافق لوگ جہاد میں نکلیں پس انکو ممنوع کر دیا۔ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ۔ اور ان سے کہا گیا

کہ بیٹھے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ بعض نے کہا کہ کہنے والا شیطان تھا اسنے بطور مسوسہ ان کے دل میں ڈالا اور بعض نے کہا کہ آپس میں انہوں

نے یہ باتیں کہی تھیں بعض نے کہا کہ حضرت مسلم نے انکی اجازت مانگنے کے وقت ایسا کہا تھا۔ اور شیخ مفسر وغیرہ نے کہا کہ یہ قول تقدیری ہے یعنی

اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ایسا مقدر کیا ہے۔ وہ بیضادی امین ہے کہ قبل سے فی الحقیقتہ صیغہ امر کا وقوع مراد نہیں ہے بلکہ ان کے دلوں میں جہاد کی گرفت
 ڈالنے جلنے کی مثال ہے۔ اور قاعدین میں اہمال ہے کہ معذور لوگ ہوں یا غیر معذور ہوں اور ہر حال ان لوگوں کے حق میں مذمت سے خالی نہیں ہے
 کیونکہ عورتیں ایسے اور بچے اپنا بیچ مراد ہیں تو ان تندرست لوگوں سے معذوروں کا ساتھ دینا ان کے حق میں عیب ہے اور اگر ایسے لوگ مراد ہوں
 جو بلا عذر بیٹھے تو جو ان کے ساتھ بیٹھے رہے وہ انہیں کا مقتدی ہے اگر کہا جائے کہ منافقوں کا آنحضرت صلعم کے ساتھ نکلنا دو حال سے خالی
 نہیں یا تو اس میں مصلحت ہوگی یا مفسدہ ہوگا پس اگر مصلحت ہو تو اللہ تعالیٰ نے قوالہ لکن کہہ اللہ انہما فرم الخ کیوں فرمایا اور اگر مفسدہ تھا تو آنحضرت صلعم کو
 کیوں فرمایا کہ لم اذنت لم لایہ جواب دیا گیا کہ قولہ عفا اللہ عنکم لم اذنت لم۔ میں آنحضرت صلعم کو عتاب نہیں بلکہ تعلق تھا جیسا کہ مذکور ہو چکا
 اور منافقوں کے وہاں نکلنے میں بڑا سخت فساد تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعَفُوا لَكُمْ بَغْيُونَ كَمَا الْفِتْنَةُ

اگر نکلنے تم میں کہ نہ بڑھانے تمہارا مگر خرابی اور گھوڑے دوڑا سے تمہارے اندر بگاڑ دینے کی تلاش
 وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ
 اور تم میں بے حساس ہیں انکے اور اللہ خوب جانتا ہے بے انصافوں کو کرتے ہیں تلاش بگاڑ کی آگے سے
 وَقَلْبُكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ۝

اور اگلے رہے ہیں تیرے کام جینک آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا اور وہ تاخوش ہی رہے
 لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ اور اگر یہ منافق نکلے تو تم میں بیسی تمہاری جماعت میں یا نیک نہیں حکم ہے یعنی تمہارے ساتھ میں۔ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا
 تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لئے مگر خیال یعنی شر و فساد بڑھاتے۔ اس استثناء میں دو قول ہیں اول آنکہ استثناء منقطع ہے یعنی الا یعنی لکن یہ تقدیر یہ کہ
 ما زادوكم قوة ولكن طلبوا لكم الخبال یعنی ان سے تم کو کوئی قوت نہ بڑھتی لیکن تمہارے پنج میں دسے فساد پھیلا نا چاہتے۔ اعتراض کیا گیا کہ استثناء
 منقطع تو مفرغ نہیں ہوتا حالانکہ یہاں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں پس استثناء منقطع نہیں۔ کذا قال الکشاف والبیضاوی والابو السعد وغیرہم اور خرابی
 نے کہا کہ اس میں بحث ہوا اس لئے کہ جب قرینہ دلالت کرتا ہو تو منقطع کے مفرغ ہونے میں مضائقہ نہیں ہے جیسے کسی سے کہا جائے کہ ما انیسک
 فی البادية۔ جنگل میں تمہارا کون نہیں ہو اور وہ جواب یوں ہے کہ ما لی ہا الا البعیر والاشیاء وغیرہ اسے یعنی میرا کوئی نہیں ہے تو یہ روا ہے حالانکہ مستثنیٰ منہ
 مذکور نہیں ہے اور مترجم کہتا ہے کہ مثال مذکور کا استثناء منقطع ہونا غیر مسلم ہے پس بدون شاہد کے محض منع و اعتراض متوجہ نہیں قائم۔ واضح ہو کہ بحث
 اس تکلف کا یہ درہم رافع ہوا کہ ما زادوكم الخبال۔ میں اگر ان لوگوں نے فساد کو صرف زیادہ کیا تو کیا اہل فساد انہیں پہلے سے موجود تھا حالانکہ بیحد
 نہیں ہے اور بیضادی وغیرہ نے قول دوم اختیار کیا کہ استثناء مذکور متصل ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خیال ان میں موجود ہو حتیٰ کہ اگر منافق
 ساتھ نکلے تو اسکو بڑھانے کیونکہ زیادتی تو باعتبار اعم العام کے ہے اور وہ لفظ ہے ہرے ما زادوكم مخروم شیباً الا خبالاً یعنی نہ زیادہ کرتے
 تمہارے لئے پس نکلنے میں کہہ ہی مگر خیال۔ وَلَا أُضْعَفُوا لَكُمْ اسے ولا اسرعوایہ شون منکم بالنیہتمہ۔ یعنی چلی و لگائی بھائی کے گھوڑے
 تمہارے درمیان تیز دوڑاتے۔ الفتلع تیز رفتاری۔ وضع البعیر وضعاً۔ اونٹ تیز چلا یا اور بیان مومنوں کے درمیان فساد کی باتیں پھیلا تا مراد
 ہے یا اس طرح کہ شکست کھا کر بھاگتے تو تم میں رعب فساد ڈالتے۔ یَبْغُونَكُمْ الْفِتْنَةَ جملہ حال از ضمیر او صنعوا۔ ہے یعنی تمہارے لئے
 فتنہ چاہتے ہیں یا ان طور کہ تم میں پھوٹ ڈالیں یا تمہارے دلوں میں رعب ڈالیں۔ وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ اور تم میں بے ان کی

بائین سننے والے بن یعنی بعضے ان کی بات ماننے والے بن یعنی ضعیف مسلمان جو ان کی باتیں سنکر انکی اطاعت کرتے تھے یا چلنے پر چلتے تھے یا تین
 سنکر ان سے نقل کرتے تھے۔ ابن کثیر نے لکھا کہ قولہ فیکم سماعون ہم یعنی ان کے مطیع اور ان کی باتوں کی تمسین کرنے اور کلام کی تعریف
 کر نیوالے ہیں پس یہ لوگ مسلمانوں و کافروں سے بالفعل عداوت ڈالنا چاہتے ہیں۔ مجاہد و زید بن اسلم نے کہا کہ تم میں جاسوس ہیں کہ تمہارے
 اخبار نقل کر دیتے لیکن اس تقدیر پر منافقوں کیساتھ نکلنے کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور بنی اول انہر اور قنادہ و ایک جماعت کثیر سے مروی ہے
 اور محمد بن اسحاق نے ذکر کیا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول۔ وغیرہ اپنی قوم میں اشرف تھے اور اسکی دوستی میں شک جاتا تھا اور اس قوم میں کچھ لوگ
 انکی محبت و طاعت لیلے تھے جو ان کے اقوال میں ان کی پیروی کرتے تھے۔ وَاللّٰهُ عَلَیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے
 خوب آگاہ ہے۔ پس جو لوگ مخالفت احکام الہی و معصیت سے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے۔ لَقَدْ اَبْتَعُوا النَّيْتَةَ
 مِنْ قَبْلِ۔ البتہ انہوں نے اس سے پہلے فتنہ چاہا یعنی احد کے روز بھی منافقوں کی جماعت لے لے پھر گئے۔ اور ابن جریر سے روایت ہے کہ بارہ
 منافق بنوک سے واپس ہوتے وقت رات تاریک میں عقبہ پر جمع ہوئے تاکہ انحضرت صلم سے فریب کریں پس جب ریل علیہ السلام نے آگاہ فرمایا۔
 اور اول ادنیٰ ہے۔ وَقَلْبُوا لَکَ الْاَمُوْسُ۔ اور قلب کیا تیرے لئے امور کو۔ ایسی تدبیریں نکالیں اور دیکھیں دوڑائیں و چیلے نکالے کہ
 تیرے امر کو اور تیرے ساتھیوں کو متفرق کریں۔ اول جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہود و منافق سب دشمن تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے
 روز ایسی کھلی فتح دی تو عبداللہ بن ابی منافق نے لوگوں سے کہا کہ یہ کام تو چلا پس مصلحت یہ ہے کہ ان میں شریک ہو جاؤ پس ظاہر میں دخل
 اسلام ہو گئے لیکن جب کوئی امر ایسا ہو جو شریک اسلام کا باعث ہو تو ان کو غیر مدلال ہوا یعنی بجاء الحق۔ یہاں تک کہ انکی امید و
 نصرت الہی۔ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اور ظاہر ہوا امر اللہ کا یعنی دین اللہ تعالیٰ کا۔ وَهَهُمْ كَرِهُوْنَ حالانکہ یہ منافق لوگ کراہت کر رہے
 رہے۔ قَالَ الْبَيْضَاوِيُّ اَوْ غَيْرُهُ دُونَ اٰمِنِیْنَ انحضرت صلم و مومنوں کی تسلی کے لئے ہیں کہ ان کے پھرنے سے تمہارا کچھ نقصان نہیں
 ہے اور بیان ان کے توقع و وجہ کراہت خرئج کا اور ان کی پردہ دری ہے۔ فی العرائس و لہ تعالیٰ عفا اللہ عنک لم اذنت لہم اللہ تعالیٰ
 کی سنت میں سے ہے کہ جب غائب علم اور نوال قرب و لطائف وصل سے کوئی خزانہ اپنے کسی حبیب و صنی دینی پر کھولنا چاہتا ہے تو ایک بندہ ہو یا
 کئی ہوں ان کو محل امتحان میں ڈال کر اس کچھنی ایسی لغزش جو شان ممکنات سے ہو جاری کر دیتا ہے تاکہ غیبت کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ ہو اور
 اس کے قلب کو فراق کی ظنی ہو پنے اور عداوت سے اس کی روح گھل جائے اور خوف عتاب اسکی عقل کو حیرانی ہو اور پردہ حجاب سے
 بدن سوختہ ہو پس اسکے بعد اسکے مطلع قلب آفتاب عزت و جلال کا طلوع ہوتا ہے اور اس کے مشرقستان روح سے صبح وصال چمکنا شروع
 ہوتی ہے اور انوار صفات ذن اسرار سے ظاہر ہوتے ہیں اور ارض فواد میں سجات ذات کی روشنی ملتی ہے اور انوار افعال سے مجمع عقل منور
 ہوتا ہے پس بعد قبض سابق کے بندہ حالت بسط میں مشاہدہ بدیہ و وصلت اہدیہ و خطاب سریدہ دیکھتا سنتا ہے پس اسکے انوار کیسا
 ازل وابد کے میدان میں بازوئے نور سے اڑتا ہے اور جو ذلت اسکو حاصل ہوئی تھی وہ اب عروت ہو گئی اور جو گناہ تصور کیا گیا تھا وہ اب کشف
 وصال ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سبحانہ اسکے گناہ کو تمام جہان کی نیکیوں سے مقابلہ فرماتا ہے کیونکہ یہ بندہ تو ازل میں اسکی محبت کے ساتھ سرفراز تھا اور قدیم میں
 اس کے قرب سے ممتاز تھا اسکے سنیات بھی حسنت ہیں اور ان کو سینہ تو باعتبار اسکے مرتبہ کے کہتے ہیں پس اسکی لغزشیں سب قربات ہیں کیونکہ زمین میں
 وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے مگر ہم کہتا ہے ہر عارف اپنے عرفان کے لائق آداب میں ماخوذ ہے پس اگر بندہ عام ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان و صفات
 معلوم کر کے یقین کر کے اسی پاک جہود کی عبادت کرے اور یقین کامل رکھے پھر اس سے اللہ تعالیٰ کسی وقت اونپنے درجہ پر پہنچائے تب یہ شخص

زیادہ ادب کے مقام میں ہر پس اگر وہ ان بھی زبانی ذکر کرے یا نماز میں باکل دل سے حاضر ہو تو بہت بعید ہوگا اگرچہ ہر وقت میں اس کا زبانی ذکر کرنا درحقیقت گناہ نہیں ہے لیکن اس کے مرتبہ کے موافق گناہ ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے پس یہی شیخ نے لکھا کہ اس کے سنایات نیکیاں ہوتی ہیں وہ تمام بندوں میں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اسکی سب حرکتیں پسندیدہ واقع ہوتی ہیں اور اس کے سب افعال اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحسن ہوتے ہیں اور یہی شان و جہاں حب میں جاری ہے کیونکہ جو خود محبوب و معشوق ہے جو کوئی امر اسکی طرف سے ظاہر ہو وہ بھی اچھا ہوگا۔ فان لطف جارت بکل ملاحتہ وان سکت جارت بکل جمیلہ اسکی ملاحت و حسن صورت ہر گناہ کے واسطے شائع ہے جو کچھ کرے سب دل سے ہوے اور جو خوبی ہے سب اسکی طرف سے دل میں ثابت ہے کسی ملامت کو نیوے کا کلام نہیں اور کسی عتاب کو نیوے کا حکم نہیں بلکہ اس سے اور بھی آتش عشق دہنی ہوجاتی ہے اسواسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور حکمت ہے کہ خطاب عتاب کے جلال میں بسبب ہیبت و عظمت کے فائدہ ہوجاتا ہے پہلے عفو سے لطف فرمایا اور یہ اسی کے واسطے ہے جسکی معرفت کامل ہو گیا نہیں دیکھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا عرفکم بالشد و اخو فکم منہ۔ یعنی تم میں سے میں سب سے زیادہ عارف بحق تعالیٰ اور سب سے زیادہ اس سے خوف کرنے والا ہوں۔ بعض مشائخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جب بنیاد و اولیاء میں سے کسی کو معسوب فرماتا ہے تو کلام عتاب سے پہلے یا اس کے پیچھے ایک نیک فعل کا ذکر فرماتا ہے جیسے یہاں فرمایا عفا اللہ عنک شیخ حسین بن منصور دم نے کہا کہ ہر عمل بسط اپنی اپنی مقدار و اختلاص مقامات میں ہے اور ہر ایک اپنے خط کو بطاعت الہی حاصل کرتا ہے اور ادب کو حضور میں بجالاتا ہے اور جو نہیں استعمال میں لاتا وہ ادب سے بچتا ہے اور بعض کو ادب دینے کے بعد اس کو یاد دیا اور یہ امر ہر ایک کے مختلف مقامات کے لحاظ سے ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل تادیب کے اس عطا ہوا کیونکہ اگر بعد تادیب کے اس عطا ہوتا تو قرب حق کے سبب سے خطور میں ہوتا اور یہ بات یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جسکو چاہو اجازت دیدو۔ کمانی سورہ نور۔ فاذن لمن شئت منہم۔ پھر اسی پر ادب دینے کے طور پر فرمایا عفا اللہ عنک پس اگر مرد گور نہ ہوتا تو البتہ از خود فانی ہوجاتے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے حکایت فرمائی کہ اپنے بیٹے کی نسبت دعائیں کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے یعنی جبکہ وہ طرفان میں عرق ہونے لگا۔ پھر نوح علیہ السلام کو بہت ادب دینے کے طور پر فرمایا کہ انہ لیس من الہک۔ وہ ترے اہل میں سے نہیں ہے الی قولہ انی اعطاک ان تکون من البجا میں پس اگر بعد تادیب کے اس کو دیا جاتا تو خطور میں پڑ جاتے اور یہ نوح علیہ السلام کا مقام ہے اور جس کسی کو فضیلت نظر آتی ہے درحقیقت اس میں قصور نہیں بلکہ ہر ایک کیلئے ایک مرتبہ خاص ہے۔ شیخ نے لکھا کہ یہاں عتاب خطاب میں سے ہے ایک نکتہ لطیف ظاہر ہوا کہ مسامحہ و انس کا لفظ جو جاری ہوا ہے وہ فعل ماضی پر ہے اور فعل مستقبل پر نہیں ہے اور کلام الہی ازلی ہے پس ثابت ہوا کہ عفا اللہ عنک فی الاذن قبل وجود الہی یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں قبل وجود عمل کے عفو فرمایا۔ پس آپ کے فواد کو اس سے کس قدر فرحت ہوئی ہوگی اور تعالیٰ نے اپنے فضل سے سابق سے عفو فرمایا ہے پھر اس کے ساتھ انبساط کا استعمال فرمایا ہو مگر ہتھیار ازاہر طریق بسط و ہتھیاس کے پس فرمایا عفا اللہ عنک لم اذنت لہم۔ اور اگر بجائے اسکے یوں ہوتا کہ ان اللہ عفو عنک۔ تو موقع خطاب میں بہت متوحش ہوتے کیونکہ جسکی امید ہو وہ ایسا نہیں ہوتا جیسے پایا ہوا مشرک کہتا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ عینہ مستقبل میں امید ہے اور اس میں فی الحال نفس کو سقد و ذوق نہیں ہے جسقدر زمانہ ماضی پر ہے لہذا عفا اللہ عنک۔ میں زیادہ ہتھیاس ہو بہ نسبت ان اللہ عفو عنک کے۔ کیونکہ پھر اس میں نفس کو کسی قدر اضطراب ہے اور قولہ تعالیٰ لا یستأذنک للذین یؤمنون اللہ تعالیٰ نے صاف بیان فرمادیا کہ ولایت نبوت کو یا ایک چیز کے شکاف دینے ہوے دو ٹوک سے کئے ہوئے ہیں پس عیب جو واقع ہوتا ہے اسکو ولی دینی تو اپنے یقین و عرفان سے قبول کر لیتے ہیں اور کوئی ولی کسی حال میں نبی سے مخالفت نہیں ہوسکتا اور کیونکہ مخالفت ہوسکتا ہے کیونکہ سرانہا میں ولی کو نبی کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے پس وہ کسی حال میں اسکے مخالفت نہیں ہوسکتا

بعض امور ایسے ہیں کہ اُنکے کلمہ تک عوام کی رسائی نہ ہو سکے و لیکن کوئی ولی ہوا ہے نبی سے مخالف ہو تو بھڑکا ہوا یعنی کوئی ولی اس سے مخالف نہیں
سکتا ہے۔ واسطی نے فرمایا کہ قولہ لا یستأذنک الذین یؤمنون بالحد۔ جو بندہ کہ اجازت دادہ شدہ اجازت تام ہائے ہوئے ہو پس وہ کیونکر
اجازت مانگے گا۔ اگر کھڑا ہوا تو اجازت سے کھڑا ہوا اور اگر بیٹھا تو اجازت سے بیٹھا پس جو حرکات اسپر جاری ہوتے ہیں یہ وہی ہیں جن کے
حق میں اسکو سابق اجازت ہو چکی ہو۔ مترجم کہتا ہے کہ حامل اس کلام کا یہ ہے کہ ازل کے علم محیط و علم تقدیر میں ہر ایک بندہ جن اعمال و حرکات کو
ہمان بجالاتا ہو۔ انہیں سے ماور ہو گیا ہو یعنی اس کے حق میں معتد ہو چکے ہیں اور وہ قبضہ تقضار و قدر میں مستخر ہو چکا ہو پس اہل ایمان
جن اعمال کے پابند تھے ان کے حملہ حرکات آمد و رفت و اٹھنا بیٹھنا وغیرہ سب حکم تقدیر ازل اور وہیں کی اجازت سے تھے پس اہل سے کیا
اجازت چاہیں گے کیونکہ سابقہ ازل میں تمام فضل و کرم سے قبل ان کے وجود کے اُن کو اجازت ان افعال کی حاصل ہو گئی جو کرنے ہیں
اور جو نہیں کرتے اُن کی اجازت نہیں ہے۔ قافم قولہ تعالیٰ ولوارادوا الخروج لاعداءہم لعدۃ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بندوں
کا ارادہ واقع نہیں ہوتا جب تک ارادہ انکی متعلق نہ ہو کیونکہ فرمایا و لیکن کہ اللہ انہما ان منافقون سے صدق ارادت کی نفی فرمائی
اور اگر ارادت میں صادق ہوتے تو جہان تک ممکن تھا اپنے آپ کو فرمان کرنے سے قبول کر لیتے اور جب قبول نہ کیا اور سب طاقوت ہمانہ جوئی
کی تو معلوم ہوا کہ ارادے صحیح نہ ہوئے تھے بلکہ سقیم تھے پس اتنے نہ ہوئے کہ اپنے ارادوں کے موافق جہاد کے لئے باہر ہو جاویں بلکہ اسی طرف
پھر ملے۔ واضح ہو کہ اگلی طرح تیری طرف سے ہوا وہ جس کا دور ہو تو بچے جیلہ و فریب کی راہیں کھل جاویں۔ جیسے ان منافقوں نے نام
در رخ چلے گئے اور باہر نہ نکلے جعفر صادق نے کہا کہ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہوتے تو شرمناک اپنی جان و مال سے اُسکے واسطے
خارج ہو جاتے اور ایک ہی حکم کے واسطے بالکل فرمان ہو جاتے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ توکل چاہتے تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لیں
راہ اختیار کرتے کیونکہ اسی طرف ہی راہ ہے۔ قولہ و لیکن کہ اللہ انہما ان منافقون۔ اہل نفاق جن کو قہر کے سانپنے ڈسا اور تریاق کا وجود نہیں ہے
انکا حال بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انکا نکلنا مکروہ رکھا پس ان حکم سے ان کو عبودیت کی طرف دعوت فرمائی اور سابق احکام ازلیہ
میں ان پر شقاوت جاری کی پس بدون کشف جمال ربوبیت کے وہ لوگ احکام عبودیت سے غافل تھے۔ امرے اُن کا استحسان کیا اور
حکم سے اُن کو درگاہ کبریا سے باز دیا۔ اعمال ادا کرنے کا حکم دیا اور احوال سے ممنوع فرمایا وہ پاک ہو جو چاہے کرے سب اسی کی مخلوق
سے جعفر صادق نے کہا کہ بندوں سے حق کا مطالبہ کیا اور انکو اسکی اہلیت نہیں دی پھر ان کو معذور نہیں فرمایا بلکہ اسپر سلامت کی۔ تو نہیں دیکھتا
کہ ان کا مقولہ نقل فرمایا کہ وقالوا لا تنزدانی الخمر قتل نارہم اللہ عزا۔ شیخ ابن الفرغنی نے کہا کہ مثل اسکی ایسی ہے کہ ایک ہی پانی برسا اور اُس نے اقسام
شجر کو سیراب کیا مگر اُن کے پھل پھول مختلف ہیں اور اگر گلاب کو پیشاب سینچا جائے تو بھی اس سے وہی خوشبو آوے گی اور تھوہر کو اگر گلاب سینچیں
تو وہی تلخ پھل آئے گی یہ وہی لطیف ہے جسپر توفیق قبولیت اور ترید بعنت جاری ہے۔ قولہ لقد استغوا الفتنۃ من قبل قلبہم لاکل لاسر لہم منافع
کا حال بیان فرمایا کہ حسد اُن میں سما ہوا اور معرفت نہایت قلیل بلکہ ندارد پس اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی شناخت سے محروم ہو کر چاہتے
تھے کہ انکو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہاد رہیں اور اس میں کامیابی کی امید رکھتے تھے پھر جب بنیاد و ادبیا کو راہ راست میں مستقیم پایا تو ظلمات کفر
و حسد میں جل گئے۔ شیخ سوسی نے کہا کہ انہوں نے جاہا تھا کہ تو دنیا کی جستجو میں پڑھائے اور اسی طرف مائل ہو لیکن فضل انکی سے یہ ہوا بلکہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تیرے سراطن کو جلا شیا کی طرف میل کرنے سے پاک کر کے اپنی ہی طرف متوجہ کر دیا پس حق کھل گیا اللہ تعالیٰ
نے اپنے زمین کے خزانہ تجھ پر کشادہ کر دیے مگر تو نے ان چیزوں سے سکون حاصل کرنے سے انکار کیا حالانکہ منافق تیری اس حرکت سے کہہ

کہتے تھے کہ ذی النورین پھر اٹھ کر جبل کے منافقین کی جہلت مذمومہ کو تمام تفصیل بیان فرمایا جس سے دنیا میں بھی غور و درود سوا اس کے
وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ اِنَّكَ نَبِيٌّ وَلَا تَقْتُلِي الْاَكْفِي الْفِتْنَةَ سَقَطُوا وَاِنْ جَهَلْتُمْ

اور بعض ان میں کہتے ہیں فکر و محنت سے اور گمراہی میں نہ ڈال سنا ہو وہ تو گمراہی میں پڑے ہیں اور

لِحِيْطَةٍ بِالْكَافِرِيْنَ ۝ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُوْهُمُ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ

گھیر رہی ہو مسکروں کو اگر نیکو ہو پئے کچھ خوبی وہ بڑی لگے ان کو اور اگر ہر پئے ستمی

يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اٰمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَتَيَوَّمَوْا وَهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَنْ يُصِيْبَنَا

کہیں ہم نے سنبھال لیا تھا اپنا کام آگے ہی اور پھر کہ جاوین خوشیاں کرتے تو کہہ ہم کو نہ ہو پئے گا

اَلَا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

مگر وہی جو کھدیا اللہ نے ہم کو وہی ہے صاحب ہمارا اور اللہ ہی پر چاہئے ہر دوسا کریں مسلمان

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ اِنَّكَ نَبِيٌّ وَلَا تَقْتُلِي ۝ اور منافقوں میں سے بعض وہ شخص ہے کہ کہتا ہے کہ اجازت دیدیجئے اسے محمد صلعم

جکو نبی مدینہ میں تخلص کرنے کی اور ساتھ نہ جانے کی اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے جب حضرت صلعم نے غزوہ ہجرت کے واسطے سامان کیا تو ایک روز

جد بن قیس سے کہا کہ اے ابو وہب تجھے جلا دہی الاصفری رحمت ہو اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میری قوم والے جانتے ہیں کہ میں عبور توفیق

کا بہت حریص و فریفتہ ہوں اور مجھے خوف ہے کہ میں بنو الاصفری لڑکیاں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں پس آپ مجھے اجازت دیدیں کہ میں یہیں

رہ جاؤں اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے اور میں اپنے مال سے جہاد میں اعانت کروں گا پس اسی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ایسا ہی ابن عباس رضی

عہما عنہما نے فرمایا کہ یہ شخص جد بن قیس تھا۔ ابن عباس نے کہا کہ اس شخص نے یہ علت نکالی حالانکہ سوائے نفاق

کے اس میں کچھ علت نہ تھی۔ جہد یعنی جہم۔ ایک شخص ثراٹ بنو سلمہ سے منافق تھا اور صحیح میں ہے کہ حضرت صلعم نے بنو سلمہ کو فرمایا کہ تمہارا کون

سردار ہے پس کہہ دو کہ جد بن قیس ہیں لیکن ہم اسکو بخیل جانتے ہیں تو فرمایا کہ بخل سے بدتر کون بیماری ہے تمہارا سردار یہ گور اچھا گور لگے والا بشر بن البراء بن عروہ

ہے۔ جلا و کبیر جیم از جلد یعنی شمشیر لڑی کرنا افعال جلد تر بالسیف و بالسوط یعنی ہین نے اسکو تلوار ماری و کوز امارا۔ اور بیان مراد جالدة از باہت

مفاہلت ہے یعنی رومیوں سے جہاد کی لڑائی کرنا۔ بنو الاصفری۔ اہل روم ہیں منسوب باصفریں روم بن اسحاق یعنی نے کہا کہ روم کا رنگ

زر دی مائل تھا اسلئے بنو الاصفری کہلائے۔ بعض نے کہا کہ روم نے بادشاہ ہشتم کی دختر سے نکاح کیا تو اولاد گور سے نکلائے سے مل کر درمیانی

Marfat.com

ان لوگوں سے ظہور میں آتی ہو لہذا جہنم کو یا ابھی ان کو محیط ہو اور بالکافریں سے اشتعال ہو کہ کفر اسکی علت ہو اور اشارہ ہو کہ ان کے ایسے حرکات یہ کفر میں اور امید باقی رکھی کہ اگر کفر ترک کریں اور اسپر نہ کریں تو نجات ہو سکتی ہو۔ پھر ان کے نفاق و بھڑک کا حال بیان فرمایا۔ **إِنَّ تَصِيبَكَ حَسَنَةٌ كَسَوْنَهُمْ**۔ اگر تجھ کو اسے محمد صلعم بعض جہاد میں کچھ بھلائی ہو بچتی ہو یعنی فتح و غنیمت وغیرہ اگرچہ تھوڑی سی بھلائی ہو وہ انکو دکھ دیتی ہو اور ناگوار ہوتی ہو ان کے وہی حسد و نفاق کا بیان تک سے تہہ پہنچا ہوا ہو۔ **وَأَنَّ تَصِيبَكَ مُصِيبَةٌ** اور اگر تجھ کو کچھ مصیبت ہو بچتی ہو یعنی بعض جہاد میں کوئی سختی پیش آتی ہو اگرچہ تھوڑی ہو جیسے احد میں واقع ہوا پس یہ امر مقتضائے حکمت ہاں نہ آئی ہے جیسے ہرقل بادشاہ روم نے آنحضرت صلعم کا حال ابوسفیان سے پوچھتے وقت کہا تھا کہ انبیاء کے جہاد میں یہی ہوتا ہے کہ کسی وقت تک کبھی مومنوں کی فتح اور کبھی کفار کا غلبہ ہوتا ہے آخر کار کامل غلبہ اسلام کو ہو جاتا ہے لیکن بد اعتقاد منافقوں کا یہ حال ہے کہ جب پہلے اسلام کو کچھ سختی پیش آتی یعنی ظاہر نظر میں اگرچہ باطن میں شہادت وغیرہ سے انکی کرامت ہوتی ہے تاہم منافقوں کا یہ مقولہ ہے کہ **لَقَدْ كُنَّا أَكْثَرُ النَّاسِ شَاكِرًا**۔ خوشی میں بھرے ہوئے اپنی رائے پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا امر لیا تھا یعنی جہاد سے بیٹھ رہے اور بچاؤ کر لیا تھا تو قبل اس امر سے پہلے ہی **وَكَيْفَ كُنَّا وَهَهُمْ فَرِحُوا** اور غم ہوتے ہیں وہ حالیکہ فرخالی ہیں یعنی لوگوں کے اور اپنی مصیبت سے بھی خوش ہوتے ہیں۔ اس کلام میں اشارت ہے کہ دین اسلام یا اہل اسلام کی مصیبت پر خوش ہونا اس امر سے نفاق ہے اور کلام سرفراز میں شعر ہے کہ امر مقتضائے کسی احتیاط سے نہیں دیکھتا پس خلافت شرع اسکی تدبیر کو نامعلوم ہو اور عقل جزوی و تدبیر بجز و ساگر ناشک ہو پس جو اس عقل کو کام میں لانا جہان تک مطابق شرع ہو وہ ایک امر ہے کہ انسان پر لازم کیا گیا ہے کہ زہر نہ کھائے اور شیر کے منہ میں خود نہ جائے لیکن تدبیر و اعتماد نہیں ہے اور تمام اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہے لہذا فرمایا۔ **قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا**۔ تو کہہ دے اے محمد صلعم کہ ہرگز نہ پہنچے گا ہم کو مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے واسطے لکھ دیا۔ **هُوَ كَمَا كُنَّا** اور ہی ہمارا نام و حاقق و وہی ہماری جانوں سے بھی ہمارے لئے اولیٰ ہے۔ حاصل آنکہ ہوشی و تدبیر جو انسان کو پہنچنے والی ہے سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مکتوب مقرر کر دی ہے اور وہ خالق اپنے مخلوق پر زیادہ مہربان ہے جو اسے لکھا سب میں حکمت ہے پس ضرور انسان کو پہنچے گی کسی تدبیر سے نہ کوئی نفع اس کے خلافت مل سکتا ہے اور نہ کوئی ضرر دفع ہو سکتا ہے پس خلافت شرع تدبیر مذکورہ اور اعتماد کسی تدبیر پر جائز نہیں۔ **وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ**۔ اور اللہ تعالیٰ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیے۔ سبھی پر فرض ہے کہ اسی پر توکل کریں لیکن کافر تو مشرک کافر ہیں وہ اور چیزوں پر اعتماد کر کے شرک کرتے اور احکام الہی سے کفر کرتے ہیں لہذا مطیع بندوں مومنوں کو ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں کہو نہ کہ یہی لوگ تو نہیں سے سرفراز ہیں۔

فی المرئیس قولہ تعالیٰ **قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا**۔ ازل میں انبیاء کو لیا کے لئے ہی لکھا گیا کہ سعادت و ولایت اور شرف نبوت و حقیقت و صل و لطافت علوم مشاہدہ انکو حاصل ہوں اور جو امور کہ بظاہر بصیوۃ بلیات ان کو پہنچتے ہیں وہ ان کے احوال کی قوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نور و ضار سے منور فرمایا ہے پس جو امر اسکی طرف سے پہنچا سکے عین رضائے الہی سے قبول کر کے مقام قرب میں بلند و رجبہ پایا پس ہر امر خواہ مکروہ ہو یا نواہ ہو ان میں سے ہرے ہرے میں جسم نے لکھا کہ حدیث میں ہے کہ مومن کا حال بہت خوب ہے کہ اسکی ہر بات اس کے حق میں بہتر ہو چنانچہ امر نواہ پر نواہ اسے شکر کیا تو بھلائی ملی اور امر نواہ پر نواہ اسے صبر کیا تو بھلائی ملی پس ہر طرح بھلائی باقی اور یہ سوائے مومن کے اور کسی کے واسطے نہیں ہے و الحدیث فی السنن صحیح۔ بالملہ یہ بندے اس معاملہ میں نصرت الہی محفوظ ہیں اور اسی پر توکل در حقیقی ہیں اور جیسے حق تعالیٰ نے فرمایا یقین کرتے ہیں کہ ہرگز نہ ہٹا۔ یعنی ہماری امتی ہے اور اس محبت میں جو امر کہ دو سر دن پر ناگوار ہے وہ محبت ایمانی ان پر

گواری اور مومن کی ہی شان ہو لہذا فرمایا۔ **وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُكَ يَا مَعْشَرَ الَّذِينَ آمَنُوا**۔ یعنی مشائخ نے کہا کہ مومن عارف ہوتا ہے اور عارف وہ ہے جس پر قضا و قدر سے جو امور وقتاً فوقتاً جاری ہوں ان میں اسکو سکون ہو اور کسی بات سے ترش نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافق و کافر ہالوں کو ایسے پسندیدہ طور سے متنبہ کرنے کا حکم دیا جس سے سمجھ لیں کہ بندہ مطیع ہر حال میں بغیر عظیم ہر جیسے غیر مطیع و منافق ہر حال میں فی الواقع غالباً خاسر ہے بقولہ تعالیٰ **قُلْ هَلْ تَرْتَابُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنَيْنِ وَنَحْنُ نَقْرَبُكُمْ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ**

تو کہ تم کیا چیتو گے ہمکے حق میں گرد و خوبی میں سے ایک اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ **بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ يَأْتِيَنَّاهُ فَتَرْتَابُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرْتَابُونَ** ○

کچھ عذاب اپنے پاس سے یا ہمکے ہاتھوں سے منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں

قُلْ هَلْ تَرْتَابُونَ ایہا المنافقون ان یقہ۔ **بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنَيْنِ**۔ تر تیبون صیغہ خطاب ہے دراصل تر تیبون بدو تارتھا جس میں سے ایک تار حذف ہوئی جیسا کہ اب فعل میں مطرود ہے اور معنی اسکے تظرون۔ اسے تم انتظار کرتے ہو۔ قولہ بنا متعلق بفعل محذوف اسے ان یقہ بنا۔ یہ کہ ہمارے ساتھ واقع ہو۔ استفہام تو یہی ہے۔ الحسینین تثنیہ حسنی تائید حسن ہے۔ یعنی بہت بھلی بات باعتبار انجام کے اور دونوں بھلی باتوں کی تفسیر ابن عباسؓ و مجاہدؓ و غیرہ نے نصرت و شہادت مروی ہے۔ المعنی تو امدے اسے محمد صلعم کہ کیا تم انتظار کرتے ہو اسے منافقو یہ کہ واقع ہو ہمارے ساتھ کوئی امر سوائے ایک دو بہت بھلائیوں سے۔ خواہ تم پر و کافروں پر محمدی یا ہمارے لئے شہادت کیونکہ مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کو گیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکو ثواب مال غنیمت ملیگا اور یا شہید ہو کر جنت پاوے گا جو کہ سب نیک انجام ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفالت فرمائی ایسے بندہ کے لئے جو اسکی راہ میں جہاد کو نکلا اور مالیکہ راہ الہی میں جہاد و تقدیر کلیہ کے سوائے کسی امر نے اسکو اسکے گھر سے نہیں نکالا ہے اس بات کی کفالت کہ اسکو جنت میں داخل کر دے گا یا جہان سے نکلا تھا وہیں اسکو واپس کر دے گا اگر وہ غنیمت کیساتھ کافی اصحاب۔ حاصل آئے منافقوں کو ملامت ہو کہ اہل بیان کے حق میں انہیں دو باتوں میں سے ایک کا انتظار کرتے ہیں اسکے سوائے اور کیا انتظار کرتے ہیں حالانکہ یہ ہر ایک بات بہت بھلی ہے کیونکہ انجام بہت نیک ہے پھر خود منافقوں کی حکمت عملی کا انجام تھلا یا کہ **وَنَحْنُ نَقْرَبُكُمْ بِكُمْ** اور ہم تمہارے حق میں انتظار کرتے ہیں دو باتوں میں سے ایک بات کے وقوع کا۔ **أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ** کا ایک یہ کہ پونچھے تم کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی عذاب یعنی آسمان سے کوئی عذاب تم پر اسے جس میں ہمارا لگاؤ نہ ہو جیسے صیغہ و تہمیر و سناد غیرہ کا عذاب اہل امتوں کے نافرمانین پر آیا **أَوْ يَأْتِيَنَّاهُ** یا تم کو ہمارے ہاتھوں سے عذاب پونچھے۔ مثلاً اس طرح کہ ہم کو منافقوں کے قتل کا حکم دیدے پس ہم اسکی طاعت میں تم کو قتل قید و غارت کریں۔ حاصل آئے تمہارا انجام انہیں دونوں باتوں میں سے ایک بات کی طرف ہو پس معلوم ہوا کہ تمہارا برتاؤ بہت خراب ہے جسکا انجام ایسا خراب ہے **فَتَرْتَابُونَ** آپس تم انتظار کرو ہمارے حق میں اس امر کا جو مذکور ہے۔ **إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرْتَابُونَ**۔ ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں یعنی تمہارے انجام کا اسے منتظر ہیں۔ **فَتَرْتَابُونَ** میں نافرمانی ہے اور صیغہ امر سے استثناء مقصود نہیں بلکہ تہدید ہے یعنی اپنے بد انجام کو سنکر اگر یہ برتاؤ نہیں چھوڑتے ہو تو اچھا ہمارے ساتھ منتظر رہنا نیک دیکھو اور ہم بھی منتظر ہیں کہ ناچار تمہارا بد انجام دیکھیں کیونکہ جو ہر ایک کا انجام مذکور ہوا اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا پھر منافقوں کی نماز روزہ وغیرہ اعمال بدنی اور جہاد میں مال خرچ کرنے کی مدد وغیرہ کا جو نفاق سے بدون صدق یقین کے کرتے تھے قبول نہ ہونا بیان فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ۔

قُلْ أَلْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝

تو کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے تحقیق تم ہوئے ہو لوگ بے علم
وَمَا مِنْهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ
اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر یہی کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو
إِلَّا وَهُمْ كَسَالَىٰ وَلَا يَتَّقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ۝ فَلَا تَعْبُوكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ
مگر یہی رائے اور خرچ نہیں کرتے مگر بے دل سے سو تو تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب کرے ان چیزوں سے دنیا کے جیسے اور نکلے ان کی جان جب تک وہ کافر ہی رہیں
قُلْ أَلْفِقُوا - فی طاعة الله طوعاً أو كرهاً - طائین اور کافرین - لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ - انفقتموہ - آمدے لے محمد صلعم کہ خرچ کرو
اور منافق طاعت الہی میں طوعاً یا کرہاً یعنی در عالیکہ تم طائع ہو یا کارہ ہو ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائیگا جو کچھ تم نے خرچ کیا۔ اگر کہا جاوے کہ
منافق کب بطوع و رغبت خرچ کرتے تھے کیونکہ ہمیشہ کراہت سے خرچ کرتے بدلیل قولہ ولا یفتقون الا وہم کارہون۔ پھر بیان کیونکہ ان کو طوع
سے خرچ کر نیک حکم دیا۔ تو جواب ہے کہ طوع سے خرچ کرنا باعتبار ظاہر کے کیونکہ منافق لوگ نفاق سے ظاہر میں ایسے خرچ کرتے کہ بطوع و رغبت
معلوم ہوتا اور آگے جو اللہ تعالیٰ نے خبر فرمائی کہ ولا یفتقون الا وہم کارہون۔ تو یہ واقعی حقیقت کا بیان ہے یعنی درحقیقت تو کراہت ہی سے
خرچ کرتے تھے اور بعض نے جواب دیا کہ طوع بمعنی رغبت نہیں بلکہ طوع سے وہ خرچ جو بدون اللہ تعالیٰ درمحل کے لازم کرنے کے یا کابی و
دکھلانے کو ہووے۔ اور کہا جو اللہ تعالیٰ درمحل کے لازم کرنے پر ہو یعنی قولہ انفقوا طوعاً او کرہاً۔ خرچ کروں تم بدون اللہ تعالیٰ درمحل
کے لازم کرنے کے یا دونوں کے لازم کرنے سے پس لازم کرنے کو اس واسطے کہا کہ یہ لوگ منافق تھے پس خرچ کرنا ان پر لازم کرنا ایسا شاق تھا
جیسے کسی پر اگر وہ ذہردستی کی جاتی ہے۔ اور بعض نے جواب دیا کہ طوعاً سے وہ خرچ جو منافقوں کے سرداروں کی طرف سے بلا اگرہا ہو۔ اور کرہاً
جو ان کے سرداروں کی اگرہا سے ہو کیونکہ سردار نفاق مصلحت و تکبر تابع منافقوں کو مال خرچ کرنے پر اگرہا کرتے یعنی خرچ کرو چاہو بدون اگرہا اپنے
سرداروں کے یا ان کے اگرہا کرنے سے ہر حال تم سے ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ سوال ہوا کہ انفقوا طوعاً۔ میں طوع کا اعراب کیونکر ہے جو اب کہ طوع و کرہ
ہر دو مصلحت بمعنی اسم فاعل ہیں اور نصب بوجہ حال ہونے کے یعنی انفقوا طائین اور کافرین۔ تم لوگ خرچ کرو در عالیکہ طائع ہو یا کارہ ہو۔ سوال
ہوا کہ انفقوا صیغہ امر سے خرچ کرنے کا حکم دیا پھر لَنْ یُتَقَبَلَ سے کیوں عدم قبول فرمایا۔ جواب دیا گیا کہ معنی اس کے شرط و جزا ہیں یعنی اگر تم
خرچ کرو تو قبول نہ ہوگا۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ عدم قبولیت کا انفاق سے شرط ہونا شرط نہیں ہے اور صحیح جواب بیضاوی ہے
وہ منسوخ و ظہور کا ہے کہ یہ امر بمعنی خبر ہے یعنی تمہارے نفقات قبول نہیں خواہ طوعاً خرچ کرو یا کرہاً۔ بیضاوی نے کہا کہ اس کا فائدہ یہ کہ قبول ہونے میں ہر دو
انفاق کے مساوات ظاہر ہو گئی گویا ان کو حکم ہوا کہ امتحان کرو خرچ کر کے دیکھو بھلا قبول ہوتا ہے یا نہیں پس ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اور یہ کلام پاک جواب
ہے پھر بن نہیں منافق کا جس نے آنحضرت صلعم کے استفسار کے وقت کہا تھا کہ مجھے فتنہ میں نہ ڈالو ایسے ہیں جسے دیکھو اور میں اپنے مال سے آپ کی
مدد کروں گا۔ قبول نہ ہونا دو باتوں کو متسلل ہو لیک یہ کہ منافق اگر مال لاہین تو ان سے امام نہ ہووے اور دوسرا یہ کہ منافقوں کو ثواب نہ ملے گا
پھر قبول نہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی بطریق استیفاء کے بقولہ لا ینکم کنتم قوماً فاسقین۔ لے لاکم کنتم کافرین۔ یعنی تمہارا انفاق

کسی طرح ہو قبول نہ ہونا اس لئے کہ تم قوم کافر تھے اور کافر کی کوئی طاعت قبول نہیں ہرگز معنی کہ آخرت میں اس پر ثواب نہ ہو گا۔ لہذا علماء کا اجماع ہے کہ عبادات صحیح و ثواب مترتب ہونے کے واسطے ایمان اولی تصدیق ضروری ہے اور علماء حقینہ نے کہا کہ کفار فرود اعمال شرع سے مکلف و مخاطب نہیں بلکہ ایمان لانے سے مکلف ہیں اور شافیہ نے کہا کہ مکلف ہیں اور فائدہ یہ کہ عذاب میں زیادتی ہو اور بعد تامل کے کفار کا ایمان نہ لانا منصفین ترک جمیع حنات ہو پس عذاب ضعیف بلکہ قولہ تعالیٰ لکل منکم ضعف الا یہ ہر کافر کے لئے ثابت ہے۔ اس تفسیر سے واضح ہے کہ فاسق سے مراد کافر ہے چنانچہ کلام ما بعد جو اس جملہ کے لئے بیان و توضیح ہے اس پر دلالت کرتا ہے یعنی قولہ **وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوا** بتا، فوقیہ قرآنہ حفص و اکثر اور بیار تھتہ قرآنہ حمزہ و کسائی کیونکہ فاعل مؤنث حقیقی نہیں یعنی **نَفَقَتْهُمُ** سے ماں منعم قبول نفقات ہم نہیں محروم رکھا انکو انکے نفقات قبول ہونے سے۔ **إِلَّا أَنْهُمْ كَفَرُوا وَبَدَّ سُوْلِهِمْ**۔ الا کفر ہم بہا گمان ہا تون نے جنہیں سے اول یہ کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ و اس کے رسول رحیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا یعنی در حقیقت کفر کیا۔ اگرچہ ظاہر میں اقرار کرتے تھے پس زبانی اقرار کچھ مفید نہیں ہے۔ سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے جواب یہ کہ حدیث وفد عبد القیس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی یہ تفسیر فرمائی کہ گواہی ہے کہ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ لہذا علماء کا اتفاق ہے کہ بدون صادق اقرار نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید پوری نہیں ہے۔ بھید یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اسکے صفات کما فیہ عظمت و جلال کی معرفت سے ہے کیونکہ حقیقت اسکی ہر تراد خیال و قیاس و گمان و عقل جزوی ہے اور بدون ارشاد و ہدایت نبوت کے آدمی ایسے احمق و جاہل ہا رہے جنہاں کہ گمان کہ بگا جو لائق نہیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا قائل ہونگا بلکہ اپنے منظون کا مستقد و اسی پر یمن ہو گا اسی واسطے مشرکین کہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو خالق آسمان و زمین کہتے تھے مشرک ہوئے کہ بتوں کا شرک جائز جانتے حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ وہ ہے کہ وہاں کسی شرک کو دخل نہیں ہے در حقیقت اللہ تعالیٰ سے شکر و کفر ہونے سے پہلے اول کتاب ہرود و نصاریٰ کو جو بیٹا و غیرہ نمود اللہ میں ذلک ثابت کرتے تھے کافر فرمایا بقولہ **قَالُوا الَّذِينَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** اور بت سے نادان آدمیوں نے زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کے یہی معنی کہ ایک ہے لہذا بدین معنی واحد کے قائل ہرود اور بعضے ہنود کو موجد کہنے لگتے ہیں حالانکہ یہ خود بڑی ہمالت ہے لہذا فقہ اکبر و غیرہ میں صاف مصرح لکھ دیا کہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ اسکا کوئی شریک نہیں کسی امر میں۔ اور یہی معنی نہیں کہ واحد یعنی معروض وحدت ہو فاقم۔ و تدبر۔ ہا جملہ جن باتوں سے منافق قبول نفقات سے محروم ہونے ان میں سے اول تو اعتقادی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ رسول سے شکر میں اور عدم علی یہ کہ **وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كُرْهُونَ**۔ اور نہیں خرچ کرتے کوئی نفقہ خواہ انہم لا یصلون فی حال من الاحوال الا فی حال النسل و التناقل یعنی تمام حالتوں میں سے کسی حال میں بے ناز نہیں پڑتے گرا ایک حالت میں جب کہ حالت کسل و گرائی ہے۔ اسکی وجہ یہ کہ ان کو ادا کرنے پر ثواب ملنے کا اعتقاد نہیں اور نہ چھوڑنے پر عذاب کا خوف تھا بلکہ خالی دکھلانے اور اسلام ظاہر کرنے کو کسل و بوجھل ہو کر پڑھ لیتے تھے۔ **وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كُرْهُونَ**۔ اور نہیں خرچ کرتے کوئی نفقہ خواہ واجب ہو یا نفل ہو مگر اس حال میں کہ بے کراہت لکھنے والے ہوتے ہیں اگرچہ اپنی کراہت کو ظاہر نہیں کرتے۔ پس قولہ **قُلِ الْفُقَرَاءُ مِنَ الْبَطْنِ** خرچ کرنا بلحاظ ظاہر کے ہے اور ایمان ان کی حقیقت کا بیان ہے یعنی در حقیقت ہمیشہ کراہت کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ حامل یہ کہ کسی کا خرچ میں بسبب ایمانی کے ان کی سچی نیت و ہمت نہیں ہے یہاں اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ حدیث میں ہے کہ آدمی جب تک خوشی و نشاط میں ہو تو اقل ناز و حیرہ ادا کرتے اور کسل ماندگی تک نوبت نہ پہنچا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ثواب دینے میں دلالت نہ ہوگی تم خود ہی عبادت سے ماندہ ہو جاؤ گے اور حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے وہ طیب ہی قبول فرماتا ہے اس واسطے ان منافقوں سے کوئی نفقہ قبول نہ فرمایا بقولہ

انما تقبل اللہ من التقیین یعنی اللہ تعالیٰ انھیں بندوں سے قبول فرماتا ہے جو متقی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ قبول نہ ہونے کے واسطے ان کا کافر ہونا کافی سبب ہے پھر کراہت و کسل وغیرہ کا سبب کیوں فرمایا کیونکہ مستقل سبب ہوتے ہوئے اور کا اثر نہیں رہتا تو جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک جملہ سبب غالی معزت میں کچھ موجب نہیں ہیں پس ایک ہی امر کے واسطے چند معزت کا جمع ہونا جائز ہے۔ فافہم۔ **فَلَا تُجْبَلُ عَنْ أَمْوَالِكُمْ ذَكَرًا وَلَا دُخْرًا** یعنی جب منافقوں کی حالت معلوم ہو گئی تو اسے محض معلوم نہ اعجاب میں ڈالیں جبکہ اس کے اموال اور نہ انکی اولاد۔ یہ خطاب اگرچہ آنحضرت صلعم کو ہے لیکن جملہ مومنین اس میں شامل ہیں۔ اعجاب کسی چیز سے مسرور و اسکی خوبی پر رہی ہونا اور بعض نے کہا کہ اسکے ساتھ کچھ خردیہ اعتقاد بھی ہو کہ ایسے اور دن پاس نہیں ہے اور یعنی اپنے مال و اولاد پر اعجاب ہونے کے مناسب ہیں اور یہ ان تو غیر کے مال و اولاد پر اعجاب ہے پس اعجاب یعنی استعجاب ہے یعنی انکے اموال و اولاد کو مستحسن مت جان۔ خطیب نے اموال سے وہ مال لیا جو انھوں نے ہمدین خرچ کرنے کو دیا پس منی یہ ہو سکتے ہیں کہ جو اموال انھوں نے ہمدین خرچ کر دیا اور انکی اولاد جو بظاہر اہل اسلام کی اولاد ہو گئے مستحسن معلوم ہو کیونکہ یہ بلا ثواب نامقبول ہو اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ ان کے اموال و اولاد کی نسبت مستحسن محمود ہونا مت بیان کر اسلئے کہ یہ ان کیلئے وبال استخوان ہے کہ قال تعالیٰ۔ **إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي تَدْنُوا مِنَ اللَّهِ** یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انکو عذاب کرے ان چیزوں سے دنیا کی ذمگی میں کیونکہ ان کے جس کرنے و حفاظت میں مشقت و تکلیف اٹھاوین اور بطریق نفاق کے مومنوں کو دینے و ذکوہ نکلنے میں خرچ کرنے پر حرم کھاوین اور نقصان اولاد میں مصیبت پادوین۔ اگر کہا جائے کہ یہ بات منافقوں کے ساتھ قصص میں نہیں بلکہ مومن کو بھی نقصان مال و اولاد کی مصیبت پہنچتی ہے تو جواب یہ ہے کہ مومن کو اعتقاد ہے کہ وہ آخرت ہی کی واسطے مخلوق ہے اور اسکو جو مصیبت پہنچے وہ انا اللہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے اور جانتا ہے کہ آخرت میں اسکے لئے اس سے بہتر ثواب حاصل ہو پس مال و اولاد اسکے حق میں وبال عذاب ہونے بخلاف منافق کے کہ اسکا یہ اعتقاد نہیں ہے مال و اولاد پر جو غم و رنج و مشقت اسکو پہنچی وہ دنیا میں اسپر عذاب ہوتی لہذا فرمایا کہ منافقوں کے حق میں مال و اولاد سے اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ حیات دنیاوی میں انکو عذاب ہے۔ **وَكُلُّهُمْ رِجْسٌ فَلا تَأْتُوا مَوْلَیَہِمْ فَاَنْتُمْ مَعَهُمْ**۔ ذہوق مشقت سے نکلنا جملہ حلقہ ہی تہذیب پر یعنی انسان کے اہم سے انکی ارواح نکلیں اس حال میں کہ شے کافر میں پس آخرت میں انکو دائمی سخت عذاب دلوے۔ **ذُنُوبُهُمْ** نے کہا کہ قولہ انما یرید اللہ سے مراد استدراج ہے یعنی باوجود مصیبت کے ان کو نعمت پر نعمت دینا جس میں مشغول رہیں یہاں تک کہ مرن گویا یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کے حق میں یہی چاہتا ہے کہ برابر انکو اپنی نعمتوں سے بھر سکے یہاں تک کہ انکی موت آئے اس حال میں کہ شے کافر ہوں اور آخرت سے نظر پھیرے ہوئے انھیں نعمتوں کی طرف مشغول ہوں۔ پس آخرت میں عذاب شدیداً اٹھاوین خطیب نے لکھا کہ جس کسی کو مال و اولاد کی کثرت ہوئی حالانکہ وہ مسرور و افتخار و کفران نعمت میں گرفتار ہے اس کے حق میں وبال و عذاب سمجھنا چاہئے کیونکہ ایسی حالت میں دلالت ہے کہ نفس اس میں مستغرق اور اللہ تعالیٰ سے منقطع ہے اور حدیث میں ہے کہ تین بائین ہلاک کرنے والی ہیں۔ ایک یہ کہ شیخ مطاع ہو یعنی بغل کی اطاعت کی جائے۔ دوم خواہش نفس کی پیروی کی جائے۔ اور سوم اپنے اوپر آدمی اعجاب کرے اور حدیث میں ہے کہ کثرین تباہ ہوئے یعنی مال میں انکار کرنے والوں کی عاقبت اکثر شراب ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنا مال انکار کرتا ہے اس کا مال کیا ہو سوائے اسکے کہ کھا کر فنا کر ڈالیا پس اگر چہ ڈالیا صدقہ دیکر عاقبت کیلئے باقی رکھ لیا۔ اور اس باب میں روایات بہت ہیں اور مقصود کلام یہ کہ دنیا کے اطناب اس پر اقتدار و اسکی محبت سے دھم فرمایا کیونکہ آدمی دنیا کے واسطے نہیں پیدا ہوا بلکہ آخرت ہی کیلئے خلق ہوا

پس دنیا سے اسکو اعجاب اسکی طرف میلان نہ پائیے بلکہ اصلی گھر کی طرف راغب ہوا وہ آخرت میں ہرگز فی العرائس ورتعالی ولا یاتون لعلہ
 الا وہم کسالی۔ حق تعالیٰ نے ایسے بزدل کا حال بیان فرمایا جو اسکے جلال سے جاہل اور اسکے مشاہدہ جمال سے محو ہیں اور ان کو اپنے خالق کی جودیت
 سے طعم وصال نہیں اور اگر ان کو نماز میں مناجات الہی سے ذوق ہوتا اور نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی تو ان کا وہ حال ہوتا جو آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے نمازی کا حال بیان فرمایا کہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہوا اور جہاں پناہ حال بیان فرمایا بقولہ جلت قرة عینی فی العلیق
 میری دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ملتی گئی ہو لیکن یہ مرتبہ بزرگ انہیں بزدل کو بواسطے مخصوص ہی جو عظمت جلال الہی کے سامنے خشوع و خضوع
 رکھتے ہیں لکن اقل تعالیٰ وانہا الکبیرۃ الاعلیٰ الخاشعین الایۃ۔ اور ان کا وصف فرمایا بقولہ اللدین ہم فی صلواتہم خاشعون۔ شیخ محمد بن فضل نے کہا
 کہ جس نے امر الہی کو نہ پہچانا وہ کسل کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوا اور جس نے پہچانا وہ عین رغبت سے قیام کرتا ہوا ہر قولہ تعالیٰ فلا تعبک لہم ولا اولادہم۔ اس میں
 اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ مومنوں کو تخریر فرمائی کہ دنیا داروں کے ساتھ جو اموال اولاد ہیں جنکو وہ حیات دنیاوی کی زینت
 جانتے ہیں ان چیزوں کو بنظر احسان نہ دیکھیں کیونکہ اس سے آخرت اسکے کاموں سے باز رہیں گے اسلئے کہ دنیا کو بنظر شہوت و خواہش نفس
 دیکھنے والا اسٹیٹیم ملک ملکوت انوار جبرئیل سے گرجاتا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اموال دنیا منافقوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب میں اور
 دنیا میں ہر ش عذاب میں کیونکہ دنیا جب بہت ہو جاتی ہے تو خواہ مخواہ حرام و شہات سے خالی نہیں ہوتی اور جسے حرام و شہات کے مان کھائے
 وہ باطنی اندر سے پین پین گرفتار ہو کر مکاشفہ آخرت سے محروم ہو جاتا ہے چنانچہ وارد ہوا کہ دنیا کے حلال میں حساب ہوگا اور حرام ہر وہ تو باطل
 عذاب ہے بعض مشائخ نے اس کلام پاک کے معنی میں کہا کہ لوگ جن اموال و غلام و غلام سے زینت کرتے اور اسی کی کثرت چاہتے ہیں اور بطور
 استدراج انکو ملتی ہیں تنگوا اس سے عذاب نہ کیونکہ ان اموال اولاد سے اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ دنیاوی زندگی میں ان کو عذاب ہو یعنی
 اسکے جمع کرنے میں اور اسکے حفاظت کرنے میں مشقت اور اسکی محنت میں اور اس پر عمل کرنے میں اور اسکے طرح پر عمل کرنے میں عذاب
 آٹھا دین اور یہ سب عذاب تو اپنی خوشی خاطر سمیٹا اور برابر انہرطاری رہا ہانگ کہ کافر نے سے عذاب طرف میں پھنسے۔ لہذا اللہ نے۔ جب اللہ تعالیٰ نے
 بیان کر دیا کہ منافقین جملہ صفت دنیا و آخرت کے جامع اور جملہ منافق دارین سے خالی ہیں تو پھر ان کے نضارح و قبایح کو ذکر کیا از انجیل یہ

وینفاق وینساک سے جھوٹی تمسین کھاتے ہیں چنانچہ فرمایا۔
وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ اِنَّهُمْ لَكَاِبِتٌ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ○ **لَوْ يَدْرُونَ**
 اور تمسین کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں ○ لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں اگر ہا دین گنہیں

مَلَجًا اَوْ مَغْرَبًا اَوْ مَدْخَلًا لَوْ اِلَيْهِ هُمْ يَجْمَعُونَ ○
 بھاڑ یا کوئی گڑھے یا سرگھسانے کو جگہ تو اسلئے بھاگتے ہیں اسی طرف ○ رسیان توڑاتے

وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ اِنَّهُمْ لَكَاِبِتٌ ○ اور قسم کھاتے ہیں منافق لوگ اللہ تعالیٰ کی کہ البتہ وہ لوگ تم میں سے ہیں یعنی منجملہ مومنوں
 کے ہیں۔ جملہ انہم لکنہم۔ یہی قسم ہے اور لام تاکید ہے حاصل آنکہ ایسی تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ سے بھی اہل ایمان
 میں سے ہیں یعنی تو حید الہی و رسالت محمد صلعم و قرآن و دار آخرت وغیرہ پر صدق دل سے مومن ہیں۔ منافق لوگ جب اہل ایمان سے ملتے تو
 بیباکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی اس طرح جھوٹی قسم کھاتے چنانچہ حق تعالیٰ نے رد فرمایا۔ **وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ** ○ اور حال یہ ہو کہ
 سے لوگ تم سے نہیں ہیں یعنی مومن نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جملہ سمیٹے سے انکے مومن ہو نیکی فرمائی جیسے انہوں نے ہو کہ قسم کھائی تھی۔ **وَلَا يَخْلِفُونَ**

حقہ مکتفہ خون۔ لیکن یہ لوگ ایسی قوم ہیں کہ تم قتل و قید و غیرہ کا وہ برتاؤ ان کے ساتھ نہ کرو جو مشرکوں کیساتھ کرتے ہو۔ فرق بفرق فرقاً از سبب ترس و خوف کرنا۔ حاصل آنکہ منافقوں کے دل میں اسلام کا کچھ اعتقاد نہیں بلکہ کھلانے ہی کو ظاہر میں رکنا اسلام ادا کرتے ہیں اور تمہارے خوف سے بھوٹی قسم سے تاکید کیساتھ کھا جاتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور یقینہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بھوٹی قسم جان بوجھ کر کھانا پستی اجازت دیتا ہے منافق کی پہچان حدیث میں ہے کہ بھوٹ بات بولتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ شراناس اللہ تعالیٰ کے نزدیک واللہ بہین ہر نبی جو آدمی کہ اس سے ملکر کھکے اور دوسرے کے پاس سکے خلاف کے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا بد ہے پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی کیفیت بڑھائی کہ ہر منون سے ظاہر میں اس طرح قسم کھاتے ہیں اور باطن میں انکے دشمن اور ان سے گریز چاہتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ **كُلُّ يَجِدُ دُونَ مَلِيحًا** اگر پاتے وہ لوگ کوئی ملجا۔ پناہ کی جگہ خواہ اونچی ہو یا نیچی یا کوئی گروہ آدمیوں وغیرہ کا ہو یا اسکے مانند کوئی چیز ایسی ہو اور وہ غمخوار یا مغارات۔ جمع مغارہ ہیں انسان جس جیسے اور زمین میں بہت مقام اور سراب یعنی تہ خانہ وغیرہ۔ **اَوْ مَدَاخِلًا** لئے مشرک ملا۔ بعد و غم کے مدخل ہوا۔ وہ جگہ جس میں اخل ہو جاوین بعض نے کہا کہ ملجا عام ہے اونچی نیچی کہیں کسی طرح کی جائے پناہ ہو مغارات۔ وہ فار جو پہاڑوں میں ہوں اور مدخل وہ جو زمین میں ہوں۔ ابن عباس مجاہد و قتادہ نے کہا کہ ملجا قلعہ و گڑھی وغیرہ جس میں شخص ہوں اور جائے حرم جس میں تخری ہوں۔ مغارات۔ پہاڑوں کے فار۔ مدخل وہ سرب جو زمین میں ہوں یعنی تہ خانہ و پل وغیرہ۔ حاصل آنکہ منافقین اگر اوپر پہنچے یا کہیں کوئی ٹھکانا پاتے۔ **كُلُّهُمُ الرِّيبَةُ** تو اسکی طرف توجہ ہو کر اس میں گھس جاتے۔ **وَهُمْ يَخْتَفُونَ**۔ درحالیکہ اس کام میں تیزی و جلدی کرنا چاہتے ہوتے کوئی چیز انکو اس سے باہر کرتی ہے چونکہ انہوں نے فرس جمع وہ گھوڑا کہ باگ سے ہرگز نہ روکے۔ حاصل معنی یہ کہ منافقوں کا حال تم سے بد اوت و نفرت کا یہاں تک ہے کہ ملجا و مغارات و مدخل تینوں ٹھکانوں میں سے اگر کوئی ٹھکانا پاتے باوجودیکہ یہ انسان کیلئے بندش و ضیق کے بڑے ٹھکانے ہیں تو بھی منافق انکی طرف توجہ دیتے نہایت تیزی سے کہ جیسے حرم گھوڑے کو باگ میں رکھ سکتی ہے انکو بھی کوئی چیز مانع نہ ہو سکتی اور بہت جلدی اس میں گھس جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے باطنی قبائح کے انہیں سے اپنے رخ دیگر کو یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حدیث کی تقسیم وغیرہ کی نسبت لمن کہنے کو ذکر فرمایا بقولہ تعالیٰ **وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا**

اور اپنے انہیں ہیں کہ جو لمن دیتے ہیں زکات باٹنے میں سوا اگر انکو نے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ لے **إِذَا هُمْ يَخِطُونَ** ○ **وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ**

تہی وہ ناخوش ہو جاوین اللہ کا خوب تھا اور وہ راضی ہوتے جو دیا ان کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اور کہتے ہیں ہر جگہ اللہ

سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ

ہوے رہے گا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو اللہ ہی چاہیے۔

مفسرین کے اقوال اس آیت کے سبب زول میں تملت ہیں جیسا کہ خطیب نے کہا لیکن مترجم کے نزدیک اقوال متفق ہیں صرف تفصیل اجمال کا اور سبب نزول و عموم و دخل کا فرق ہے جس سبب دل کو بخاری روح و نسائی و ابن جریر و ابن السنی و ابوالشیخ و ابن مردودہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کرتے تھے کہ تم میں ذوالخویرہ کا بیٹا جب کا نام حرقوم تھا آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ انصاف سے تقسیم کر دے اپنے فرمایا کہ میری غلبنی ہر پھر کون عدل کرے گا اگر میں ہی عدل نہیں کرتا ہوں عمر بن الخطاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس بے ادب کی گردن ماڑوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکو پھرنے سے اس سے ایسے لوگ ہونگے جنکی نادانوں کے سامنے تم میں کا آدمی اپنی نماز کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزہ کو حقیر دیکھے گا حالانکہ یہ لوگ دین اسلام سے ایسے باہر ہونگے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے سو ان کو جہان کہیں تہ پانا قتل کر ڈالنا کہ آسان کے بیٹے جتنے

۱۳

فرمایا وہ دینی تھے کہ صدقات لینے پر انکی حرص کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہاشمی نے انحضرت صلعم کو عیب لگایا اور جو دیکھ انحضرت صلعم تمام مخلوق
 سے بڑھ کر عادل اور جور و ظلم سے دور تھے ہرگز دنیا کی طرف مائل نہ تھے ضحاک نے کہا کہ انحضرت صلعم حکم حق تعالیٰ تقسیم کرنے سو منافقوں کو اگر بہت مل گیا تو
 خوش ہو گئے اور تھوڑا ملا تو ناراض ہو کر عیب لگانے لگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آلَسَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ**۔ اے
 لو انہم اخذوا بالرضا یا انا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بفرض اللہ تعالیٰ وقسمہ لہم۔ اور میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک درمیان میں تعظیم کیلئے
 اور اس تعظیم کیلئے ہے کہ رسول اللہ صلعم کا فعل حکم الہی ہوتا ہے و بنا پر قول اول کے اعطاء الہی بدین معنی کہ ان کو دینے کا حکم رسول پر بھیجا اور عطا پر رسول
 آنکا انکو حقیقتاً دیا یعنی یہ کہ اور اگر منافقین رضامندی سے لیتے ہتھیار جو انکو رسول اللہ صلعم نے اللہ تعالیٰ کے فرض کرنے و ہاشمی سے دیا **وَقَالُوا
 حَسْبُنَا اللَّهُ**۔ اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے وہی ہمارا کفایت فرما یزوالا ہے۔ **سَيُؤْتِيكَمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ**۔ میعطینا
 اللہ تعالیٰ من فضلہ ہاں یا رسول اللہ باعطاءنا وسیعطینا رسولہ دیو صلنا من غنیمۃ انہی عنقریب ہکو عطا فرما دیگا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے باہر طور
 کہ اپنے رسول کو حکم دیگا کہ وہ ہم کو دیوے اور عنقریب اس حکم کے موافق رسول اللہ صلعم ہم کو عطا فرما دیگا یعنی دوسری غنیمت وغیرہ میں سے۔ **إِنَّا
 رَأَى اللَّهُ رَاجِعُونَ**۔ ہم اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہیں۔ یہ دونوں جملہ گویا احسن اللہ کی تفسیر ہیں یعنی ہم کو تو اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت
 ہے وہی ہمارے واسطے دنیا میں بہتری و آخرت میں بھلائی دیگا پس وہی ہمارا کافی ہے اسی واسطے درمیان میں حرف عطف نہیں ہر حالہ الکرخی۔
 اور جواب لو محذوف ہے اے ولوا انہم رضوا بذا لک قالوا لک لکان خیر الہم یعنی اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ و رسول کے ذیے پر رضی ہوتے اور صلعم
 کہتے کہ قابو احسن اللہ ان کے حق میں بہتر ہوتا یا اگر وہ ایسا کرتے اور کہتے تو ہے ایمان الون کے انعام میں شامل ہوتے بالجلہ جزا جزون
 اسی کے اللہ ظاہر ہے اسی جہ سے حزن ہوئی ہے۔ پس ایمان کا نشان ہے کہ جسی اللہ نعم الوکیل۔ پر یقین و اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت ہو
 اور دیگر امور کو صلی مقصود یعنی رغبت الہی کے حصول سے کبھی مانع نہ ہونے دیوے اور ہمیشہ قضائے الہی پر رضی ہو اور حدیث میں یہ مضمون ثابت
 ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے حکم قضا پر رضی نہ ہو وہ میری بادشاہت سے نکل جائے۔ نیک نیت سمجھ جائیگا کہ جب ہم اور سب اسکی
 ملک و خلق و بندے ہیں اور وہی سب کا مالک خالق ہے تو ناراضی کیسی فافہم۔ **فَنَفِي الْعُرْسِ** قولہ تعالیٰ ولوا انہم رضوا انا ہم اللہ و رسول
 یہ اسی مخلوق کا حال ہے جو مقام رضاء کے لائق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ و رسول اور خلائق دین کے علم و معرفت سے محروم ہیں اور اگر ان کو معرفت
 ہوتی تو جس امر میں حق تعالیٰ انکو مبتلا کرتا ہے رضی ہوتے کیونکہ رضایا بقضاء معرفت پر ہے۔ جو بندہ مقام رضایا میں آیا اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو بلا اسکے
 سامنے آئی اور جس امتحان میں اسکا قلب مبتلا ہوا اس میں خوش رہتا بلکہ لذت عیب پاتا ہے کیونکہ اسکی نظر اس بلا کے دینے دے رہتی ہے اور وہ
 انوار معرفت سے مالا مال ہو جاتا ہے جسکا نظیر دنیا و مافیہا بلکہ تمام عالم میں نہیں ہے اس واسطے جو تقدیر اس پر جاری ہوتی اسکو دیکھو تو کیسی آسانی سے
 برداشت فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مصیبت پہنچنے پر جس نے کہا کہ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے
 ہوتے ہیں ہمارے پاک پروردگار تو ہم کو اس سے بہتر بجائے اسکے عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ اسکو اس سے بہتر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی فرمایا کہ جو مقام
 رضایا میں ثابت قدم ہے اللہ تعالیٰ ہر زندگی و موت وغیرہ میں بفضل عظیم اسکی خلافت فرماتا ہے کیونکہ فرمایا۔ **وَقَالُوا احْسَبْنَا اللہَ اٰخِرَہ**۔ اور ظاہر ہے
 کہ اللہ تعالیٰ جسکا کافی ہو اسکی اہلی اہرت یہ کہ اس کافی پاک کا مشاہدہ پائے اور نعمت زائل شدہ کا بدلا تو ادنیٰ ہے اور فرمایا۔ **سَيُؤْتِيَنَّ اللہَ
 مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولَہ**۔ اللہ تعالیٰ ہکو اپنے فضل سے عطا فرما دیگا۔ فضل عطا یہ کہ قرب مشاہدہ نصیب کرے گا اور اسکا رسول پاک فرما دیگا اور وقت
 ظاہر کرے گا اور خلائق ادب آراستہ کر دیگا تاکہ لائق درگاہ کبریائی ہوں۔ انا الی اللہ راجعون۔ ہکو تو اپنے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حقیقت میں رغبت ہے

اگر کسی چیز کی طرف نہیں پس جنت یہ کہ اسکے جمال پاک کا شوق ہو۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے صادقین - عارفین - مریدین کو منکے دعا کے آداب سکھائے ہیں۔ ابراہیم بن ادہم نے کہا کہ جو شخص تقدیر الہی پر راضی ہو اور کبھی ٹکین نہیں ہوتا۔ فضیل رحمہ اللہ نے کہا کہ جو راضی تقدیر ہوا وہ اپنی منزلت سے بڑھ کر تنہا نہیں کرتا۔ مترجم کہتا ہے کہ آگے جو آیت کریمہ آتی ہو اس کے معنی و اشارتی تعلق کو شخص نے اس طرح ذکر کیا کہ منافقین و اہل دنیا جو زکوٰۃ وغیرہ سے حصہ لگتے وہ دعوت ایمان و معرفت میں جھوٹے تھے ان کے منہ میں دروغ کی خاک جھونک کر بیان فرمایا کہ صدقہ مشاہدہ جمال و انوار وصال جسکو منافقین کذاب لگتے ہیں وہ ان کے لائق نہیں بلکہ مخصوص باہل مقامات و بندگان ربانی و روحانی ہے اور حق تعالیٰ نے خود اسکو تقسیم فرمایا۔ مترجم کہتا ہے کہ تفسیر کلام کے مفسرین نے فرمایا کہ جب منافقوں نے رسول اللہ صلعم پر تقسیم صدقات کے بارہ میں اپنی ناپاک زبان دراز کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ میں دروغ کرنے کو بذات پاک اسکا صرف بیان فرمایا بقولہ

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلَانِ عَلَيْهَا وَالْمَوْلُفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

زکوٰۃ جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانوروں کا اور جبکا دل پر چاہتا ہو اور گروہین چھڑانے میں
 وَالغَرَامِينِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالنَّاسِ السَّبِيلِ وَالْفَرِيضَةِ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
 اور جو تادان بھیرن اور اللہ کی راہ میں اور رام کے مسافر کو ٹھہرا دیا ہو۔ اللہ کا اور اللہ سب جانتا ہو حکمت والا

آیت کریمہ میں حرف انما صریحاً ہے یعنی صرف زکوٰۃ انہیں آٹھوں اصناف مذکورہ میں منحصر ہے ان کے سوائے کسی اور کو دینا جائز نہیں ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اس پر اجماع و اتفاق ہے پھر مفسرین نے بنا بر مذہب شافعی نے کہا کہ ان میں سے کسی صنف کو محروم کرنا بھی جبکہ موجود ہو وہ جائز نہیں ہے۔ پس امام مسلمین ان سب اصناف پر مساوی تقسیم کرے اور اسکو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی صنف کو دوسری صنف سے زیادہ دے اور دوسری کو بالکل محروم نہیں کر سکتا۔ مترجم کہتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے و عنقریب تفسیر میں تفصیل آدے گی۔ پھر مفسر نے کہا کہ حرف الف لام جو للفقر اور وغیرہ پر ہے اسے افادہ دیا کہ ہر صنف کے تمام افراد کا استغراق واجب ہے یعنی ہر صنف کے تمام افراد کو دینا چاہیے و لیکن چونکہ یہ امر متعذر ہے لہذا زکوٰۃ تقسیم کنندہ سے یہ وجوب ساقط ہوا اور اسقدر پر کفایت کی گئی کہ ہر صنف میں سے تین فرد کو دیدے اگر تین سے بھی کم کے تو روا نہیں ہے کیونکہ صیغہ جمع کم سے کم تین فرد پر صادق ہوگا و الحاصل جب صیغہ جمع پر الف لام داخل ہوا تو معنی جمعیت کے ساقط ہو کر استغراق ہو گیا تھا لیکن جب استغراق پر عمل متعذر ہوا تو پھر مفاد صیغہ جمع پر عمل ضروری رہا پس عین سے کم کو دینا کافی نہ ہوگا پھر آیت میں اجمال تھا کہ فقرا مثلاً مسلمان و کافر وغیرہ سب کو شامل ہو یا خاص مراد ہو تو سنت نے بیان فرمایا کہ جس کو صدقہ میں سے دیا جائے ان اصناف میں سے وہ ضرور ہو کہ مسلمان ہو اور ہاشمی یا مطلبی نہ ہو۔ بدلیل حدیث صحیح کہ بنو ہاشم و بنو مطلب بمنزلہ واحد ہیں اور ایک وایت میں ہے کہ بنو مطلب نے زانہ جاہلیت یا اسلام میں کسی بنو ہاشم سے مفارقت نہیں کی پس عیسے ہاشمی کو بلا اتفاق نہ دیا جائے ویسے ہی بدلیل مذکور بنو مطلب کو بھی نہ دیا جائے گا اور یہی امام احمد کا قول بھی ایک وایت میں مروی ہے اور اگر حنفیہ نے اس میں خلاف کیا اور واضح ہو کہ ہاشمی کا غلام بھی ہونا شرط ہے کیونکہ جب غلام کی ملک میں مولیٰ کی ہے تو گویا مولیٰ ہاشمی کو دیا پس جائز نہیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں پس لفظ فقرا و مساکین وغیرہ کی تفسیر بیان ہوگی اور یہ امر کہ حرف انما سے انحصار اس امر کا مقصود ہے کہ صدقہ کا مصرف ان اصناف سے خارج نہیں یا اس امر کا کہ صدقہ ان سب میں تقسیم کر دینا واجب ہے اور یہ امر کہ اس تالیف میں اصناف مذکورہ باقی ہیں یعنی ان سب کو دیا جائے گا یا بعض ساقط ہو گئے ہیں اور نیز یہ امر کہ ہاشمی کے حق میں اب کیا فتویٰ ہے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کا مصرف بیان فرمایا بقولہ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ عینی صدقات کا استحقاق تو انہیں اصناف لیلیٰ

ہے جو ان کے مذکورہ میں مفسر نے کہا کہ صدقات سے زکوٰۃ یعنی اموال زکوٰۃ مراد ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ چونکہ منجملہ اموال بیت المال کے خراج وغیرہ ہر آدمی
 بالاتفاق اسکا مصرف نہیں اصناف میں منحصر نہیں اور حق انما انھیں اصناف پر مصرف مقصور ہونے کیلئے ہے پس ان سے متجاوز کہیں صرف نہیں
 ہو سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار نہیں کہ منافق وغیرہ جس کسی کو چاہیں دیدیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل عیال کے لئے کبھی اس
 مال میں سے جو لوگوں کا میل کھیل ہو نہیں لیا بلکہ اپنے جوین حصہ نصیب پر اکتفا فرماتے تھے چنانچہ فرمایا۔ انا ہی من ادساغ الناس فلا تمیل لحد
 علا لائل محمد۔ اور سبطین مکر میں سے ایک نے معتقائے بچپن ایک چھوڑا منہ میں ڈال لیا تھا تو کچھ لکھ کر ٹھکرا دیا کہ یہ لوگوں کا میل کھیل ہے
 پس اس آیت سے ظن کہے والے منافقوں حریصوں کی امید ٹوٹ گئی کہ جب صدقہ انھیں اصناف میں منحصر ہوا تو وہ گنہگار خواہ مخواہ اس میل
 سے محروم و محسوس کرتے رہے۔ پس جب انحصار کے معنی ہیں جو مذکور ہوئے تو امام المسلمین یا صدقہ دینے والے کو اختیار ہے کہ چاہے ان آٹھوں اصناف
 کو تقسیم کرے یا بعض اصناف کو سب سے اور بعض کو محروم چھوڑے اور ہی حضرت عمر و عدلیہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم والہم اعلیہ سعید بن جبیر رضی اللہ
 عنہم کا قول اور ہی ابو حنیفہ و مالک احمد کا مذہب ہے وہاں جو بیٹے کہا کہ یہی عامہ اہل علم کا قول ہے اور امام مالک نے کہا کہ اسی پر اجماع ہے اور
 ابن عبد البر نے کہا کہ مراد اجماع صحابہ ہے کہ کوئی اسکے مخالف نہیں معلوم ہوا پس شافعی ہوا ایک جماعت نے جو کہا کہ آٹھوں اصناف کا استیعاب واجب
 اور کسی کو محروم نہیں کر سکتا ضعیف ہے اسلئے کہ انحصار انما۔ اسلئے نہیں کہ تقسیم ان اصناف پر استیعاب واجب ہے و تمام الکلام فی الفقہ۔ پھر قولہ و للمفقیر
 المسکین لے ثابہ للمفقیر آہ او مصروفہ لہم یعنی اموال زکوٰۃ ثابت ہیں یا پھر لے گئے ہیں واسلئے فقرا کے اور واسلئے مساکین کے آج۔ اور حدیث
 میں ہے۔ لا تحمل الصدقۃ نفی ولا لای مرہ سوی۔ یعنی حلال نہیں صدقہ کسی غنی کو اور کسی کمائی کی قوت رکھنے والے تندرست کو۔ و او احمد و اہل سنن
 پس تو نگرگو حلال نہیں اور حدیث میں ہے کہ امرت ان اخذ الصدقۃ من اغنیاءکم و ارد با علی فقراکم یعنی مجھے حکم ہے کہ تمھارے تو نگرگوں سے صدقہ
 لیکر تمھارے فقروں پر دکر دوں یعنی تمھارے فقروں پر تقسیم کر دوں۔ اس حدیث میں بھی استیساں ہے کہ استیعاب جملہ اصناف واجب نہیں اور
 نیز ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے فقروں وغیرہ کو دینا لازم ہے پس جیسے کافر عیال سے صدقہ لیا جائے ویسے ہی کافر فقروں کو دیا بھی جائے گا
 یہی کثیر وغیرہ نے کہا کہ فقرا کو مقدم کیا اسلئے کہ شدت محتاجی میں انکا مال باقیوں کے نسبت زیادہ پریشان ہوتا ہے اور یہ توجیہ چاہتی ہے کہ محتاج
 کی ترقیب ان اصناف کو ذکر فرمایا ہے و مشاعر علم و لیکن علماء نے اختلاف کیا کہ فقیر زیادہ تہا مال ہوتا ہے یا مسکین پس یعقوب بن السکیت و تیبی و یونس
 بن جلیب نے کہا کہ فقیر کے پاس قدر کفایت میں سے کچھ ہوتا ہے تو وہ نسبت مسکین کے جسکے پاس کچھ نہیں ہوتا اچھا ہے اور ہی ابو حنیفہ و احمد و بعض اہل فقہ کا
 قول ہے کہ وہی وغیرہ اہل سنت نے کہا کہ مسکین اس سے اچھا ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے کہا کہ انا السفینۃ فکانتم لساکنین یملون فی البحر۔ پس مالکان
 کشتی کو مسکین فرمایا مالانکہ وہ اکثر پیش قیمت ہوتی ہے اور اسی قول کو طحاوی نے کو فیوں سے حکایت کیا اور ہی شافعی کے دو قول میں سے ایک اور
 لای اکثر صحابہ شافعی کا قول ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ دو نون کا مال محتاجی میں برابر ہے اور ہی شافعی کا دوسرا قول ہے اور ہی ابو یوسف و صاحب
 مالک کا قول ہے اور ابن عباس حسن و عمر و محمد مجاہد سے مروی ہے کہ محتاج مستغنیٰ تو فقیر ہے اور محتاج سائل کو مسکین کہتے ہیں۔ اور ہی ابن جریر
 و بیہقین نے اختیار کیا۔ لیکن حدیث لا تحمل الصدقۃ نفی آہ سے نکلتا ہے کہ فقیر ایسا محتاج ہے جو کما سے پر قادر نہ ہو اور شاید یہیں سے قنادہ نے کہا کہ فقیر
 وہ ہے جو پانچ ہونے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین یہ لوگوں کے پاس پھیرے لگائے والے ہیں کہ اسکو لغو و لغو یا
 چھوڑا دو چھوڑا ہے دیکھناں دیتے ہیں تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ جو فقیر کفایت نہیں پاتا کہ اسکو بے پروا کرے
 اور اسکے مال سے آگاہی بھی نہیں ہوتی کہ کوئی اسکو صدقہ دیتے اور وہ خود لوگوں سے مانگتا نہیں ہے۔ و الحدیث فی المسکین وغیرہا۔ اور

لے زکوٰۃ تو نگرگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا اچھا ہے اور ہی ابو حنیفہ و احمد و بعض اہل فقہ کا قول ہے کہ وہی وغیرہ اہل سنت نے کہا کہ مسکین اس سے اچھا ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے کہا کہ انا السفینۃ فکانتم لساکنین یملون فی البحر۔ پس مالکان کشتی کو مسکین فرمایا مالانکہ وہ اکثر پیش قیمت ہوتی ہے اور اسی قول کو طحاوی نے کو فیوں سے حکایت کیا اور ہی شافعی کے دو قول میں سے ایک اور لای اکثر صحابہ شافعی کا قول ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ دو نون کا مال محتاجی میں برابر ہے اور ہی شافعی کا دوسرا قول ہے اور ہی ابو یوسف و صاحب مالک کا قول ہے اور ابن عباس حسن و عمر و محمد مجاہد سے مروی ہے کہ محتاج مستغنیٰ تو فقیر ہے اور محتاج سائل کو مسکین کہتے ہیں۔ اور ہی ابن جریر و بیہقین نے اختیار کیا۔ لیکن حدیث لا تحمل الصدقۃ نفی آہ سے نکلتا ہے کہ فقیر ایسا محتاج ہے جو کما سے پر قادر نہ ہو اور شاید یہیں سے قنادہ نے کہا کہ فقیر وہ ہے جو پانچ ہونے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین یہ لوگوں کے پاس پھیرے لگائے والے ہیں کہ اسکو لغو و لغو یا چھوڑا دو چھوڑا ہے دیکھناں دیتے ہیں تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ جو فقیر کفایت نہیں پاتا کہ اسکو بے پروا کرے اور اسکے مال سے آگاہی بھی نہیں ہوتی کہ کوئی اسکو صدقہ دیتے اور وہ خود لوگوں سے مانگتا نہیں ہے۔ و الحدیث فی المسکین وغیرہا۔ اور

سکین کی اس تفسیر پر قولہ اما السفینۃ فكانت لمساکین الآیہ سے منافات نہیں اور ہی کو ترجیح دی گئی ہو اور ہی کو مفسر محمد اللہ نے اختیار کیا اور کہا کہ فقیر وہ ہے جو اس قدر پائے کہ اسکے موقع کفایت میں واقع ہو اور کمالین میں کہا کہ مراد یہ ہے کہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو کہ اسکی حاجت روائی میں کام آئے

قولہ وَالْعَاصِلَاتِ عَلَیْہَا لَ لِلَّذِیۡنَ یَعْمَلُونَ عَلَی الصَّدَقَاتِ۔ اور صدقات ان لوگوں کے واسطے ہیں جو صدقات پر عامل مقرر ہوں۔ وہی اسراج پس عامل کو صدقہ میں سے دیا جائے اگرچہ وہ تو گنہگار ہو اور لفظ عامل میں ساعی و کاتب دعا شروع و غیرت حاسب حافظ اموال و موزن و پیمانہ کفترہ وغیرہ سب داخل ہیں اور ساعی وہ ہے جسکو امام بصرہ قبضہ صدقات روانہ کرے اور عرف جوار باب استحقاق کو پہچانے اور جو لوگ کہ ذکوہ کو مال سے تمیز کریں اور جمع کریں ان کی اجرت بزمہ مالک سے اور شرط یہ ہے کہ عامل ہاشمی ہو اور بنا بر قول شافعی م کے مطلبی ہی ہو۔ وَالْمَوْتَلَفَاتِ قُلُوبِہُمْ۔ اسے ولذین یالفت قلوبہم۔ اور صدقات ان لوگوں کے لئے ہیں جنکے دلوں کی تالیف کی جائے اور وہ پچھلا تمام ہیں بعض وہ اشرف کافر کہ جن کو اس واسطے دیا جائے کہ وہ مسلمان ہو جاویں جیسے آنحضرت مسلم نے صفوان بن امیہ کو خنایم حنین سے دیا حالانکہ اسوقت مشرک تھا چنانچہ خود صفوان نے روایت کی کہ حنین کے روز آنحضرت مسلم نے مجھے عطیہ دیا حالانکہ آپ مجھے سب سے زیادہ بغرض تھے پھر برابر دیا کہ یہاں تک کہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ رواہ مسلم وغیرہ اور بیضاوی نے کہا کہ اصح یہ کہ ایسے کافروں کو آپ اپنے مخصوص پانچویں حصہ میں سے جو خمس غنیمت میں سے ہوتا تھا عطا کرتے تھے اور بعض وہ کہ جن کے اسلام میں ضعف ہو دیا جائے تاکہ اسکا اسلام خوب ثابت ہو جائے جیسے طلق قریش کو بروز حین سو سو اونٹ لئے اور حدیث میں ہے کہ میں بعض آدمی کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا بہ نسبت اس کے مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے بدین خوف کہ اللہ تعالیٰ اسکو اندر سے منہ بہ منہ میں نہ ڈالے اور بعض وہ کہ جن کے دین سے ان کے ہمسوؤں کے مسلمان ہوجانے کی امید ہو اسکی واسطے آنحضرت مسلم نے عینیہ بن حصن و عباس بن مرواس و افرع بن خابس و عطار بن تمیم کو دیا۔ وہی ذلک قال عباس ہذا سے اجماع نہیں و نہیب البعیدہ بن عینیہ والا قرع ہالی آخر علی مانی صحیح مسلم۔ اور بعض وہ کہ دار الاسلام سے ڈانڈ لئے ہوئے کفار کی شرارت ہم سے دور رکھے یا ذکوہ دینے سے انکار کر نیوالوں سے رستی پر لاکر ذکوہ وصول کر لائے کیونکہ لشکر بھیجنے سے یہ آخان ہو۔ سراج میں کہا کہ کافروں کے اسلام لانے کی تالیف کیلئے اٹ دیا جائیگا نہ ذکوہ میں سے اور نہ کسی مال میں سے کیونکہ نہ دینے پر اجماع ہو گیا اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دیدی اور اہل اسلام کو تالیف کی حاجت نہیں رہی۔ شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کافروں کو اسلام کی تالیف کیلئے دیا جائے یا نہیں تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے چنانچہ عمرہ و عامر بنی و ایک جماعت سے مروی ہے کہ اس میں دیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام و اہل اسلام کو عزت دیدی اور بے پردا کر دیا اور قول ہی مشہور مذہب امام مالک امام ابو حنیفہ کا ہے کہ حتیٰ کہ بعض حنیفہ نے اپراجماع صحابہ کا دعویٰ کیا اور یہی روایاتی ہم و ایک جماعت کا قول ہے پھر ابن کثیر نے لکھا کہ دیگر علمائے کہا کہ اب بھی دئے جاویں کیونکہ آنحضرت مسلم نے بعد فتح مکہ شکست ہوازن کے ان کو دیا۔ قال المفسر اقسام مؤلفۃ القلوب میں ایک قسم کہ ان کو اس غرض سے دیا جائے کہ اسلام لے آویں اور ایک قسم کہ اہل اسلام سے پڑوسی کافروں کا ضرر دفع کریں ان دونوں کو امام شافعی کے نزدیک دیا جائے اور باقی دو قسم کو مالک کہ اسلام پر ملت قدم نہیں دے وہ کہ انکی جگہ کسی ایک ہمسو اسلام لادیں بنا بر قول کے دیا جائے بعض نے کہا کہ یہی ظاہر آیکے مولف کو کہ اولہ القلوب کا حصہ بھی باقی ہے کیونکہ یہ ہمسو ہے کہ کسی کی عزت بڑی ہو اور عزت ہوتی ہے وقت کچھ عزت کیلئے انکا حصہ قطع کر دیا اور ہر سے روایت ہے کہ بعض اس کا ضرر ہونا نہیں معلوم ہوا۔ اور ہی پر ادوی نے فتویٰ دیا ہے۔ قال المترجم امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا حصہ مطلقاً ساقط ہے اور شافعی کے نزدیک اسکے اقسام چار گانہ میں سے دو ساقط و دو باقی ہیں و مال کہ ان کے نزدیک ساقط نہیں ہے پھر بنا بر قول اول کے جب ان کا حصہ ساقط ہوا تو یہ حصہ بھی باقی اصناف کی طرف پھیرا جائے یعنی اموال صدقات اب جہاد سے انصاف کیلئے منحصر ہیں جنہیں سے فقرار و مساکین و عاقلین کا ذکر

کہ انکا حصہ بھی باقی اصناف کی طرف پھیرا جائے یعنی اموال صدقات اب جہاد سے انصاف کیلئے منحصر ہیں جنہیں سے فقرار و مساکین و عاقلین کا ذکر

ہو چکا اور چہارم مؤلفۃ القلوب ساقط ہو سے اور باقی یہ ہیں یعنی پنجم۔ قولہ۔ وَفِي الرَّقَابِ عِبْرَةٌ لِّمَن يَتَّقِ الْكَافِرِينَ مَن بَانَدِي
 وغللاموں کو ان کے انکوں نے مکاتب کر دیا ہو سطر کہ ان کو تحریر لکھدی کہ تم اسقدر مال خواہ کیشیت یا قسط واداد کر دو تو تم آزاد ہو جاؤ پس
 مال صدقات سے ان کی گردن آزاد ہونے کیلئے دینا چاہیے اور یہ مخصوص مسلمان باندی و غلام مکاتب کے حق میں ہو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا
 واللہ اعلم اور یہی تفسیر حسن بصری اور مقاتل بن حیان و عمر بن عبدالعزیز و سعید بن جبیر و غمی و زہری و ابن زید و غیر ہم سے مروی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ
 عنہ سے بھی ایسی ہی مروی ہے اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ دستانہ فی ولایت بن سعد اور اکثر فقہار کا اور ایک روایت مالک سے ہے اور قولہ تعالیٰ وَاَتَوْهُمْ مِّن
 مَّا لَللّٰهِ الَّذِي اَتَاكُمْ مِّنْهُ اَيُّ ذٰلِكَ كَرِهَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَفْسِرُوْنَ اَنَّ كَيْدَ الْغٰلِمِ اَوْ كَيْدَ الْغٰلِمِ a

۱۲۹ سے زنگی ہے

قیامت کے روز بلا کر سامنے کھڑا کرے گا اور فرما دے گا کہ اے آدمی تہ نے کس کام میں یہ فرض لیا اور کس کام میں لوگوں کے حقوق کو ضائع کیا وہ عرض کرے گا
کہ لے پروردگار تو جانتا ہے کہ میں نے کیا سونہ کھایا نہ پیا اور نہ ضائع کیا لیکن آگ لگی یا چوری ہوئی یا گھسی آئی پس حق تعالیٰ فرما دے گا کہ میرا بندہ ستمناہی
اور میں تیری طرف سے ادا کرنے کا آج احی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ کہہ سکے گا کہ اس کے تراویح کے پہلے میں کھو گیا پس اسکی نیکیاں اسکی برائیوں پر بھاری
و بھکتی ہو گئی پس اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے جنت میں داخل ہوگا۔ رواہ احمد اور حدیث مسلم میں ابو سعید خدری سے ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں
ایک شخص نے باغ خرما خرید اور پھل سبب آفت زدگی کے ضائع ہوئے تو آنحضرت صلعم نے اسے فرموا ہوں کہ فرمایا کہ جو کچھ تم کو پتا ہو وہی لیلو
اور اس سے زیادہ تمہارے واسطے کچھ نہیں ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ علماء حنفیہ کے نزدیک جو شخص قاضی کے علم میں مفلس شہرے قاضی اسکو قید نہ کرے گا اور قید
کیا ہو تو ہا کرے گا جیسا کہ ادب القاضی وغیرہ کے مسائل سے واضح ہے لیکن مواخذہ آخرت سے بری نہ ہوگا مگر آنگذ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو
عفو فرمائے و احادیث سابقہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ قاضی۔ بالجملہ جو شخص غرم و قرض اٹھائے ہوئے ہو موافق تفصیل مذکورہ بالا کے اس کو
صدقات سے دیا جائے۔ قسم ہفتم۔ وفی سبیل اللہ لے فین ہو قائم فی سبیل اللہ اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قائم ہو مفسر نے لکھا کہ
ان لوگوں کے واسطے جو جہاد کرنے پر قائم ہوں مجملہ ایسے لوگوں کے جنکے واسطے فی انہیں اگرچہ وہ لوگر ہوں یعنی دیوان میں ان کیلئے کوئی حق مقرر نہیں ہے
تو باوجود تو گر ہونے کے انکو دیا جائے اور امام ابو حنیفہ و صاحبین نے کہا کہ غازی کو صدقات میں سے جیسا کہ جہاد سے منقطع و فقیر ہو یا امام احمد
نے سچ کو بھی سبیل اللہ میں سے قرار دیا اور اس میں ایک حدیث بھی آئی ہے جس میں سچ کافی سبیل اللہ ہونا مذکور ہے اور ابن عمر نے کہا کہ وہ حاجی و عمرہ کرنا والے
لوگ ہیں یعنی نے کہا کہ لفظ عام ہے جس کسی خاص پر تقصیر نہ کیا جائے بلکہ جملہ وجوہ خیرا تذقیہ مساجد و بل و یغنی موتی وغیرہ کے دخل ہیں اور اس قول
میں نظر ہو اسلئے کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے اور تقیر مساجد وغیرہ میں تملیک نہیں و ہذا علی اصل الحنفیہ در ادنی وہ تفسیر ہے جو اول مذکور ہوئی یعنی غازی لوگ
مراد ہیں کیونکہ اس پر ہونے اتفاق کیا ہے۔ و ابن السبیل یعنی راہ اور ابن سبیل مسافر یعنی مسافر کو دیا جائے جب کا زاد راہ سفر میں چلے
ہو پس سقد دیا جائے کہ کھڑک ہو سچ جائے اگرچہ وہ اپنے گھر سے لوگر ہو اور اگرچہ ایسے شخص کو پائے جس سے قرض لے سکتا ہو اور امام مالک نے کہا کہ
اگر قرض مل سکتا ہو تو صدقات سے نہ دیا جائے۔ فقہاء عراق نے کہا کہ ابن سبیل سے وہ حاجی مراد ہیں جو سفر میں منقطع ہو گئے ہیں اور یہی امام محمد کا قول ہے
ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ صدقہ کسی لوگر کو حلال نہیں ہے مگر پانچ لوگوں کو حلال ہے ایک وہ کہ جو اسپر عامل مقرر ہو۔ دوم
وہ کہ جس نے اسباب صدقہ کا اپنے مال سے طرید ہو سوم وہ کہ فارم ہو چام وہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں غازی ہو چہم وہ جسکو کسی مسکین نے جس نے صدقہ
پایا یا تھا ہر دیدیا۔ اخر جہا بن ابی شیبہ ابو داؤد و ابن ماجہ و ابن المنذر و ابن مردویہ۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غارم کسی مرد تو گر بھی ہوتا ہے
اور صولت اسکی یہ ہے کہ مسلمانوں میں فقہ دور کرنے یا بل مسجد وغیرہ تعمیر کرنے کی واسطے اسے بوجہ اٹھایا ہو پس اگرچہ غنی ہو اسکو اموال صدقہ میں سے دیا جاو
چنانچہ اور اسکی تفسیر گزری۔ واضح ہو کہ عالم وغیرہ میں لکھا کہ جس شہر میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے جب اس میں صدقہ جسے مستحق موجود ہوں تو ان کے ہوتے
ہوئے دوسرے شہر کو زکوٰۃ منتقل کر لیا جائے کہ وہ اور حدیث مواذیرہ وغیرہ اسی پر دلالت ہے کہ وہاں کے لوگر وہیں سے لیکر وہیں کے فقروں پر تقسیم کی جاوے
اور اگر سال گزرتے کیوقت جنگل میں ہو تو وہاں سے جو زیادہ قریب شہر ہو اسے فقرا پر تقسیم کرے اور اگر مستحق لوگ لینے سے انکار کریں تو ان سے قائل
کیا جائے گا اور یہ بنا بر قول شافعی ہے کہ جو۔ اور اوپر ثابت ہو گیا کہ مراد آیت سے یہ کہ اصناف مذکورہ صرف زکوٰۃ ہیں یہ نہیں کہ ان اصناف میں تقسیم جب
سے پس ائمہ ثلاثہ باقیہ کے قول پر مستحقین کے انکار سے ان سے قائل جائز نہ ہوگا اور امام رازی وغیرہ نے لکھا کہ آیت میں امام شافعی کے قول پر دلیل
نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جملہ صدقات کو ان اصناف کیلئے کر دیا ہے اور یہ مقصود نہیں کہ مثلاً زکوٰۃ ان اصناف مذکورہ میں تقسیم کرنا واجب ہے چنانچہ

قوله تعالى واعلموا انما غنمتم من شئ فان شهدتموه لآية من الاتفاق بانحوان حصه من آية کے مستحقین میں بطریق توزیع تقسیم کرنا واجب نہیں ہے یہی ایسا ہی آیت
 الصدقات میں ہے اور اوپر بیان ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ وغیرہ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا حصہ مطلقاً ساقط ہے اور دیگر علماء کے نزدیک نہیں۔ اگر کہا جاوے
 کہ للفقراء سے مؤلفۃ قلوب ہم تک باللام فرمایا اور فی الرقاب سے بعد میں بمرتب فی فرمایا تو اس میں کیا لکتہ ہے۔ اس سوال کا جواب کشاف و بیضاوی وغیرہ میں
 دو طرح سے مذکور ہے ایک یہ کہ فی الرقاب بجائے للرقاب لے تے ہیں ایذاں ہے کہ رقاب کا بعد والے صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں گو یا صدقات انہیں میں
 موضوع ہیں اور دوم یہ کہ اس اشارہ کیلئے بجائے لام کے فی فرمایا کہ استحقاق اس جہت کا ثابت ہونا ان لوگوں کا قطع نظر اس جہت کے یعنی فی الرقاب میں
 عدل نفی سے دلالت ہے کہ فک قبہ کی جہت سے مکاتب لوگ مستحق ہیں لہذا اگر صدقات کا مال مکاتبین و غارمین و فی سبیل اللہ تعالیٰ و ابن سبیل کو دیا جاوے
 تو بے اسی راہ میں صرف کریں اور جائز نہیں کہ جو چاہیں کریں کذا قبل پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ مَعْدُ مَوْكِدٌ مَّصُوبٌ اِنْفَعْلُ مَقْدَرٌ سَ
 ہے کیونکہ انما الصدقات للفقراء کے یہی معنی ہیں کہ انما فرض اللہ الصدقات لم۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیلئے صدقات فرض کئے ہیں فَرِيضَةٌ مَفْعُولٌ مَطْلُوعٌ بِجَدْفِ
 فعل اسی کی تاکید کرتا ہے اسے فرض اللہ ذلک فَرِيضَةٌ مِّنْ عِنْدِهِ۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے اسکو فرض کیا اپنی جانب سے فرض کرنا بدین مداخلت کسی کے
 اجتہاد کے پس کسی کو اس میں تجاویز تقسیم الہی بطریق اجتہاد و رائے وغیرہ جائز نہیں۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ اور اللہ تعالیٰ علیم ہے کہ بندوں میں
 سے ہر چیز کے مستحق کو خوب جانتا اور حکیم ہے کہ تدبیر و حکمت سے ان کیلئے اسلئے فرض فرمایا ہے لہذا صدقات کے مستحقین کو اپنے علم و حکمت سے منحصر کرنا
 فرمایا کسی کی رائے و اجتہاد پر نہیں چھوڑا۔ فی العرائس قوله تعالى انما الصدقات للفقراء۔ صدقات سے فضل و لطف خاص کی طرف اشارت
 ہے پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ الطاف و انفعال منحصر ہیں اہل معرفت و ایمان میں جن کے استحقاق کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہی علیم و حکیم ہے چنانچہ اُسکے
 علم میں ہے کہ اُسکے اہل معرفت جملہ انعام بہت تفاوت معرفت کے اُسکی عدائیت و فردانیت میں حیران ہیں بعض اہل غائب ہیں اور بعض مستغرق
 اور بعض والد و بعض ہائیم ہیں لگو طاقت نہیں کہ ضروریات حوائج کے اکتساب میں مشغول ہوں لہذا ان کے لئے یہ حصص مقدر کیے تاکہ بقدر رزق الہی
 کے حلال طیب حاصل کریں پھر ان کی تعداداً انقسام بیان کئے اور فقراء کو مقدم کیا جس سے ان انعام کے سوائے اور ان کی طبع کاٹ دی کہ اُسکے
 سوائے کسی اور کو یہ حصہ نہیں مل سکتا بدلیل جرت انما کہ صدقات انہیں میں منحصر ہیں پھر فقراء وہ لوگ ہیں جو تمام عالم سے اپنے دل الگ کئے اور تن اُٹھائے
 ہوئے ہیں اور سب صفت پاک ہیں کیونکہ قدس قدم سے منصف ہو کر اپنی خودی سے خارج ہو کر مقدس منزہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی فردانیت کے ساتھ
 مستور و مجرد ہو رہے حالانکہ اپنے آپ کو مجرود و منزہ و مقدس خبرہ کچھ نہیں جانتے اسلئے کہ خودی سے خارج ہیں و نہ جو کوئی اپنے آپ کو منزہ سمجھے وہ شرکِ خفی سے
 سخت نمس ہے پس یہ لوگ کسی چیز کے فقر محتاجی نہیں رکھتے سوائے وصال ابدی کے کہ وہی وصال کے محتاج ہیں اور سائیں وہ لوگ ہیں جو جملہ انس میں فقر و
 کے ساتھ سکون رکھتے اور جانوں کو بندگی میں لگائے اپنی خودی سے خارج ہیں اور ان کے دل نور میں ڈوبے ہیں بیواسطے سید المرسلین صلعم نے مسکنت
 کو اختیار کیا لہذا روى عنہ اللهم يبي مسكينا و امضى مسكينا و احشروني في زمرة المساكين۔ عاقبتین و عارت بندے ہیں جن کو مرتبہ تکلیف استقامت کا مقام توحید
 میں حاصل اور وہ نور نقار میں داخل ہیں انکو بسط و انساط کا نتیجہ ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے جو د کے خزان اور دایا حش پشیمان ہیں۔ مؤلفۃ القلوب
 وہ مرید ہیں جو نرم قلبی و صفائی نیت سے اُسکی راہ چلے و شوقِ جہت میں جان ہلائی مگر قوی منزلت و الوان کی نسبت یسیرت لوگ ہیں پس اللہ تعالیٰ
 نے ان کو یہ نفع ان کے موانع و نشا ط خاطر عبادت کیلئے دیا لیکن یہ نہیں ہے کہ انہوں نے بغرض حصول ثواب یا مقام کے یا کسی کشف و کرامت
 پر مطلق ہونے کے اپنے اوپر مشقت لی و جان فدا کی ہو بلکہ بعض اللہ تعالیٰ کے واسطے اسی کے اوپر قربان ہونے کے لئے ایسا کیا ہے۔ فی الرقاب وہ لوگ
 ہیں جن کے قلوب تولدات جہت الہی میں مرہون اور ان کے نفوس جاہدہ میں مجوس ہیں اور تمام و کمال وہ شاہدین میں نہیں ہونے ہیں کسی اثر سے

فریجھاتے اور کسی اللہ بظن میں فنا ہو جاتے ہیں پس جب تک ان پر مجاہدہ کچھ باقی رہے یعنی لازم ہو کہ ابھی مجاہدہ بہا لادین تب تک مقام حقیقت میں نہیں
 پہنچیں گے چنانچہ حدیث میں آیا کہ حکم ابدا بظلام رہیگا جب تک سپر ایک نہ مسمی باقی رہے۔ قارئین وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبودیت میں حقوق معافیت
 نہیں دادے اور ایقان میں حقائق پر ہدایت کو نہیں پایا اور وہ ہمیشہ اس قرضداری و غرامت میں پڑے رہیں گے اسلئے کہ تقدان کے مانند چہر ان کی انتہاء
 نہیں ہو اور صبر کیساتھ بدل وجود کرنا جسقدر ان سے فوت ہوا اسکو کون اسکی طرف سے ادا کریگا اور وہ ان میں شکر کیساتھ حقوق کون ادا
 کریگا پس قبل معرفت کے یہ قرضداری کو اپنا قرضہ ادا نہیں کیا۔ اور فی سبیل اللہ وہ لوگ ہیں جو مجاہدات کیساتھ اپنے نفوس پر جہاد کرتے اور کشف مشاہدات
 کیلئے شہود غیب میں قلوب کو مربوط کرتے ہیں۔ ابن سبیل وہ لوگ کہ قلوب بیدار ازل میں اور ارواح سے میدان ابد میں اور عقول سے آیات کی راہ میں
 اور نفوس سے اولیاء اللہ کی جستجو میں مسافرت اختیار کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فریضہ من اللہ یعنی فریضہ ہو ادا نہ لائی عزوجل کہ اہل ایمان ایقان
 و عرفان کو اس قسمت سے مواہب فرمائی۔ واللہ اعلم حکیم۔ ان بندوں کے دنیا سے غائب ہونے کو جانتا ہے اور اہل عقی و اہل آخرت کی اس طرح مواہب
 و واجب کرنے میں حکمت الہیہ بعض نے کہا کہ فقرات میں طرف کے ہوتے ہیں ایک ہ کہ سوال نہیں کرتا اور نہ تعریف اور نہ دینے سے لیتا ہے تو ایسا فقیر و عانیوں
 کے مثل ہے۔ دوم وہ کہ سوال و تعریف نہیں کرتا مگر دینے سے ہی قدر لیتا ہے جسقدر کہ اسکو حاجت ہو تو اسپر کچھ حساب نہیں ہے۔ سوم وہ کہ بقدر روزینہ کے
 مانگ لیتا ہے اور اگر حاجت نہیں ہوتی تو باز رہتا ہے پس ایسا فقیر حظیرۃ القدس میں ہے۔ ابراہیم خواص نے کہا کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ جب کچھ پاس ہو تو سکون
 رکھے اور جب ہو تو غیرت و خشیت کرے اور سکین نہ ہو جس پر ناداری کا نشان ظاہر ہو۔ اُستاد نے کہا کہ سچا فقیر تو اہل حق کے نزدیک نہ آسمان کے نیچے نہ زمین
 کے اوپر نہ کہیں اسکا نشان ہوتا ہے یعنی نہ آسمان سے سایہ کا محتاج اور نہ زمین سے اپنا بوجہ اٹھانا چاہے اور نہ عبودیت میں اپنا نشان چاہے اور نہ کسی
 معلوم سے اسکو مشغل ہو پس وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے اور اُستاد نے کہا کہ ابن سبیل ان کے نزدیک وہ بندہ ہے جو امور مالون طبیعت
 میں اور جنین طبیعت کو تو من ہو ان سے مسافر رہے پس وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ہمان ہوتا ہے جو کسکا کھانا ہو اور خلوت اسکا جلسہ ہو اور محبت اسکا مینا ہو
 اور حق تعالیٰ اسکا مشہور ہے واللہ اعلم مترجم آتا ہے کہ جب دنوں طرح تجھے تفسیر اشارہ معلوم ہو چکا تو اگر تجھ سے سوال کیا جائے کہ بیان منافقوں کے قبائح
 و ذمائم کا بیان تھا اس میں اس آیت سے منافقوں کے حق میں کیا تکلیل ہوئی تو جواب ہے کہ اس آیت سے جب بیان کر دیا کہ صدقات کے مستحق ایسے
 اہل صدق ہنایہ کو وہیں تو بتلا دیا کہ منافقین اہل استحقاق میں نہیں ہیں نہ محروم ہیں اور ان کے طبع کی جرکات دی کہ کبھی اس بارہ میں کلام نہ کریں۔ پھر
 اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اور ایک قسم کی جہالت و قباحت بیان فرمائی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے اور ہتان سے عیب
 لگانے اور باتیں اڑاتے تھے۔ بقولہ تعالیٰ۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ ذُنَّ قُلْ أَذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ
 اور بعض ان میں بد گوئی کرنے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے تو کہہ کان ہی تمہارے بھلے کو یقین لاتا ہے
 بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ بِالْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ
 اللہ اور یقین کرتا ہے ہات مسلمانوں کی اور ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں اور جو لوگ بد گوئی کرتے ہیں
 رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ سُلْطَانٌ مِنْكُمْ

اللہ کے رسول کی ان کو ڈک کی بار ہے
 وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ كَيْفَ يَكُونُ لِقَوْمٍ كَذِبًا
 اور ان میں سے ہیں جو اللہ کے رسول کی جہالت و قباحت بیان فرمائی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں یعنی اپنے بد اقوال و افعال

Marfat.com

اس طرح کہ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی بھڑائی بائیں کہنے جو آپ کی شان کے لائق نہ تھیں اور جب ان سے منع کیا جاتا ہے کہ ایسی بات نہ کہو ایسا نہ کہو کہ ان کو خبر ہوئے تو جواب میں ایسے کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا۔ وَيَقُولُونَ لَوْ لَمْ نَجِدْ لَكُمْ آذَانَ الْجَحِيثِ لَكُنَّا بِكُمْ لَمَّامِينَ لَئِن لَّمْ يَئْتِنَا بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ نَحْسَبُكُمْ كَذَّابِينَ وَمَا نَحْنُ بِمُؤْمِنِينَ اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان ہی یعنی جھوٹے گدیش لیتا ہے۔ محاورہ ہونے میں کہ فلان اذن سامعہ یعنی سنتا ہوا کان ہے جو کہ دوسن لیتا اور سچ مان لیتا ہے۔ نزول اسکا منافقوں کی ایک جماعت کے حق میں ہوا جو حضرت مسلم کی صحبت کرتے اور جب ان میں سے بعض نے کہا کہ ایسی باتیں نہ کرو ایسا نہ ہو کہ انکو خبر ہوئے تو جلاس بن سوید یا بنٹل بن الحارث وغیرہ نے کہا کہ کہہ ڈر نہیں جب ہم ہا کر لگا کر کے قسم کھائیں گے کہ ہم نے نہیں کہا تو ان میں گے کیونکہ وہ زبے کان ہیں۔ قُلْ اَذُنٌ مِّثْرٌ لَّكُمْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اور کہتے ہیں کہ بھلائی کا سننے والا ہے نہ ٹھوسا وگا۔ ایک قرآنہ میں اذن خیر و نون مرفوع بتنویں میں یعنی تم سے سکر تمہاری تعریف کرے یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم کو جھٹلائے اور سچ نہ مانے پھر منافقوں کو جھٹلایا اور کہا کہ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا النَّاسَ بِاَئْتِنَا بِلِسَانٍ كَمَا تَقْرَبُوْنَهُمْ بِاَلْسِنَتِكُمْ فَتَكُوْنُوْنَ حَسْبًا لِّكُمْ اُولٰٓئِكَ يَكُوْنُوْنَ لَكُمْ اَعْيُنٌ مِّمَّا تَكُوْمُوْنَ اور تصدیق کرتا ہے مومنوں کی کہ انہیں کی بات ماننا ہے اور منافقوں کو جھوٹا ماننا ہے۔ اول میں حرف ہا سے تعدیہ ہے کہ اللہ فرمایا اسودہ یعنی تصدیق ایمانی ہے اور دوم میں ہلام ہے کہ لہو میں کہا اور یہ یعنی سہا ماننا۔ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَكَ مِنَ النَّاسِ لَعَلَّكَ تَهْتَكُهُمْ وَجَنَابَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَةٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ اور دوسرے میں نے رحمت بالرفق پر حوا عطف اذن پر یعنی اذن خیر و رحمت پس اول پر یہ یعنی کہ گوش رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو تم میں سے ایمان لائے یعنی بطور نفاق کے ایمان ظاہر کیا پس بظاہر تمہارا قول قبول کرتا اور تمہارا پردہ فاش نہیں کرتا ہے۔ اور قرآنہ دوم پر یہ یعنی معاملہ میں کہ اہل ایمان کے لئے رحمت ہے کیونکہ مومنین کے ایمان سے مشرت ہو نیکو وہی سبب ہے۔ پھر اس کلام میں بنا بر قرآنہ اول کے تنبیہ ہے کہ تمہارا قول قبول کرنا کہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ تمہارے حال سے نادان ہے بلکہ تم پر زبیر رحمت کر کے مان لیتا ہے پس جب ہر ایک کیلئے رحمت و شفقت ہو تو یہ کوئی چیز نہیں پھر تم ایسی باتوں سے اُسکو کیوں ایذا دیتے ہو۔ وَالَّذِيْنَ يُوْذُوْنَ رَسُوْلًا مِّنْ دُوْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اُولٰٓئِكَ يَكُوْنُوْنَ لَكُمْ اَعْيُنٌ مِّمَّا تَكُوْمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو جھوٹا ایذا دینے ان کیلئے دُکھ کی مار ہے یعنی منافقوں کے خبیث و خمار ہونے کے باوجود جب وہ رحمت فرماتا ہے اور اس پر یہ خبیث اسکی بھلائی کے عوض اسکو ایذا دیتے ہیں تو ضرور ان کو عذاب اور بڑے دُکھ والا عذاب ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم تھا کہ افعال منافقین کو کہ مخلوق کی رضا کیلئے خالق عزوجل کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں ذکر فرمایا۔ بقرہ آیت ۲۰۵

يَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللّٰهُ وَاٰخِرُ سُوْرَةٍ اَحْسَنُ اَنْ يَّرْضَوْكُمْ اِنْ كَا لُوْكُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

فیس کلمہ میں اللہ کی تمہارے لئے کہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اُس کے پھل کو بہت منوہی ماضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں

اَلَمْ يَكُوْلُوْا اَنَّهٗ مَن يُّنَادِيْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنْ لَّا يَكُوْنَتْ حَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ

وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کیسے اللہ اور اس کے رسول سے تو اسکو ہود و زنا کی آگ ہزار ہے اُس میں ہی ہے بڑی رسوائی۔

ابن کثیر اور غیر نے لکھا کہ قتادہ و سدی نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا کہ منافقوں کی جماعت میں سے ایک شخص جلاس بن سوید نے کہا کہ واللہ یہ ہمارے لوگ تمہارے میں سے بہتر و اشرن ہیں اور جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اگر وہ سچ ہو تو ہم اس صورت میں کہ ہوں سے بدتر ہوں گے اُن کے ساتھ انصار کا ایک نوجوان لڑکا عامر بن قیس بیچتا تھا اور اسکو منافقوں نے حقیر سمجھا اسکا کہ لہا لہا کیا اور غیبت و بدگویی کرنے لگے چنانچہ جب جلاس بن سوید لہا و دیہ میں ثابت نے وہ کلمہ کہا جو مذکور ہوا تو یہ لڑکا غضبناک ہو کر بولا کہ اللہ جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں وہ سچ ہے اور تم لوگ بیشک لہوں سے بدتر ہو اور وہ ان سے اگر حضرت مسلم سے بیان کیا اور اپنے جب منافقوں کو ہلا کر پوچھا تو نہیں کھانے لگے کہ ہم نے ہرگز نہیں کہا اور میں نے کہا ہوا پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے آپس حضرت مسلم نے اُنکی قسموں پہ لکھا اللہ تعالیٰ کا نام پاک در میان میں لاکر قسمیں کھائی تھیں تسلیم کر لیا اور عامر بن قیس کی طرف التفات نہ کیا پس سے

ثلثۃ اربع

عامر بن قیس کو غم ہوا اور دعا لگی کہ اے میرے پروردگار تو ہے کوجہاد بظاہر کر دے تو نازل ہوا **قوله تعالیٰ یحییٰ لفقون بالذبح قسین**
 کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی یعنی جھوٹی قسین۔ **لکھتے تعالیٰ واسطے اسے مومنوں یعنی تعالیٰ واسطے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسموں کی پروا نہیں کرتے**
 بلکہ تمہارا خیال کرتے ہیں۔ **لَیْلُضَوْکُمْ** تاکہ تم کو راضی کر لیں۔ یہ بڑی سخت بات تھی کہ اپنے خالق عزوجل کی معصیت اسکی مخلوق کے واسطے اختیار کی
 تاکہ یہ مخلوق رہی رہے۔ **وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَقُّ اَنْ یُّرَضَوْا**۔ حالانکہ سزاوار ہے تھا کہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کو راضی رکھتے۔
اِنَّ كَا نُوَا صُوًّا صِیْبِیْنَ۔ لافوہما۔ اگر مومنین ہوتے تو انہیں دونوں کو راضی رکھتے یعنی انہیں کی رضامندی چاہتے خواہ تمام مخلوق رضی
 ہو یا ناراض ہو۔ پس مومن نہ تھے اسلئے واسطے اسکے برعکس کیا۔ قول حکمت از مشکوٰۃ نبوت ثابت ہے کہ جو کوئی کسی مخلوق کے راضی کرنے کیلئے اسے
 خالق کو ناراض کرے تو خالق عزوجل اسی مخلوق کو اس کے اوپر مسلط کر دیتا ہے کہ اسکو نہا کر دے اس میں تہیہ ہے کہ آدمی پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ واسطے
 رسول کو راضی رکھے اور اسی رضا کو جان و مال سے ڈھونڈھے اگرچہ تمام مخلوق اس سے ناراض ہو جاوے کیونکہ جب حق تعالیٰ رضی ہو تو جو جان اللہ تعالیٰ
 پھر کوئی مخلوق کیا کر سکتی ہو وہ خواہ غزاہ مطیع و سخر ہوگی ضمیر رضوہ۔ میں کلام کیا گیا کہ کس طرف راجع ہے بعض نے کہا کہ تقدیر کلام یون ہے و اللہ احق
 ان یرضوہ و رسولہ احق ان یرضوہ۔ پس دوم حذف ہوا اور بعض نے کہا کہ اول حذف ہوا اور دوم باقی ہے تاکہ مشعر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی طور سے
 ہے کہ اسکے رسول صلعم کو اطاعت و فرمانبرداری سے رضی رہیں کیونکہ فرمایا **وَمَنْ طَاعَ الرَّسُولَ فَقَدْ طَاعَ اللّٰهَ** اور بعض نے کہا کہ اصل میں تھا۔ ان یرضوہما
 پھر ضمیر مفرد کر دی گئی تاکہ مشعر ہو کہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کی رضا واحد ہے اور بعض نے کہا کہ ہم پاک اللہ کا تبرک کیلئے ہے اور مراد یہ کہ رسول احق ان یرضوہ
 یعنی رسول اللہ صلعم کا رضی رکھنا ہی سزاوار تھا بلکہ طور کہ ظاہر و باطن سے مطیع ہوتے اور کچھ خیال شیطانی نہ لاتے اور نہ دہان سے کلمہ شراعت
 نکالتے سوا اگر مومن ہوتے تو اسکو احق جانتے پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو ملامت فرمائی بقولہ **اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَیُّهَا النَّافِقُوْنَ کَذِبُہُمْ اَنِّیْ اُورِثُہُمْ جَانِہُمْ**
 ہا جو کہ رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین و شریعت تعلیم فرمائی۔ **اِنَّہٗ مَنِ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَہٗ یُحَادِدِ اللّٰہَ** کہ انہوں نے
 مخالفت کی اللہ تعالیٰ و اس کے رسول سے باہر طور کہ اللہ تعالیٰ و رسول کی جو عدو ہے اسکے سوائے دوسری حد پر چلا اور جو دشمن کہ اللہ تعالیٰ و رسول کی
 ہے اسکے سوائے دوسری دشمن اختیار کی یعنی ان کی راہ کے سوائے دوسری راہ نہ رہا۔ **فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ**۔ لے فان نار جہنم جزا رہ۔
 تو جہنم کی آگ اسکی منزل ہو۔ **بِخَالِدٍ اَفِیْہَا** اس حال سے کہ آگ میں اس کے لئے ہمیشگی مقدر ہے جب سے داخل ہوگا۔ **ذٰلِکَ الَّذِیْ یُحَادِدِ اللّٰہَ**
 یہ سزا تو بڑی سخت خواری ہے۔ واضح ہو کہ مخالفت میں یعنی مخالفت اور باہمی عداوت وغیر میں استعمال ہوا یعنی وہ میں جو مذکور ہوئے اور قولہ فان نار جہنم
 بقع ان جواب شرط ہے پس جملہ ہونا چاہیے لہذا اخیر مقدم قرار پائی اسے فجر اولہ۔ سزا ہی لئے کبیر میں کہا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ منی اس کے غلہ نار جہنم ہوں
 اور حرف آن لغرض تاکید کر رہا ہے پھر اعتراض کیا کلاس صورت میں ہو کہ اور تاکید کنندہ کے درمیان چہ چیز سے فصل لازم آتا ہے لیکن یہ اعتراض
 کہ نہیں ہے پھر کہا کہ جواب میں قتل ہو کہ محذوف ہونے میں یہاں اللہ و رسول ہر ملک فان نار جہنم۔ پس جملہ فان قلیل محذوف ہے یعنی جس نے اللہ
 و رسول کی مخالفت کی وہ ہلاک ہوگا کیونکہ اسکے لئے آتش و ذبح سزائے دائمی ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اللہ یصلوہ اسے منافقوں کو کیونکہ خطاب جو ا
 اسلئے کہ علماء و مانی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ایسے شخص کو ہوتا ہے جو کسی بات کو جان لینے کے بعد بھول گیا یا منکر ہو گیا ہو تو اس سے کہا جاتا ہے کہ
 تو نے جانا نہیں کہ بات ایسی ہے اور یہاں منافق کبھی یقین نہیں لائے تھے تو جواب رکنا تفسیر سے بچے ظاہر ہو گیا ہو گا یعنی جبکہ رسول اللہ صلعم
 ناسخ و از تک لوگوں میں و حظ بصیرت فرماتے اور شرائع و دین و جزا و سزا سکھلاتے و بتلاتے رہے تو منافقوں کو خطاب کیا کہ باوجود ایسی تعلیم کے
 بھی کیا اعدوں نے نہ جانا کہ مخالفت اللہ تعالیٰ و رسول کی یہ سزائے سخت ہے پھر منافقوں کو فضیلت و رسوائی سے ڈرا یا بقولہ تمالے

يَحْنُ الْمُنْفِقُونَ ۝ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِؤْا اِنَّ اللّٰهَ

خُجِّجَ مَا تَحْذَرُونَ ۝ وَلَيْنِ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبٰ اللّٰهِ

وَالْيَتَمِّمُوا سُوْلَهُ كُنْتُمْ تُسْتَهْزِؤْنَ ۝ لَاقْتَنِذِرْ وَاَقْدُ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنَّ نَعْمَ

عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ يُعَذِّبُ طَائِفَةٌ اِيْمَانِكُمْ كَالَّذِي

اَبٰن عَمَّاس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں ستر منافقوں کا ذکر مع اُن کے نام دیا کہ ان کے باپوں کے نام کے نازل کیا تھا پھر اُن کے نام

نسب کا ذکر فرمایا اور یہ مومنوں پر حجت تھی کیونکہ اُن کی اولاد میں سے ایمان والے پیدا ہوئے تھے یعنی نظرِ حجت اُن کے آباؤ اجداد

کے نام نسخ فرمائے تاکہ عار و شرم و انہی باقی نہ رہے اور وقتِ نزول کے جو اُن کی تفسیح مقصود تھی وہ حاصل ہو گئی کہ نفاق و شک سے یقین نہیں کرتے

تھے کہ جہاں اقوال ذمیرہ و افعال قبیحہ سے اللہ تعالیٰ مطلع ہو پس نام ہر ایک کے خفیہ نفاق و نالائقی حرکات کو بیان کر کے نصیحت کر دیا۔ یہ سورہ

اس سورہ کا نام عیترہ اور مشرق بھی ہے کہ اُن کے قبائل کی خاک اُڑادی چنانچہ فرمایا یَحْنُ الْمُنْفِقُونَ حذر و خوف کرتے ہیں منافقین۔ اَنْ تُنَزَّلَ

حٰکِمٌ بِهٖمْ اِسْبَاتٍ لَّا اُتٰرٰی جَاہٌ مِّنْ مَّوْمِنٍ ۝ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوْبِهِمْ ۝ اِسْمٌ سُوْرَةٍ جَوَ اِگاہ و خبر دار کر دے

مومنوں کو اُن باتوں سے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں یعنی منافقوں کو جو کچھ حسد و عداوت و نفاق مومنوں کے ساتھ ہے اس سے مومنوں کو آگاہ

کرتے ہیں کہ منافقین اپنی شان میں قرآن کے نزول سے نصیحت و رسوائی کا خوف کرتے اور باوجود اس کے نفاق پر مستعد اور مطمئن رہتے ہیں

تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منافقوں میں بعض ایسے تھے کہ نزولِ قرآن و اپنی نصیحت سے ڈرتے تھے لیکن شک اُن کے دل سے نہیں جاتا تھا پس

ہدایت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو اور دلوں کے بھید وہی پاک پروردگار خوب جانتا ہو اسی واسطے حضرت عائشہ صدیقہ نے بعد آنحضرت

کے نفاق سے انکار کیا یعنی دلوں کے بھید سے اللہ تعالیٰ ہی کیسا ہے رسولِ صلعم کو آگاہ فرماتا تھا پس کسی پر منافق کا حقیقی اطلاق نہیں ہو سکتا

اور آیت معلوم ہوا کہ نزولِ قرآن کے بالکل قائل تھے کیونکہ حذر اُسکو نصیحت ہو اور باوجود اسکے سبب قطعی یقین نہ لانے کے منافق ہوئے پس

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قُلِ اسْتَهْزِؤْا ۱۔ کہہ دے کہ جو صلعم ان منافقوں سے کہ اچھا تم لوگ مطمئن کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ فَخْرٌ لِّمَنْ اَسْتَهْزٰؤُا

مذہب اللہ تعالیٰ اس بات کو ظاہر کر دینے والا ہے جس سے تم حذر کرتے ہو۔ اس کلام میں اُن کی نصیحت مقدر ہونا چاہتی ہے اور یہ امر ہے ان لوگوں

کے جن میں نصیحت اور حشر اُن کو ایمان لانے پر مجبور کرنا ہوا تھا مومنوں کے جن میں حشر مزید ایمان تھا کیونکہ آیات حشر تمہارا ایمان ہیں۔

لَمَّا قَالِ تَعَالٰی فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاَدْخَلْنٰہُمْ اٰیٰتِنَا لَئِنْ لَّمْ یَاْمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا لَئِنْ لَّمْ یَاْمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا لَئِنْ لَّمْ یَاْمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا لَئِنْ لَّمْ یَاْمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا لَئِنْ لَّمْ یَاْمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا

جیسے کسی کو کہا جائے کہ اچھا تو شراب پی دیکھتے تھے کیسے ڈرے مارے جلتے ہیں۔ اور معالوم وغیرہ میں ابن کیسان سے ذکر کیا جس کا معاملہ یہ کہ بارہ

منافقوں نے بتوں سے لوٹتے ہوئے مات میں ایک گھائی پر توقف کیا تاکہ جب رسول اللہ صلعم بیان ہو پچھن تو اُن سے دعا کریں لیکن آنحضرت صلعم

کو وحی سے معلوم ہو گیا آپ نے حضرت خدیجہ کو حکم دیا انھوں نے مار کر منافقوں کے اونٹ راہ سے ہٹا دیئے اور کسی کو نہ پہچانا پھر حضرت صلعم نے

یہ لفظ ہے لکن جو نزول ان کے لئے ہے لکن ان آیات سے ان کی ترقی ہوئی۔ ۲۳

نام نہام ایک کو ہلا دیا اور کہا اے کونسا ہے جو کہ خلاف اخلاق و بدنامی ہو اللہ تعالیٰ ان کو دہلیز کی بیماری سے ہلاک کرے۔ یہاں تک کہ یہ گیارہ حدیثیں مسلم میں ہیں کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں کہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاویں گے جنہیں سے آٹھ کے دونوں شانوں کے بیچ شعلہ آگ کے مانند دہلیز نکل کر نکلے سینہ سے پھوٹے گا۔ قال تعالیٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَوِ انَّ مِنْهُمْ لَمَنْ يَلْمِزُكَ لَتَجِدَنَّ اِنْ مَّا كُنَّا نَحْنُ مَعْصُومًا فَلَقَبْ۔ تو مجھے جواب دین گے کہ ہم تو خوفِ لعاب کرتے تھے یعنی راستہ کاٹنے کیلئے دل لگی کی باتیں کرتے تھے پھر مٹھول کرنا ہمارا قصد نہ تھا۔ قُلْ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمْ الْكِتٰبَ لَمَّا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ۔ تو کہو کہ بھلا کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ و اسکی آیات اور اسکی رسولؐ کو مٹھا کرتے تھے۔ ابن کثیر نے ذکر کیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ بتوک جاتے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ میں نے تو اپنے ان قاریوں کے مانند کوئی نہیں دیکھا کہ کھانے میں سب سے بڑھ کر پیو اور پونے میں سب سے زیادہ چھوٹے اور بڑائی میں بڑے بڑے ہیں۔ اسکو ایک ایمان نے جواب دیا کہ تو بڑا مفتری اور منافق معلوم ہوتا ہے جو ایسی جھوٹی باتیں بنا رہا ہے۔ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دوں گا پس قرآن نازل ہوا عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس منافق کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کے آگے آگے پھرون سے چھو کر کھانا دوتا چلتا اور کہتا جا رہا ہے کہ ہم تمہارے کاسے کو دل لگی کی باتیں کرتے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ابا عبد اللہؓ آیاتہ و رسولہ کنتم تستہزؤن۔ یعنی منافقوں کے انکار کرنے کو نہ مانا بلکہ ایسا استہزار واقع ہونے کو ثابت کیا پھر بطریق استفہام تو یہی کے انکار کیا یعنی تم پر ملامت ہے کہ تم ایسا کرتے تھے۔ لَا تَقْعَبْنَ دُفُوًا۔ اعتذار لغت میں عوارض و القطار ہے کمانی تو ہم اعتذار المنزل یعنی حویلی کا نشان مٹ گیا و اعتذرت المیاء۔ پانی منقطع ہو گیا۔ اعتذار کرنا اللہ ہی چاہتا ہے کہ جو گناہ کیا اسکا نشان مٹا دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو منع فرمایا کہ مت اعتذار کرو کیونکہ جھوٹے عذر قبول نہ ہونگے۔ قَدْ كَفَرَ كَذِبًا اَعْتَدَ اِيْمَانًا كَفْرًا۔ البتہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیا یعنی ایمان ظاہر کرنے کے بعد خواہ دل میں بالکل یقین نہ تھا یا بذب تھے اب کفر ظاہر کر دیا اسطرح کہ قرآن کلام الہی کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان سے استہزار کیا مسلمہ جو کوئی کسی آیت پر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جان کر حدیث پر یا مسئلہ شرعی پر اس سے کہ حکم شرعی ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر استہزار کرے یا استخفاف کرے یا عیب لگائے وہ کافر ہے اور اگر دل ہی میں لکھے زبان سے نہ کہے تو وہ منافق حقیقی ہے اور اگر اس کے دل میں شیطان نے ان باتوں کے ساتھ وسوسہ ڈالا اور اسے ایسا وسوسہ بہت بڑا اور شیطانی دھوکا جانا تو وہ مومن ہے اور استغفار و اعوذ باللہ کر لے پھر ثواب پاویگا وغیرہ کہ منافقوں کی جھوٹی قسم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غامض ہوتے اور عذر قبول کرتے تو حقیقت یہ رحمت و نرمی تھی مگر منافق کہتے عیب لگاتے اور کہتے کہ وہ تو زے کان ہی کان ہیں اب یہ ان منافقوں کی باتوں کو قبول نہ کیا و صاف صاف کہولے یا اور حق تعالیٰ نے حکم بھی دیا کہ لا تعذر و اذکفرتم آہ یعنی مت جھوٹے عذر کرو و البتہ تم نے استہزار وغیرہ باتوں سے ایمان ظاہر کرنے و کفر دل ہی میں رکھنے کے بعد اب ان سے بھی کفر ظاہر کر دیا۔ محمد بن سحاق نے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتوک کو جاتے تھے تو منافقوں کی ایک جماعت بھی ذرا دور ساتھ ساتھ چلی جاتی تھی جنہیں سے ودیعہ بن ثابت دثنی بن عمیر بھی تھے انھوں نے آپس میں اہل سلام و ایمان کے ڈرانے کو کنا شروع کیا کہ کیا تم لوگ وہیوں کی دلیری و جرات دی ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے عرب آپس میں لڑتے ہیں و اللہ میں تو دیکھتا ہوں کہ گویا تم کل کے روزان کی لڑائی میں زخمیوں سے جکڑے ہوئے ہو یعنی شکست کھا کر قید ہو گئے ہو تو دثنی بن عمیر جب کاہر حال تھا کہ منافقوں کی باتوں سے پھینکا پھینکا رہا کرتا اور اُنکے مسخروں و استہزار پر خالی ہنس دیتا تھا خود بھی کچھ نہیں کہتا وہ اسوقت بولا کہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری اس گفتگو پر قرآن نازل ہو اور مجھے تو پسندیدہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک سو کوڑے مارے جاویں بہ نسبت اس کلام کے۔ یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ وہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر سے کہا کہ جا کر قوم کی خبر لے کہ وہ منافقوں کی آگ میں پھلے جاتے ہیں اور منافقوں سے پوچھنا کہ تم نے کیا کہا اگر انکار کریں تو کنا کہہیں

Marfat.com

بلکہ ضرورت نے ایسا ایسا کہا کہ جب عمار نے ان سے جا کر ایسا ہی کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے غدار کہتے ہوئے آئے اور بعض نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو راہ کلمتے کو دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ جیسی بن عمیر کا نام ہیں نے جیسی بن عمیر کو کہا جسے لفظی معنی ہیں کہ چھوٹے گدھے کا بچہ۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جو پہنچا یہ میرا اور میرے باپ کے نام کا اثر ہے اور وہ ہے جسے دل سے مسلمان ہو گیا اور دعا مانگی کہ اے میرے مولائے حق عزوجل مجھے اس طرح شہید کر دے کہ کوئی میرا ٹھکانا بھی نہ جانے۔ اور یہ نفاق کے بعد کمالِ خلاص تھا کہ قہر تک کا نشان نہ ملے کہ کوئی شہید کے اور اس دن سے عبد الرحمن نام ہوانہ اکثر علماء نے ذکر کیا کہ جنگِ یامہ میں شہید ہوئے کہ کین نشان نہ ملا نبی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عبد الرحمن کے مانند تو بہ کر نیوالوں کو عفو فرمایا ہے چنانچہ فرمایا: **لَنْ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ** اگر تم میں سے ایک گڑھے کو عفو کریں جنہوں نے نفاق چھوڑ کر اخلاص کیا۔ **نَعْفَ بَاطِلَةٍ** تو دوسرے گروہ منافق کو ضرور عذاب کریں گے۔ **بِأَنَّهُمْ كَانُوا أَجْمَعِينَ**۔ اس سے کہنے کے جرم یعنی منافق مرے ہیں۔ طائفہ یعنی جماعت اور ابن اسحاق وغیرہ نے کہا کہ اس جماعت نفاق میں سے فقط جیسی بن عمیر ہی کو نجات ملی اور عفو کیا گیا اور چونکہ وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طائفہ کو عفو فرمایا تو ایسے جیسی بن عمیر کو عفو فرمادیا اور جو باقی باقی کے خلاف جماعت کیلئے ہو وہ عرب کسی واحد پر بھی بولتے ہیں لہذا یہاں طائفہ اونی سے فقط جیسی مراد ہیں جیسے قولہ ان ابراہیم کان امرا الایہ من ایسے ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کو امت فرمایا۔ **فِي الْعَرَابِ** قولہ لا تقصدوا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام پاک یعنی ایک علی خلق عظیم سے کمال خلق سے موصوف فرمایا ایسے ہی دشمنوں کو قبیح خصلت سے مقبور بیان فرمایا اگرچہ وہ اپنے عیوب نہیں دیکھتے تھے۔ استاد نے کہا کہ منافقوں پر خلق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین نشان کم و فضل پر یعنی ان کو صاف صاف جھوٹا نہ بتلائے پر عیب لگایا اور اپنے دور میں کوئی دھوٹی قسم کھانے وغیرہ قبائح پر نظر نہ کی۔ یہ سب وہی ہیں بھاری بھاری کہ تم نفس ہوتا ہے جیسے منافق حیر خواہ و فرود ماہ و ڈیل ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ منافقین جھوٹی قسموں وغیرہ سے مومنوں کو فریب دیتے اور کہتے کہ انہم لمنکم یعنی ہم تمہیں میں سے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو عیب لگانے و قرآن کو جھٹلانے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلادیا۔ بقولہ۔

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَنكِرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ

دفعہ کا اور

وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ

اور بندہ کہیں اپنی منی بھول گئے ہیں اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو تحقیق منافق ہی ہیں بے حکم

الْمُنْفِقُونَ۔ اہل نفاق میں سے مرد لوگ اور وہ اس وقت میں سے تھے۔ **وَالْمُنْفِقَاتُ** اور اہل نفاق میں سے عورتیں اور وہ اس وقت میں سے تھیں۔ **بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ**۔ یہ خبر ہے یعنی منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں بعض از بعض ہیں۔ اسکے معنی میں درقول ہیں ایک یہ کہ منافقوں کے بعض کے بعض سے ہونے سے مقصود تشبیہ ہے کہ نفاق کرنے اور ایمان سے دور رہنے ہیں اہل نفاق کے مرد و عورتیں آپس میں متشابہ ہیں گویا ایک ہی چیز کے ٹکڑے ہیں۔ و ماہل یہ کہ انہیں سے مذکور ہوں یا مؤنث ہوں سب یکساں ہیں وہ ایمان نہیں لادیں گے قول دوم یہ کہ منافقین جو قسم کھاتے تھے کہ اللہ ہم تمہیں میں سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے قول دینے کو ذکر فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ **يَلْفَنُونَ** یا اللہ ہم منکر و ماہم منکم الایہ۔ وہی یہاں مقصود ہے کہ جسے جو قسم کھاتے ہیں کہ تم میں سے ہیں تو جھوٹے ہیں بلکہ ان کے مرد و عورتیں آپس میں بعضوں میں سے بعض ہیں۔ اگر کہا جائے کہ قولہ ماہم منکم سے تو بیان فرمادیا تھا کہ وہ تم میں سے نہیں ہیں پھر بیان نکرا دیا ہوگی تو جواب یہ کہ پتے تو خلاصہ بیان فرمادیا تھا

یہاں اُسکی تقریر بیان فرمائی کہ تم میں سے نہیں بلکہ آپس میں بعض از بعض ہیں اعداد کے جو بیان آنا ہے اور مومنوں کے حال چلن سے انما منافقون کا
چل چلن ہونا ثابت کرتا ہے وہ گویا ان کے مومنوں میں سے ہونے پر دلیل ہو یعنی قولہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَدْعُونَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ** یعنی
منافق مرد و عورتیں آپس میں ایک دوسرے میں سے ہیں اس حال کیساتھ کہ حکم کرتے ہیں امر منکر کا اور منع کرتے ہیں امر معروف سے منکر اسم مفعول
اور انکار یعنی ہر وہ امر جو عقل و شرع سے قبیح ہو جیسے معروف ہر وہ فعل جو شرع میں اچھا ہو پس مراد منکر سے کفر و شرک جملہ معاصی ہیں جیسے معروف
ایمان طاعات ہیں و حاصل یہ ہوا کہ منافق مرد ہوں یا عورتیں انکا حال یہ ہے کہ کفر و شرک و بُری باتیں کرنے پر آپس میں ایک دوسرے کو اور
غیر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں اور جعلی باتوں ایمان و طاعات سے روکتے ہیں **وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ** اور اپنی ہتھیلیاں بند کرتے ہیں
یہ کنایہ نخل سے ہے یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اسوجہ سے دار آخرت پر ان کو یقین نہیں اسلئے دنیاوی لذتوں کھانے
پینے پہننے اور ڈھنڈھنے اور لعب کھیل تماشے شادی بیاہ میں خرچ کرنے کو موقع سے خرچ کرنا سمجھتے اور محتاجوں کی پرورش و خیرات و شہدوں و
بیکسوں کی خبر گیری وغیرہ کے صرف کو فضول خیال کر کے ہتھیلیاں بند کر لیتے ہیں یہ اسوجہ سے کہ آخرت پر ان کو یقین نہیں ہے بخلاف مومنوں کے
کہ شے بُری باتوں سے منع کرتے اور جعلی باتوں کا حکم کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پس ثابت ہوا کہ منافق لوگ کچھ بھی مومنوں
میں سے نہیں ہیں اور ان میں کہ ایمان نہیں ہے۔ **فَسُوا لِلَّهِ فَتَنِيَهُمْ** بھولے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پس اللہ تعالیٰ ان کو بھولا۔ یہاں یہ سوال
ہوتا ہے کہ بھولنا بندے کے اختیار سے باہر ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بھول چوک پر مواخذہ نہیں فرماتا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے میری امت سے بھول کا مواخذہ معاف کر دیا ہے پھر یہاں منافقوں کو بھول پر کیوں پکڑا اور دوسرا سوال یہ کہ اللہ تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے
تو جواب اول کا یہ ہے کہ نسیان سے یہاں غفلت کرنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھولنا ہے کہ ان کو لطف و فضل سے محروم و متروک کر دیا ہے قولہ **فَسُوا لِلَّهِ فَتَنِيَهُمْ**
فنیہم سے غفلت اور اللہ تعالیٰ کا لطف و فضل یعنی ان مومنوں نے اللہ تعالیٰ کی یاد و بندگی سے غفلت کی تو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو اپنے لطف
و فضل سے محروم و متروک کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں بیان نسیان کا اطلاق بطریق مقابلہ کے ہے جیسے کہتے ہیں کہ تجھ پر کوئی ظلم کرے تو تو بھی اسی
ظلم کر حالانکہ مقصود یہ کہ تو بھی اُسکے ظلم کا بدلہ اُسکو دیدے اور ظلم کا بدلہ ظلم نہیں ہوتا بلکہ عین انصاف ہے پس مراد یہ کہ منافقوں کے نسیان و غفلت
کرنے کا بدلہ اُنکو دیا۔ اور بعض نے جواب دیا کہ سنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو بھولنے والا بھولے ہوئے کیساتھ کرتا ہے حالانکہ
دنیا میں نبی اللہ تعالیٰ سے بندگی و نیکو کاری دہرے کاموں سے پرہیزگاری کا عہد کر کے اس مسافر خانہ میں چند روز بسر کرنے کو آئے تھے۔ اور
اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا کہ عہد پورا کر کے اسی گھر میں جب آؤ گے تو تم کو ایسے گھر میں ٹھکانا ملیگا جہاں پاک پروردگار سبحان کی رضا مندی ہو بدون کسی
مشقت تکلیف و غم و غیرو کے جسین ہمیشہ رہیں گے پس مومنین نے عہد پورا کیا اور اس سرائے فانی کو بندگی کے ساتھ یاد آئی میں بسر کر کے جہاں باقی میں
پہنچ گئے اور منافقوں نے اسی گھر اور یہیں کی زندگی پر اعتماد کیا اور اُسے برے کاموں کا حکم اور بھلے کاموں سے مانع ہوئے اور اللہ تعالیٰ کو بھولنے
پس اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو بدل دیا کہ لطف و رحمت سے محروم و متروک کر دیا۔ **إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ** لفظ ضمیر فصل ہے اور اسم خبر
دو ذنون پر الف لام ہے تو حصر کا فائدہ نکلا اور سنی یہ ہوسے کہ اب یہ منافقین ہی فاسق لوگ ہیں۔ سوال ہوا کہ بعض مومن بھی گمراہ ہوتے ہیں اور فاسق وہ ہے
کہ طاعت سے باہر ہو جائے تو گمراہی کے وقت مومن بھی فاسق ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ فاسق مراد ہے فسق کرنے میں کامل درجہ منافقوں
کی کا ہے اور جب یہ درجہ کامل ہوا تو کفر و شرک ہو گیا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ قولہ **ان المنافقين** کی جگہ ضمیر کافی تھی یعنی انہم ہم الفاسقون تو جواب
یہ کہ ضمیر میں ایک بہام ہوتا ہے پس فصاحت کرنے کو اسم ظاہر کر دیا اور دوسرے یہ کہ کسی اسم ظاہر بجائے ضمیر کے ضمیر کرنے کو لاتے ہیں اور یہی یہاں ہے۔

تمام آیت کا مامل یہ ہوا کہ منافق مرد ہوں یا عورت ہوں آپس میں مشابہ ہیں یا وہ لوگ آپس میں یہ ان سے اور وہ ان سے ہیں ان میں سے کوئی مومنوں میں سے نہیں۔ دیکھو ان کا یہ حال ہے کہ بڑے کاموں کے کرنے کو کہتے اور بھلے کاموں سے منع کرتے ہیں اور چونکہ دار آخرت پر یقین نہیں تو ہر لمحہ معاصی میں ہزاروں طرح کریں لیکن آخرت کیلئے خرچ کرنے میں بھی بندگی اور خجیل ہیں کیونکہ دنیاوی زندگی واپس لوٹنے ہی کو پرجہ جانتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھولے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی سزا دیا سو یہی لوگ تو پورے فاسق ہیں۔ اب انکا عذاب آگے بیان ہو گا۔ **فـی العرائس قول المنافقون والمنافقات** بعض من بعض۔ اس میں بطریق اشارت بیان ہے کہ طینت نفاق میں جب نر آئی تاثیر فرماتا ہے تو اس وقت اہل نفاق کے طباغ بعض بعض ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ بعض کی طینت سے جو سزا ہوتا ہے اسکو ان میں سے دوسرے پسند کرتے ہیں اور اس میں متفق ہیں کہ منکرات کا حکم کہ میں چنانچہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے والے ہندون کے ایسا دینے میں اللہ تعالیٰ داسکے رسول صلعم کی مخالفت کرنے پر خوش ہیں۔ ابو جبر الوراق نے کہا کہ ایک منافق دوسرے منافق کے لئے پردہ ہوتا ہے کہ باہم ایک دوسرے کے عیوب چھپاتے ہیں بخلاف مومنوں کے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہو کہ اس کے عیوب اسکو دکھلاتا اور نجات کی راہ دکھلاتا ہے۔ **قوله تعالیٰ ویقبضون ایدہم نسوا اللہ فیہم** اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ منافقین سخت خجیل ہوتے ہیں جب مال نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ کے واسطے کب جان دینگے اور اپنی تنہائی میں اہل ایمان وایقان پر انگلیاں کاٹتے اور تمہیاں بھیجتے ہیں۔ اہل بعض نفاق کا یہی حال ہے کہ ان میں سے ہر ایک جب بھیجتا تو مسخ میروڑتا اور انگلیاں کاٹتا اور جسے عداوت پر اُبلتا ہے حالانکہ اہل ایمان و اولیاء الرحمن ان کے حق میں سعادت کی دعا ہی مانگتے ہیں مگر ان ہمیشوں کی طرف سے احسان کا بدلہ یہ اسارت اور یہ حسد و عداوت ہو دیکھو اللہ تعالیٰ فرمایا **وإذا غلوا غلوا علیکم الا انما مل من الغیظ۔ اسکا جواب حضرت حق عزوجل نے اپنے توبی کے ساتھ اپنے اولیاء کی طرف سے فرمایا۔ قل مو تو انہی نظر۔** اسے حبیب محمد صلعم تو ان منافقوں سے کہہ دے کہ تم اپنے جلاپے میں مرد بینی بندگان حق کا کچھ نہیں کر سکتے ہو۔ پھر حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ یہ غیظ انکو اس بے بسی پیدا ہوا کہ منافقین و کفار مقبضتے حکمت بالذاتی ہوتے اسکی سخت گرفت جبروتی کے فہر میں مقہور و سیاہ ہو کر حق تعالیٰ داسکے عہد کو فراموش کئے ہوتے ہیں برعکس مومنوں کے جو اختیار حضرت تبارک و تعالیٰ کی ربوبیت کے نعمت و رحمتی کے لطف میں سمود و مرجوم و منور ہو کر اس کے عہد پر قائم اور اسکی یاد میں مستغرق ہیں ناچار ان کو اپنی ضد و عداوت ہو کیونکہ انکی نظرت پر قہر کی گرفت سے نسیان طاری ہے جس حقیقت یاد آئی کا مزہ ان کو کچھ نہیں ملا اسی سے جلال و عظمت و کبریا الہی سے جاہل ہو کر یاد آئی چھوڑ کر قہر کا اندھیرے میں ٹاپتے بھرتے ہیں کہی ان کو راہ راست نظر نہ آدگی سواغ ہو کہ جو کوئی معرفت الہی کا دعویٰ کرے اسکو محبت الہی کا کچھ مزہ نہ آیا ہوا اور یہ بری سچا نہ ہو تو اسکا بھی یہی حال ہو گا پس اولیاء الہی کیساتھ صبر نہ کر کے گا ایسے جوہے راہ مستقیم سے منحرف ہو کر دنیا ہیچ کرنے میں پڑ جاتے ہیں اور راہ حق سے محبوب ہو جاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ان کو چاہ و دوست و یاری محبت میں چھوڑ دیتا ہے اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کی بھی توفیق نہیں پاتے چنانچہ فرمایا **یقبضون ایدہم نسوا اللہ فیہم** بدون داؤعا طغ کے دونوں جہلوں کا اتصال دلالت کرتا ہے کہ نسیان صورت حمان ہوا بعض نے فرمایا کہ **قوله یقبضون ایدہم** مراد یہ کہ عبادات و دعاؤں میں اپنے مولیٰ کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتے نہیں بلکہ بند رکھتے ہیں بعض نے کہا کہ مدد دینے سے یا سکین کو دینے سے بھی پیچھے رہتے ہیں۔ سہل روم نے کہا کہ **قوله نسوا اللہ فیہم** یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جو نعمتیں بھیجیں ان کی شکر گزاری بھولے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو اپنی یاد سے واپس اور رسول پر ایسا ن لانے سے بھلا دیا۔ پھر اللہ عزوجل نے منافقوں کا عذاب اور ان کی مشابہت بکفر و کفر بیان فرمائی۔ **بقوله تعالیٰ۔**

لہذا کورت مانتا کرتا ہے عزت و کرامت اور عزت

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ

وَعَدَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌّ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخُلُقِهِمْ فَأَسْمَتَعْتُمْ مِنْهَا فَرِحْتُمْ

كَمَا اسْتَمْتَعْتُمُ مِنَ قَبْلِكُمْ فَمَا فَخَرْتُمْ بِالَّذِي خَلَقْتُمْ وَأُولَئِكَ

حَصَّتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُونَ

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

وَعَدَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌّ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخُلُقِهِمْ فَأَسْمَتَعْتُمْ مِنْهَا فَرِحْتُمْ

كَمَا اسْتَمْتَعْتُمُ مِنَ قَبْلِكُمْ فَمَا فَخَرْتُمْ بِالَّذِي خَلَقْتُمْ وَأُولَئِكَ

حَصَّتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُونَ

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

وَعَدَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌّ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخُلُقِهِمْ فَأَسْمَتَعْتُمْ مِنْهَا فَرِحْتُمْ

كَمَا اسْتَمْتَعْتُمُ مِنَ قَبْلِكُمْ فَمَا فَخَرْتُمْ بِالَّذِي خَلَقْتُمْ وَأُولَئِكَ

حَصَّتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُونَ

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

وَعَدَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌّ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخُلُقِهِمْ فَأَسْمَتَعْتُمْ مِنْهَا فَرِحْتُمْ

ہاڑ برابر ات تک لک پڑیکا اور دانت و داری میں بھی ای ہی میات پر ہون کی نمود ہا شد من عذاب النار۔ واضح ہو کہ پہلے منافقون کو ذکر فرمایا
پھر کفار کو ان پر عطف کیا تو ظاہر میں بیان منافقون کا ذکر ہو اور اشارت ہو کہ منافقون نے دنیا میں بذریعہ نفاق کے دنیاوی حظوظ کمائے اور
اپنے زعم میں اپنے پروردگار و اس کے خالص بندوں کو دھوکے دیئے اور درپردہ فتنہ پھیلا یا جن کے قہار کی الجملہ مذکور ہوئے بخلات کافرین کے
کہ سے اپنے پروردگار سے حکم کھلا منہ موڑے تھے جس سے کوئی فریب نہیں کھاتا تھا لہذا ہم کا پہلا استحقاق منافقون کہ ہوا اسی واسطے دوسری
آیت میں فرمایا کہ۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یعنی نفاق و اسے ہمہ کے بہت کچھ طبقہ میں ہیں اور عورتیں چونکہ تابہ ہوتی ہیں لہذا
منافقین کے بعد ان کو رکھا۔ حاصل آنکہ اللہ تعالیٰ نے وعید کے ساتھ مقرر کر دیا کہ جو مرد و عورتیں کہ نفاق و کفر پر ہیں ان کے واسطے ہمہ کی آگ
ہے کہ جس وقت اس میں داخل ہونگے تو پکار دیا جائے گا کہ تمہارے لئے ہمیشہ ہی تمہارا مقدر ہے چنانچہ حدیث میں آیا کہ جس وقت جنتی لوگ جنت میں
اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے تو موت سیاہینڈے کی شکل پر جنت و دوزخ کے بیچ میں لاکو ذبح کر دی جائیگی اور پکار دیا جائیگا کہ اے
اہل جنت تمہارے لئے ہمیشگی ہے اور کبھی موت نہ آویگی اور اے اہل دوزخ تمہارے لئے بھی ہمیشگی ہے اور کبھی موت نہ آویگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے
فرمایا بھی **حَسْبُكُمْ**۔ یہ آگ ان لوگوں کیلئے کافی ہو یعنی پھر لوز عذاب و بلا ہے۔ اس کلام میں دلالت ہو کہ عذاب دوزخ بہت بڑا
عذاب ہو۔ اعوذ باللہ منہا۔ ادنی عذاب یہ کہ آگ کی جوتیوں سے دماغ ابلے۔ اور اعلیٰ عذاب بیان نہیں ہو سکتا کہ اسکا ایذا من آدمی بجز
و غیرہ ہیں وہ سترگو نہ آتش دنیا سے تیز اس میں ہاڑ دہون کے انگارے اس میں آگ کے سانپ بچھو اس میں نہایت سیاہی و اندھیرا اس میں کافر
ایندھن اس میں کافر کا ہو ٹھہ پھاڑ برابر ہو کر شگے اس میں کافر کی کھال نہایت موٹی ہو کر بل کرے پھر تازی نئی ہو کر چلنے لگے۔ نفوذ اللہ تعالیٰ
منہا حدیث ہے کہ میں نے آج کے دن وہ باتیں دیکھیں جو کبھی نہ دیکھی تھیں تمہاری جنت و دوزخ اس دیوار کے دوسے دو کیمین اور صفا بہ
رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگو۔ **اللهم فو ذک من عذاب ہمہ انتم فو ذک من عذابک و ذر منک من
سخطک و یحنا فاک من عفوہ بیک اعوذ بیک منک لا اخصی کما اکتک انت کما اکتک علی نفسک**۔ واضح ہو کہ منافقون کا عذاب
بہت سخت ہے کہ ساتون طبقات ہمہ میں سے نیچے ساتون طبقہ میں ایسے ایسے صندوقوں کے اندر بند ہیں گے جن میں بعد بند ہونے کے کسی طرف
راہ کھلنے کی نہ ہوگی اعوذ باللہ من ذلک۔ اور احتمال ہو کہ یہ مراد ہو کہ یہی جسم یعنی اہل نفاق و کفر میں سے ہر ایک کو واسطے کافی موافق یہی
دوزخ ہے اور ہر ایک کو اس کے موافق اسی دوزخ سے کافی عذاب ملیگا اور یہ کمال قدرت الہی ہے کہ ایک ہی چیز سے ہر ایک جو سوائے
ایندھن ہونے کے اور کسی لائق نہ تھا اپنے موافق کافی عذاب پاویگا۔ **و لعنہم اللہ اور اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی رحمت سے دور کیا
اور خوار کیا و کھنڈ عن اب مقیمہ**۔ اور ان لوگوں کیلئے عذاب مقیم ہے کہ کبھی منقطع نہ ہوگا کسی نہ ہے گا۔ مراد اس سے وہی
عذاب النار ہے جو مذکور ہوا یا اس سے زیادہ مراد ہو کیونکہ درک اہل کا عذاب پاویں گے یا دنیا میں جو نفاق کی وجہ سے رنج و تعب
اٹھاتے ہیں۔ پھر اس وقت کے اہل نفاق و کفر کی تشبیہ اگلوں سے بیان فرمائی تجلہ گا کہ **یون من قبلیکم لے اتم مثل الذین من
قبلیکم تم لوگ ایسے ہی ہو جیسے تم سے اگلے گزر چکے۔ یا فعلتم مثل فعل الذین من قبلیکم**۔ تم نے بدکاریاں ویسی ہی کیں جیسے تم سے اگلوں نے
بدکاریاں کیں۔ یا وعدتم کالذین لے۔ یعنی تم کو عذاب کا ویسا ہی وعدہ دیا گیا جیسا تم سے اگلوں کو دیا گیا۔ جن یہ کہ دلوں کے آخرت سے
مڑے ہوئے دنیا ہی مال و متاع پر مقصور ہونے اور اسی کے نام و لالچ میں زندگی گزارنے میں مشابہت ہو اور یہ متضمن نصیحت بھی ہے کہ ویسے
ہو کہ ان کی طرح دنیا چھوڑو گے چنانچہ فرمایا۔ **کانوا أشد منکم فرقی لا واکثروا مسا الا واکثروا**۔ اور لاکو وہ لوگ تم سے

توت میں زیادہ شدید ابدال و اولاد میں بڑے ہوئے تھے۔ **فَاَسْتَمْتَعُوا بِمَخْلَاقِهِمْ**۔ خلاق حصہ مشتق از خلق بمعنی تقدیر اور مراد حصہ دنیاوی جو نیز ایک کیلئے مقدر ہو اور حسن بصری و حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ خلاق دین اور شاید مراد برتاؤ ہو اور استمتاع نسبت تمتع کے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں طلب کے معنی بھی ہیں والمعنی پس عرص کے ساتھ اگلوں نے اپنے حصہ دنیا سے تمتع لیا۔ یا اپنی خواہش نفس کے برتاؤ پر پیش آئے۔ یہ ان کی مذمت بیان فرمائی کہ دنیا نے فانی کے شہوات پر اگرچہ اسی قدر پائین جو مقدر تھیں ایسے مغرور اور ان کے حاصل کرنے پر ایسے مصروف ہوئے کہ لذت حقیقی دار آخرت سے بالکل غافل ہو کر جہنم کا ایندھن بن گئے پھر اس زمانہ کے اہل نفاق و کفر کی پوری تشبیہ ان کے چال چلنے اور ان کے حال سے مشابہ ہونے کی بیان فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ **فَاَسْتَمْتَعْتُمْ بِمَخْلَاقِكُمْ مِمَّا**
اَسْتَمْتَعِ الْاٰنِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ۔ سو تم نے بھی او مینا فقوم کا فرود اسی طرح استمتاع لیا اپنے حظوظ دنیاویہ سے جیسے ان لوگوں نے استمتاع لیا تھا جو تم سے پہلے تھے اپنے مقدر حصہ دنیاویہ سے۔ واضح ہو کہ اگلوں کا حال بطور تمہید کے پہلے بیان کر کے پھر موجودہ لوگوں کی تشبیہ استمتاع میں ان کے ساتھ بیان فرمائی اور طریقہ تشبیہ سمجھانے میں ایک جگہ بیان کر دینا کافی تھا لہذا کلام مابعد میں اگلوں کا باطل میں غرض کرنا پہلے بیان نہیں کیا بلکہ تشبیہ بیان کر دی بقولہ۔ **وَخَصَّضْتُكُمْ كَالَّذِي مِي خَاضِعًا**۔ غرض گھسنا پانی وغیرہ میں خاصہ وہ جگہ جہاں سے دنیا میں گھسکر عبور کریں۔ المعنی وخصتم فی الباطل کالذین خاصوا من قبلکم۔ اور تم نے بھی آیات الہی میں لکرو نظر چھو کر باطل میں غرض کیا جیسے تم سے اگلوں نے غرض کیا۔ یا خصتم کالخوض الذی خاصوا۔ تم نے غرض کیا مانند اس غرض کے جو اگلوں نے کیا۔
 یا بھلہ ان کے قلوب بجز قولہ تعالیٰ تشابہت قلوبہم۔ باہم مشابہ ہوئے ایسے کہ جو ان کا چال چلن تھا وہی ان کا اور جس طرح ان کے دلوں میں نورانی و سیدھی بات کے سوائے محسوس و تاریک انداز سے سنانی تھی ویسی ان میں۔ **اَوْ لِيَاكُ حِطَّتْ اَعْمَالُكُمْ فِي الدُّنْيَا**
وَالْاٰخِرَةِ۔ یہی سب لوگ انہیں حالتوں والے ہیں کہ دنیا و آخرت میں ان کے اعمال مٹ گئے چنانچہ کسی جان میں جو ثواب نیک کام کا ہے نہیں پائیے **اَوْ لِيَاكُ هُمُ الْخٰسِرُونَ**۔ اور یہی لوگ خاسر ہیں انہیں کو بخواری و لوط و انصیب ہو اور جن باتوں میں نفع سوچتے ہیں میں بیکار ہیں۔ دنیا میں جو نفع کا فروں و منافقوں کو مال و اولاد کی کثرت ملتی ہے تو یہ ان کا دنیاوی حصہ مقدر ہے ثواب اعمال نہیں ہے کیونکہ دنیا تمام و کمال ایک چمک کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقت نہیں رکھتی تو بھلا اپنے نیکو کار بندوں کیلئے یہ خوار مایہ ملعونہ کو بدلانا فرماویگا بلکہ جیسے بیکاروں کا عذاب قیاس ہو ویسے ہی نیکو کاروں کا ثواب بے قیاس ہو اور ہر طرح عدل و انصاف ہے اب بندے مختار ہیں چاہیں وہ عذاب لیں کہ جس سے ہم پناہ مانگتے ہیں اور چاہیں یہ ثواب لیں اور ہم اپنے معبود حق سبحانہ تعالیٰ سے اسی کو اس کے فضل و رحمت کیساتھ چاہتے ہیں وہ جو مولانا نعم دلولی و نعم النصیر آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ اس امت میں سے بھی اگلوں کے مشابہ لوگ ہوں گے چنانچہ ابوہریرہ نے حدیث روایت کی کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے بقضیہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم لوگ بھی انہیں لوگوں کے چال چلن و راہ پر باشت ہا
 وراہ ہاتھ و گز گز پیری کہتے چلو گے جو تم سے اگلے ہیں اور یہاں تک پیری میں حرمیں ہو گے کہ جو کوئی ان میں سناہی کے بھٹھ میں گھسنا ہو تو تم بھی گھسنا لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگلوں سے کیا اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں فرمایا کہ پھر اور کون۔ ابوہریرہ نے کہا کہ تمہارا ہی چاہیہ قرآن مجید کی آیت کالذین من قبلکم کانوا اشد ارجحاً بڑھکر سمجھ لو ذکرہ ابن کثیر رحمہما چاہیے کہ نفاق بہت بڑی بیماری ہے اور آدمی اپنی جمالت سے غافل ہمیشہ اپنے آپ کو مغرور و بڑھکر سمجھتا ہے بڑھ نفاق تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کو دل سے اگلا کرتے اور ظاہر میں مانتے تھے اور پھر نفاق یہ ہے کہ زبان سے ناسخہ کا اقرار کئے جاتے ہیں اور دل سے قائل ہیں اور جب ضرورت کے وقت میں تو ذبانی

باتین ہی باتین ہیں۔ حقیقت دل میں کچھ بھی نہیں اور کیا ہو کہ اعمال خیر پر عامل ہی نہیں حالانکہ مومن اپنے اعمال کی نسبت جملہ ہو جانے کا خوف رکھتا ہے۔ ابراہیمؑ تمہی دم نے کہا کہ جب میں نے اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا یعنی دیکھا کہ میرے اعمال میرے قول زبانی کے موافق ہیں یا نہیں تو مجھے خوف طاری ہوا کہ میں اپنے آپ کو جھٹلانے والا ہوں یعنی مطابق نہ پایا۔ اور عبد اللہ بن ابی لیکہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے تیس بزرگوں کی زیارت پائی اور دیکھا کہ ہر ایک ان میں سے اپنے نفس پر یہ خوف کرتا تھا کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہوں اور حسن بصریؒ سے مذکور ہے کہ لفاق سے وہی ڈرتا ہے جو مومن ہو اور نڈر وہی رہتا ہے جو منافق ہو اور جان بوجھ کر بدکاری پر اصرار کرنا ایمان کی علامت نہیں بقولہ تعالیٰ ولم یضروا علی ما فعلوا وہم لعلون۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منافقوں کے علامات فرمائے ہیں وہ اوپر مذکور ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے منافقوں کے دریا نماز عشاء صبح کی حاضری ہو کہ منافقوں کو ان دونوں میں حاضر ہونے کی استطاعت نہیں ہوتی ہے۔ سراج میں مذکور ہے کہ منافق ایسی ہی باتیں آکا کرتا ہے جس سے اہل فضیلت اپنے رتہ سے گرا دیں اور ان کی خوبیاں دیکھنے سے اندھا بنجاتا ہو اور مومن صادق کی یہ شان ہو کہ بدوں کی بدی بھی نہیں دیکھتے تو جھلا سکیں کی بدی ڈھونڈنے کا کیا ذکر ہو اور منافق آدمی دین میں سے وہی باتیں لیتا ہے جو دنیا میں اس کے کارآمد ہوں اور ایسی نہیں لیتا جو عقبی میں اسکے کارآمد ہوں۔ اور دین سے جو امور اسکے دنیا کے لئے مضر ہیں ان سے اجتناب کرتا ہے اور جو عقبی میں مضر ہیں ان سے اجتناب نہیں کرتا ہے پھر منافقوں و کافروں کو جن اگلوں کے ساتھ قلوب کی موافقت اور شہوات و نیادی میں غفلت و اسی وارثانی پر اعتماد کرنے میں تشبیہ دی تھی انہیں اگلوں میں سے یہاں چھ گروہ جنگو عرب جانتے تھے اور ان کو باوجود کفر و لفاق کے دنیا بھی نصیب ہوتی بلکہ عذاب میں گرفتار ہونے بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔

الَّذِينَ يَأْتِيهِمُ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ

مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ

مہین والوں کا اور ایسی بستیوں کا ہونے ان کو رسول ان کے بیکر حکم سات پھر اللہ تعالیٰ کہ ان پر ظلم کرتا

وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

لیکن وہ اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے

پہلے تو منافقوں و کافروں کا حال باطنی دلوں کے اعتقاد کا اور ظاہری چال چلن غفلت کے برتاؤ کا تمام اگلی کافر قوموں کے ساتھ مشابہہ و متوافق ہونے کا بیان کیا پھر اب فرمایا کہ اگلوں کا یہ انجام ہوا تو ظاہر ہے کہ ان کا بھی وہی انجام ہو گا چنانچہ فرمایا۔ اَلَّذِينَ يَأْتِيهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ استفہام تقریری بطریق تہذیر اور نسبت غفلت ہو کہ ان لوگوں کو اگلوں کے حالات سے عبرت نہیں ہوتی پس معنی قولہ المہم باہم۔ کہا نہیں آئی ان کے پاس یعنی البتہ پہنچ گئی ان کے پاس۔ ہاں الذین من قبلہم۔ خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گذرے عرب اگرچہ تمام اگلوں کے حالات سے آگاہ و خبردار ہوتے لیکن جب اگلی چند قوموں کے حالات سے خبردار تھے تو یہ صحیح ہے کہ ان کے پاس اگلی ایسی قوموں کے اخبار جن سے عبرت حاصل کرتے پہنچ گئی۔ قَوْمِ نُوحٍ یعنی اگلوں میں سے قوم نوح تھی کہ نوح علیہ السلام نے ان کو نوبت پاس برس ایمان و توحید کی طرف بلایا مگر نہ مانے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر بڑھایا کہ ان کی اولاد تمام روئے زمین و پہاڑوں میں پھیل گئی اور مال کی بھی کثرت ہوئی آخر پانی کے طوفان سے ان سب کو غرق کر دیا کہ نہ دنیا ملی نہ آخرت سوائے عذاب کے کہ وہ دائمی رہے انکا

انجام تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیسے رسول نوح علیہ السلام کو بھٹلایا اور ایمان نہ لائے۔ یہ سب پہلے تھے۔ و عاچ اور دوم قوم جبکہ امام عاد تھا جب انھوں نے
 ہو علیہ السلام کو بھٹلایا تو ریح العقیم تذاذی سے تہا ہوئے اور باد جہدیکہ بہت بڑے ڈیل ڈول و زور قوت پر اترتے تھے انکو ہوا اچھال کر
 چٹکتی تھی کہ پاش پاش ہو جاتے تھے۔ و ثمنیہ اور سوم قوم ثمود جنکو عاد ثانیہ کہتے ہیں جب صلح علیہ السلام کو بھٹلایا اور ٹہنی جو اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے نشانی تھی اسکی کو پین کاٹن تو آوارہ کرخت ہوناک سے ان کے قلب بھٹ گئے و ہلاک ہوئے۔ یہ سب عرب ہی کے اقوام ہیں
 اور عرب قدرت الہی تعالیٰ ہی کہ اہل ایمان ان عذابوں میں محفوظ رہے۔ و قوم رابہ ہیکر اور قوم ابراہیم علیہ السلام کہ جن قوم کا
 مزو و بن کنعان بادشاہ تھا کہ پھر و ن کے عذاب سے کچھ ہلاک ہوئے اور باقیوں سے نعت جاتی رہی۔ و اخصاب صدائین یعنی قوم شعیب
 علیہ السلام کو کہ جب انھوں نے شعیب کو بھٹلایا اور آخر مومنوں کو ایذا و سخت دینی شروع کی تو زلزلہ میں گرفتار ہوئے اور ابرسیاہ سے
 عذاب یوم الظلمہ آیا کہ سب ہلاک ہو کر دائمی دوزخی ہوئے۔ و الموفکت۔ اور موفکت والے یعنی قوم لوط علیہ السلام
 جن کا صدر مقام سدوم تھا اور لوندون کے ساتھ اظلام کرنے میں آجک معروف ہیں جب ما فرمانی کی تو ان کے شہر ان پر لوٹ دیئے گئے
 اور سبیل سے پھر سے کہ سب ہلاک ہوئے۔ و ایفکت ہم۔ اے القلبت۔ یعنی ان کے ہلاک ان پر لوٹ پڑے کہ تہ و بالا ہو گئے۔ پس قوم
 لوط تو موفکت اسی وجہ سے کہلاتے ہیں کہ تہ و بالا ہو گئے تھے جس معنی حقیقی ہے اور بعض نے کہا کہ تمام اقوام گذشتہ جنھوں نے جھٹلایا بطریق جہالی
 مراد ہیں اس صورت میں ایفکاک معنی مجازی ہوگا کیونکہ حقیقت میں سب کے طبقات زمین نہیں لوٹے گئے پس مراد یہ کہ ان کی حالت لوٹ دی گئی
 کہ ناز و نعمت سے عذاب نعمت میں پھنسے پس اول قول پر اصحاب قرابت موفکتات۔ مراد ہیں اور دوم پر اصحاب احوال موفکتات۔ یعنی
 مضائق مقدرہ اور موفکتات صفت موصوف محذوف۔ اور یہ سب قوم نوح پر عطف ہو کر الذین من قبلہم سے بدل البعض ہے اور موفکتات
 سے اگر باقی اقوام گذشتہ مراد ہوں تو بدل الکل بھی ہو سکتا ہے۔ بات اتنی ہے کہ عرب کو جملہ اہم ماضیہ کے اخبار نہیں ہوئے تھے پس قول اول
 اصح ہے۔ حاصل معنی یہ کہ اسوقت کے کافروں و منافقوں کو کیا اپنے زمانہ سے اگلون یعنی قوم نوح و ما بعد کے اخبار نہیں ہوئے کہ عبرت
 حاصل کریں پھر بیان فرمایا۔ اکتشہم سے سکہم ما لبیت آئے تھے ان اقوام کے پاس ان کے رسول یعنی ہمارے رسول جو
 ہم نے ان کے پاس بھیجے تھے بیانات کے ساتھ یعنی کلمہ ہجرات کے ساتھ یا یہ معنی کہ ان کے پاس ان کے رسول آیات و معجزات بیانات لائے
 فہما کان اللہ لیظلمہم۔ لے فلذہم ولم یؤمنوا فاطلم اللہ بتمام الحجۃ علیہم فاطلمہم یعنی حرف فار کے ساتھ بیان دلالت
 کرتا ہے کہ عطف ہر کلام مقدرہ جسکی تقدیر بیان ظاہر ہے یعنی جب اقوام نے دنیا میں پیدا ہو کر اپنے معبود و خالق کو نہ پہچانا تو اللہ تعالیٰ نے
 بیانات کیساتھ رسول بھیجے دے آیات بیانات لائے مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور کچھ پرواہ نہ کی اور بھٹلایا پس اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب
 میں گرفتار کر لیا کہ دنیا سے ہلاک ہوئے اور ہمیشہ آخرت میں گرفتار رہیں گے۔ فاما کان اللہ لیظلمہم۔ سو اللہ تعالیٰ پاک معبود کی یہ شان نہیں کہ اپنے
 ظلم فوادے جیسے بندے آپس میں ظلم کرتے ہیں۔ و لکن کائنات انفسہم لیظلمون۔ و لیکن ہے ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے
 کہ ایک تو اپنے خالق عزوجل کو نہ پہچانا پھر رسول بھیجے آیات تو ان کو نہ مانا آخر ان پر عبت پوری ہوئی اور سرکشی حد سے گذری تو ہلاک فرمایا
 باجملہ اس امت کے منافقوں و کافروں کو قیامت تک نصیحت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول و آیات و پاکیزہ احکام عدل و برگزیدہ اخلاق کو بائین
 و آخرت کی طرف متوجہ ہوں اور دنیا کی طرف باطل نہ ہوں و نہ ہوشیار نہ ہوں کہ جن عذاب میں اگلے گرفتار ہوئے وہی ان کو نہ ہوئے شاید
 آنحضرت صلعم کی دعوت سے ظاہری عذاب نہ آوے تو عذاب آخرت بہر حال ضرور ہے۔ جب منافقوں و کفار اور ان سے بیچ انفعال

وقتی لازم

وہ بے چال ہیں و سخت عذاب کا بیان ہو چکا تو مومنوں کے نیک اعمال میں ثواب کو ذکر فرمایا بقولہ
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
 اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی مدد ہیں سکھاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 اور کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم میں پھلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے

أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

وہ لوگ ان پر رحم کرے گا اللہ ابدتہ اللہ پرست ہو حکمت والا

تو المؤمنون و المؤمنات و اولیاء بعضہم بعض یعنی منافقین و کفار کا حال و قصہ و پرندہ کو رہا۔ اور اب فقہ
 ان مردوں کا ہر جو ایمان لائے اور ان عورتوں کا جو ایمان لائیں۔ بعض حکماء و بعض آہستہ میں اہل ایمان بعض کے بعض اولیاء
 ہیں یعنی شان الہی میں باہم ان میں محبت ہو ایک کلمہ تو حیدر متفق ایک ہی خالق عزوجل کے کہ وہی خالق ہر سب عبادت کر نیوالے سب
 ایک ل میں باہم ایک دوسرے کی نصرت و مدد کرتے رہتے ہیں کہ اس دار مننت میں رضاعتی عزوجل کا ذخیرہ جمع کریں اور نفس و شیطان و
 اس کے احوال و مددگار کوئی ان کو ضرر نہ پہنچانے پاویں اور شریروں سے بفضل الہی مومن ہو کر اس دار امتحان میں کمال کرنے ہوئے مسافر
 کی طرح اپنے اصلی گھر پہنچ جاویں پس باہم محبت سے مددگار ہیں کہ رہنمائی سے بچتے رہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ مومن کیلئے دوسرا مومن
 بہا خد عمارت کے کہ بعض کو بعض مضبوطی دیتا ہے اور اپنے اپنی مبارک انگلیاں ایک ہاتھ کی دوسرے میں شہک فرماتیں اور نیز حدیث صحیح
 میں ہے کہ مومنوں کی آپس میں محبت و شفقت کرنے کی مثال جیسے جسم میں سے ایک عضو میں درد ہو تو تمام اعضاء بخار و بخوبانی کے ساتھ اسی کے
 درد دہو جاتے ہیں۔ اجماع منافق تو مومنوں میں سے نہیں بلکہ مومن مرد و عورتیں البتہ بعض اولیاء بعض ہیں۔ اگر کہا جاوے کہ منافقوں کے
 حق میں بعض مومنوں کیلئے بعض اولیاء بعض فرمایا اس میں کیا مجید جواب ہے کہ نفاق میں بڑوں کی تقلید خواہش طبیعت عادت
 میں کرنے سے بھڑکوں بیروی کہ یہ لوگوں میں نفاق حاصل ہوا تو ان کے حق میں بعض مومنوں نے فرمایا کہ بعض سے بعض کو حصول ہوا اور رہے مومن
 تو ان میں باہمی موافقت بسبب ہدایت اور حب فی اللہ عزوجل یہ غلو میں پیدا ہوا اور خواہش نفسانی وغیرہ سے نہیں ہوا تو بعض مومنوں نے فرمایا
 فرمایا۔ پھر ان کی خصلت ذکر فرمائی کہ **يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** اور معروف کے ساتھ یعنی ہر ایسے امر خیر کے ساتھ جو شرع
 سے چھٹا گیا اور اس میں طبیعت و خواہش کو دخل نہیں دیتے **وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** اور منع کرنے میں انکار سے یعنی ہر ایسے امر سے جس سے شرع نے
 انکار و نفرت فرمائی ہے پس یہ لوگ بر خلاف منافقوں کے ہیں جو معروف سے منع کرتے اور منکر کا حکم کرتے ہیں اور ایسے ہی منافقین نماز کو کس لگائی
 سے ٹھیک نہیں ادا کرتے ان کے برخلاف مومنین کو فرمایا **الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ** اور نماز کو ٹھیک قائم کرتے ہیں یعنی جہتی کے ساتھ اچھی طرح
 وضو کر کے ٹھیک وقت پر عاجزی و خشوع کرتے ہوئے قراۃ و رکوع و سجود وغیرہ کی تکمیل کے ساتھ ٹھیک ادا کرتے ہیں ایسے ہی منافق
 مال کے بندے اس کو راہ حق میں خرچ کرنے ہوئے جان چراتے اور ہاتھ پیچھے لیتے ہیں ان کے برخلاف مومنوں کو فرمایا **وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ**
 اور دیتے ہیں زکوٰۃ کو۔ یعنی خوشی خاطر سے جس قدر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا غلوں کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے ہی منافقین تو اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے
 ہیں ان کے برخلاف مومنوں کو فرمایا **وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ** اور اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کی یعنی جو کہ

Marfat.com

حکم دیا اس میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول کے مطیع ہیں۔ وقد قال تعالیٰ انکم خیر امۃ اخرجت للناس تارون بالمعروف وتہون عن المنکر وتؤمنون بالشر
 پس اہل ایمان ہر دم اپنے معبود کی یاد سے مالا مال ہیں۔ یہی واسطے جب قولہ والدین بکفرون الذہب والفضۃ الآیہ نازل ہوا اور خزانہ جمع کرنے پر
 عذاب کی وعید آئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ پھر ہم لوگ کیا جمع کریں تو فرمایا کہ قلب شاکر اور لسان ذکر یعنی ایسا دل جو ہر دم اللہ تعالیٰ کی نعمت
 ایمان و سلامتی وغیرہ دینے پر شکر گزار ہو اور ایسی زبان جو ہر وقت یاد میں بیدار رہے۔ بالجملہ منافقوں کے بالکل برخلاف مومنوں کی صفت ہے کہ
 باہم ایک دوسرے پر رحیم و شفیع و ام معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ تعالیٰ اور
 اس کے رسول کے مطیع ہوتے ہیں۔ اُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ۔ بیضاوی نے کہا کہ میں بمعنی قد یعنی مؤکد وقوع ہے اور وعدہ الہی
 لا محالہ ہو گا پس معنی یہ کہ جن بندوں کے ایسے صفات ہیں ضرور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرما دیگا۔ اشارت ہے کہ دنیاوی چند روزہ زندگی میں
 صبر و ثابت قدمی رکھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ البتہ اللہ تعالیٰ عزیز غالب ہے جو چاہے کسے کوئی چیز مانع ہو نہ سکتی ہے بلکہ جہاں جو چیز
 چاہیے وہیں ثابت فرماتا ہے۔ یہ رحمت الہی عجیب نسبت غیر متناہی ہے کہ جس کا کوئی پارہ نہیں پاسکتا اور آگے اہل ایمان کے ثواب میں فی الجملہ
 تو صیح فرمائی ہے وفي العرائس قولہ والمؤمنین والمؤمنات الہ یعنی مومنین و مومنات باہم اولیا ہیں کیونکہ ان کی دوسری النوار قدم میں مستغرق
 تھیں وہیں اللہ تعالیٰ نے باہم ان میں الفت دیدی باہم طور کہ ان کو وصال کا مزہ چکھا یا پس النوار محبت الہی کے دلوں میں لیکر ان النوار پر
 باہم عاشق ہوئے اور باہم ایک دوسرے کی محبت میں سرگرم پس اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہی وہ اس کے رسول کی معادنت و فریاداری میں باہم
 معادنت کرتے ہیں ابو عثمان نے کہا کہ مومنوں باہم مددگار ہیں کہ عبادت الہی میں معادنت اور اس کی طرف مبادرت کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کی
 پیٹھ پر ٹیک دیتا ہے کہ اس سمندر سے پار ہو کر نجات پادے تو ہمیں بچھتا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مومن کیلئے مومن مانند عمارت کے ہے کہ ایک کو دوسرے
 سے تقویت ہوتی ہے شیخ ابو بکر الوراق نے کہا کہ مومنوں کے باہمی موالات کی تکلف انکی جلت ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے مومنوں کیلئے حسن ثواب ذکر فرمایا بقولہ عزوجل

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا
 وعدہ دیا اللہ نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو باغ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں وہاں کہ ہیں
 فِيْهَا وَمَسٰكِنٌ طَيِّبَةٌ فِيْ جَنَّتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ خَالِكٌ
 ان میں اور مکان سحرے رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی سب سے بڑی یہ ہے

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

بڑی مراد منی

وَعَدَ اللّٰهُ اِيْمَانٌ وَعَدَاؤُ وَعَدَةٌ بَشَارَتٌ هِيَ وَعَدَةٌ جِيسَ سَابِقِ مِّنْ اَهْلِ نِفَاقٍ وَكُفْرٍ كَ عَذَابِ مِّنْ رَّعِيْدٍ مَّقَامِ الْمَعْنَى۔ وعدہ دیا اللہ تعالیٰ
 الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مومن مردوں و مومن عورتوں کو جبکہ اوصاف اور پر مذکور ہوئے ہیں۔ جنت جنوں کا یعنی وعدہ دیا کہ جو
 بندے بصفت مذکورہ بالا دنیا میں مطیع رہیں ان کیلئے ہر دم کسی عذاب کفارہ گناہ کے پہلے پہل جنات ہیں جنت یعنی اسے نزدیک حسین
 ہر قسم کے میوے ہوں۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ۔ ایسے جنات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یعنی ان کے درختوں و مکانوں کے
 نیچے نہریں جاری ہوگی۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَقْدَرِيْنَ اخلو و فیہا۔ داخل ہونے وقت ان کے لئے مقدر ہو گا کہ اس میں ہمیشہ رہو کہی نہ مرو نہ تمھارا
 شہا ہل ہونے اس میں سے کسی طرح روال ہو۔ وَمَسٰكِنٌ طَيِّبَةٌ۔ ایسے مساکن جو پاکیزہ خوشگوار ہیں موتی دیانوت و زمرد کے مکانات

لصحة القرآن پارہ چھارم رکوع سوم ۱۱

۱۵

جو آدمی کے واسطے سراسر عجایب قدرت الہی ہونگے۔ فی جنت عدن یہ مسکن طیبہ واقع ہوں گے جنات عدن میں۔ عدن لغت میں بمعنی باستان و خلود ہے لیکر عدن بالمکان بعدن عددنا سے اقام ہے۔ اسی واسطے کہا گیا کہ جنات جملہ عدن ہیں اور فائدہ یہ کہ ایک جنات تو باعنائے تروتازہ ہیں جن کے تحت میں نہریں جاری ہیں اور دوسری جنات موتیوں وغیرہ کے مکانات ہیں جنہیں مسکنہائے طیبہ ہیں اور اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدن مقام خاص جنت میں ہے جس کو علم ہے اور کثافت میں کہا کہ عدن علم ہے بدلیل قولہ تعالیٰ جنات عدن الی و عدد الرحمن عبادہ الایۃ۔ وفی تفسیر الحافظ و عن ابی موسیٰ الأشعری قال قال رسول اللہ صائم جنات من ذہب آیتہا وانیہا وحنان من فضتہ آیتہا وانیہا وادامین لہم وین ان یظہروا الی ربہم اللار و الیکبر یا علی و جہنی جنتہ عدن۔ یعنی دو جنت سونے کی ہیں ان کے ظروف و جوہر ان میں ہے سب سونے کا ہے اور دو جنت چاندی کی ان کے ظروف و جوہر ان میں ہے سب چاندی کا ہے اور نہیں کوئی مانع درمیان قوم کے اور درمیان اس بات کے کہ اپنے پروردگار کی طرف نظر کریں مگر ردا کبریا فی اسکی وجہ ذوالجلال پر جنت عدن میں۔ رواہ البخاری و مسلم میتر جسم کہا ہے کہ یہی جنت ہے جس نے اس حدیث کے معنی میں تہنید کر دی کہ یہ معنی نہیں ہیں کہ وجہ الہی جل جلالہ پر ردا کبریا ہی ہوگی بلکہ معنی یہ ہیں کہ غایت جلال سے قوم کو یہ طاقت نہ ہوگی کہ نظر کر سکیں پھر دوسرے وقت جب بل جنت عدن سے پردہ دور کیا جائیگا اور طاقت از جانب تعالیٰ عطا ہوگی تو دیکھیں گی۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ عدن مقام خاص جنت میں ہے جس کے شرف کا بیان یہ کہ وہاں حضرت رجا عزت جل جلالہ سے اس قدر تقرب حاصل ہے کہ سولے ردا کبریا ہی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ابو موسیٰ نے مرفوع روایت کی کہ مومن کیلئے جنت میں جو تکبیر ایک موتی کا ساٹھ میل طول کا خیمہ ہوگا اس میں اسکی ازواج ہوں گی۔ ان میں سے ہر ایک پاس جائے گا اور بعض کو بعض نہ دیکھیں گے۔ رواہ البخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ سے ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ و اس کے رسول پر ایمان لایا اور نیکو ٹھیک اور کرتا رہا یعنی مال ہو تو دیکھو وہی دیکھ گیا اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ عزوجل نے کرم سے برحق کر دیا کہ اس کو جنت میں داخل کرے خواہ اس نے ہجرت کی ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑی ہو یا دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ لوگوں کو ہم یہ خبر نہ دینا چاہیے کہ جنت میں سونے سے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کیلئے رکھ چھوڑے ہیں ہر روز جس کے بیچ میں ایسا فرق ہے جیسا آسمان و زمین کے بیچ میں ہے سو جہنم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس مانگا کر دو کہ وہ اعلیٰ جنت و اداس جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں اور اس کے اوپر عرش الرحمن ہے۔ رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرہ و نعنا و الطبرانی و الترمذی و ابن ماجہ عن معاذ بن جبل مرفوعاً و الترمذی عن عباد بن العاصم ایضاً اور عرفائے جنت کی بابت صحیح ہوا کہ اہل جنت بعض کو بعض ایسے دکھلا دیں گے جیسے آسمان میں ڈوبے ہوئے تارے کو چمکتا دکھلاتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ ایسے لوگوں کو ملیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھا اور سولوں کی تعظیم کی۔ اور واضح ہو کہ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام کا نام وسیلہ ہے و صحاح و سنن و مسانید میں کثرت سے وارد ہے کہ اپنے فرمایا کہ وہ ایک ہی شخص کو ملیگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ مقال المترجم یہ صریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخلوق میں سے مطلقاً افضل ہیں اور حدیث میں ہے کہ جس نے بعد اذان کے میرے لئے وسیلہ بننے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی قیامت میں اس پر میری شفاعت نازل ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت میں اسکی شفاعت کر دینا گوارا ہوگا۔ رواہ ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ عمارت جنت سونے و چاندی کی اینٹوں سے اور گلاب مصالح مسک کا اور ربرہ کنکر اس کے موتیوں کے اور خاک و حفران کی جو آسمان داخل ہوگا ہمیشہ لذت عیش میں غورش کہیں نہیں آتا۔ یہ گوارا ہمیشہ زندہ کہیں نہیں مرے گا اور کسی اسکے پیرے کہ نہ ہوگا۔ اور کسی اسکا شباب نکل نہ ہوگا۔ رواہ احمد و بخاری و ابن عمر۔ اور حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ جنت میں عرقہ میں جنکا اندر سے باہر اور باہر سے اندر دکھلائی دیتا ہے تو ایک عراقی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کس کے لئے ہیں فرمایا کہ جس نے پاکیزہ کلام کیا اور طعام دیا اور برابر روزے رکھے

اور اس میں نماز پڑھی جب لوگ سوتے ہیں۔ بطریق تزی و الطبری وقال حافظان کلامن الاستادین جیدین۔ امامہ بن زید سے مرفوع روایت میں ہے کہ قسم رب کعبہ کی جنت کا حصہ نہیں وہ نور جگمگاتا ہے وہ ہرے ہرے خوشبودار درخت امانتے ہیں الی آخر الحدیث رواہ ابن ماجہ۔ اور صحاح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندگان صالحین کے لئے وہ کچھ مہیا رکھا ہے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا تصور ہوا۔ **وَرَضُوا لَئِنْ لَمِنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ**۔ رضا کی نسبت رضوان میں زیادتی ہے کیونکہ زیادت کلمہ زیادت معنی پر دلیل ہوتا ہے خصوصاً جبکہ موصوف بصفہ کائنات میں اللہ ہی اور خصوصاً جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کے لکیر ہونے کو فرمایا تو قیاس کی کیا مجال کہ اسکی بزرگی دریافت کرے۔ یعنی اور رضوان اللہ کی طرف سے سب اکبر ہے۔ ابو سعید خدری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ اے اہل جنت عرض کریں کہ پروردگار! بیک سعدیک ہم تیرے حضور میں بخوشی بسر و چشم حاضر ہیں تیرے ہی قبضہ قدرت میں سب بھلائی ہے۔ فرمادے گا کہ بھلا تم رضی ہوئے عرض کریں کہ ہاں ہر قسم کیوں نہ رضی ہوں حالانکہ تو نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی خلق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ رب تبارک و تعالیٰ فرمادے گا کہ بھلا تم کو اس سے افضل دون عرض کریں کہ رب ہمارے اس سے افضل اور کیا ہے۔ فرمادے گا کہ تم پر اپنا رضوان نازل کروں گا اسکے بعد کہیں تم پر سخط نہ فرماؤں گا۔ رواہ البخاری و مسلم و ابو یوسف و الزہری رحمہ اللہ و حاکمی نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہی معنی کی حدیث میں آخر کلام یوں روایت کیا۔ اور تعالیٰ فرمادے گا کہ میرا رضوان اس سب سے اکبر ہے یعنی سب بزرگ مرتبہ ہے وقال الضیاء المقدسی اسنادہ عنہ علی شرط الصحیح کذا ذکرہ الحافظ۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ سیوطی نے بدور السافرہ میں آثار و اخبار کثیرہ سے قولہ تعالیٰ الحسنی و زیادۃ الآیۃ کی تفسیر میں دیدار حضرت باری تعالیٰ مراد ہونا ثابت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو اپنے خالق تبارک و تعالیٰ سے کمال محبت ہے جنت کو اسی وجہ سے چاہتے ہیں کہ وہ مقام ہو جہاں ان کو رضوان حضرت حق سبحانہ تعالیٰ حاصل ہو گا وہ مقام ہے کہ جہاں دیدار پاک بلا کینیت و تشبہ نصیب ہو گا۔ سبحان اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر کون مقام ہے۔ **ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ**۔ یہ جو کہ انعام مومنوں کیلئے مذکور ہوا ہے فوز عظیم ہے۔ دنیا کے دنی ناپا کلام کی لات و متاع اور جاہ و سونا و چاندی و اولاد اور تمام روئے زمین کی سلطنت سہی جسکو کافر و منافق آخرت سے منکرے ایمان لوگ فوز عظیم سمجھتے ہیں وہ فوز عظیم کیسیا کچھ بھی نہیں مگر انکے اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کیلئے سا ان نفع اٹھانے والا کرے جس سے جنت حاصل ہوتی ہے البتہ کہ یہ فوز عظیم ہی انعام آخرت ہے **فِی الْعِرَاقِ** فی اشارات الآیۃ الکریمۃ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین صالحین کو آخرت میں اعلیٰ شہود اور دیدار کا وعدہ فرمایا۔ اور یہ وعدہ الہی ہے جسکو نقد و مصل جان لو کیونکہ اسکی خبر عین معائنہ ہے صرف موت کی ذمہ داری دنیا میں اس کے قدس سے محظوظ ہونے میں مشام اہل نس کو مفرح اور مغربہ بامین ارواح اہل قدس کو محظوظ فرماتی ہیں اسلئے طلب ہر چیز سے قطع اسی کی طرف اہل حق ہیں ہی انوار و ریاضین ہر جن سے ان کے دل اور تعالیٰ سبحانہ کے شوق میں بخود اور اسکی محبت میں اپنی خودی سے باہر رہتے ہیں اور اسی کے شوق وصال میں طاہرین۔ واضح ہو کہ نفس آیت کریمہ میں اس وعدہ پاکیزہ کو بخودیت کی کسی شرط سے معترن نہیں فرمایا یعنی اپنے وعدہ کو مثلاً یوں نہ فرمایا کہ مومنوں کے امر بالمعروف و نہی از منکر و اقامۃ الصلوٰۃ و غیرہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت عطا فرمائی بلکہ یہ فعال عبودیت تو مومنوں کے اصلی نشان اور ان پر آسان ہیں اور رحمت الہی فضل احسان ہے تو آیت میں شرط عبودیت پر معلق نہ فرمایا دلیل ہے کہ یہ عطا ان پر بدون کسی علت کے فضل و احسان ہے اور ہر چیز جس کماں کی ہو زمین پر پونچھے جانے میں داخل ہے کیونکہ اہل عرفان کی معنی رضوان کی کماں سے ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَیَرٰکَ اِلٰی مَعَادِ الْآٰتِیَۃِ حَیْ تَعَالٰی** نے اہل میں مطیع بندوں کو اپنی درگاہ کی حضور ہی کے لئے لکیر بزرگیہ فرمایا اور مومنین صالحین سے موسوم کیا جب بندہ اپنے خالق کا مطیع اور مومن صادق ہوتا ہے تو وہ صالح و شہید ہوتا ہے کیونکہ یہ لکیر

لہ میں نے حکم فرمایا کہ قرآن کا پھر پھر تلاوت کرے کیونکہ یہی جگہ ہے کہ قرآن

سے و ماخ جان اسکا معطر ہو جاتا ہے تو وہ اپنی جان راہ حق میں فدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر واپس فرماتا ان نغمہ شون کی جو اس کی صورت ظاہری سے ظہور میں آتی ہیں کیونکہ مومن سے جب گناہ سرزد ہوا تو وہ نادام ہو کر اس مصیبت کو جو اس کے حق میں درگاہ مولیٰ میں شرمساری کا سبب ہوئی ہے نظر عداوت سے دیکھتا ہے پس شہوت مصیبت اس کے حق میں منتقص و مکدر ہو جاتی ہے اور پروردگار کی جناب میں شرمندگی سے اس کا دل پانی پانی ہو جاتا ہے پس اس کی مصیبت بھی طاعت ہو جاتی ہے۔ بندگان مومنوں کو و مدہ جنت ہے اور وہ اصلی مشاہدہ کا مقام ہے جس کے کشف سے دنیا میں جنت دیدار و شہود میں ان کے دل ڈوبے ہوئے ہیں وہ اس جنت کے سوائے کسی طرف نگاہ نہیں کرتے ہیں اور ان کو مساکن طیبہ کا وعدہ دیا جا لاکہ ارواح سے مشاہدہ جمال و قرب حال میں ساکن ہیں پس مصیبت پر غضب کی نگاہ سے دیکھ کر وہ شہتہا مکدر و بے لذت کر دیتا ہے اور توبہ کر کے حضور مولیٰ میں سر بھگانا اور شرم و حیا سے اسکا دل پانی پانی ہو جاتا ہے پس یہ مصیبت کہاں ہی اس کے حق میں تواد طاعت ہوگی۔ سنو کہ پاک مہود نے ان کو جنتوں کا وعدہ دیا اور حالت دیکھو کہ وہ مشاہدہ انوار جمال کے باغوں میں مستغرق پڑے ہیں پھر جنتوں کی طرف کیا التفات کریں۔ انکو مساکن طیبہ کا وعدہ فرمایا اور وہ مشاہدہ و قرب مجال کے پاکیزہ منازل میں ساکن ہیں اور ہر دم لذت خطاب لطائف اسرار ان پر جاری ہیں اور اس کی اسید و وصال میں ہفت اقلیم کی سلطنت پر لات بائے اسکی طاعت میں مسرور و متہرج ہیں اور انوار آیات کے دوران میں ان کی عقلیں نہایت خوش اور مشابہ صفات سے ان کے قلوب خوشگوار رہتے ہیں اس پر اب ہر دم ہے ہیں ان ہر دم سے و ماد م شربت بہت پیتے اور حیرت کے ساتھ لحظہ بلحظہ شکر گزار ہیں اسی کی توفیق و تائید پر نظر رکھے ہوئے حیوان البر کے بال و پر سے پر نفا ربطنی اسراف صفت و بہات ذات میں ان کی رو میں بلند پرواز ہیں ہمیشہ ہر دم ان کو انکشاف جمال قدم و جلال سرمدی سے تعلق ہے۔ اسی کا نام حیوان البر ہے کہ ان کے چہروں سے جس صفات بگتی ہے اور وہ ہر دم ہیں اسی کا آرام افضل ہے کہ انکی پیشانیوں سے شہوہ ذات کا آفتاب ڈن ہر اور سے حیران ہیں۔ اسے برادر یہ بندے ہیں کہ اولتالی شانہ نے دنیا ہی میں ان کو ایسا سر فراد کا کہ خاک سے ہر رنگ و وسایع عرش میں آسیدہ ہیں جو جنات و وعدہ خیرات اور دن کیلئے کل ہے وہ ان کو آج حاصل ہو چکر ان کیلئے کیا کچھ کرمت حاصل ہوگی۔ سنو کہ انکی جگہ پاکیزہ ہو کر انکی باغ پر نفا ہو جسے خوب ہے کہ وہ ان دیدار قدس قدم ہو تو اس کے مشاہدہ پر منزل مسکن پر کب نظر آتا ہے اس تا دم نے کہا کہ نشان ان حیوان البر کا یہ ہے کہ ہر مزہ سے کم ہو تو راحت اُنس باوے جو مقام از راحت دار القدس نہیں بلکہ تم اعظم ہو نا فہم با بعد یہ بندے ہیں کہ ان کی نظر میں سوائے ذات وعدہ لا شریکے اسکی صفات و افعال قدرت کے کچھ نہیں جتنی کہ خود ان کی نظر بھی نہیں ہے۔ سنو کہ حضرت عبد العزت وعدہ لا شریک کے خیرت قدم نے نہ چاہا کہ اہل اتحاد و وصال اپنی نظر میں وجود اہل کفر و ضلال و اعیار ناہنجار باقی رکھیں لہذا

یا ایہا النبی جاہد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم و ما وہم جہنم

و یس المصیرین یخلفون باللہ ما قالوا و لقد قالوا کلمۃ الکفر و کفروا
 بعد اسلامہم و ہموا بما لم ینالوا و ما نقموا الا ان اغنم اللہ و رسوله
 اور وہ بڑی جگہ پہنچے نہیں کہنے ہیں اشد کی ہم نے نہیں کہا اور بیشک کہا ہے یہ لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں
 اور یہ سب کرتے ہیں بلا اسکا کہ دو تہمذ کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے

مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا يَكْخَيْرَ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَكْخَيْرَ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَكْخَيْرَ لَكُمْ
 آ لِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَصِيرُ

اپنے فضل سے سو اگر توبہ کریں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ کریں گے تو نازدیکھا ان کو اللہ دیکھ
 کی مار دنیا اور آخرت میں اور نہیں ان کا روئے زمین میں جاہلی
 اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے رسول محمد کو اور ان کی تبعیت میں تمام امت کو قیامت تک حکم کیا کہ کفار و منافقین سے جو قول و فعل حال
 میں مومنین کے برخلاف ہیں جہاد کریں اور حکم دیا کہ ان پر غلظت و سختی کریں جیسے ان کے برخلاف مومنون کیلئے حکم فرمایا کہ وہ داخل جہاد
 میں ہوں گے۔ نری و ہوا اسات کا حکم دیا ہے اور یہ خبر دیدی کہ اہل کفر و نفاق کا راجہ دارا آخرت میں جہنم ہے۔ اور منافقون نے جھوٹی قسمیں
 کھا کر جن باتوں کو زبان سے کہنے سے انکار کیا تھا اسکی خبر دیدی کہ حضور انھوں نے یہ باتیں کہی ہیں اور اسلام ظاہر کرنے کے بعد اب ان سے
 حکم کھلا آپس میں کفر بجا شروع کیا ہے پس غیب کی خبر دیدی کہ منافق جھوٹے ہیں ضرور انھوں نے یہ کلمات زبان سے کہے ہیں اور تہنید کر دی
 کہ منافقون نے جہاد کا ارادہ کیا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوا۔ سبحان اللہ تعالیٰ پر وہ رکھریات فرمائی کہ منافق سمجھ گئے پھر ان کو توبہ کی طرف ارشاد
 کیا تو بعض جن کی تقدیر بھی تھی سے مسلمان ہو گئے۔ اب تفسیر سنو کہ فرمایا۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خُطِّبْ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ** اور تبعیت میں مومنین
 داخل ہیں اور یہ مومنون کے لئے نصیحت ہے اور مومن نہایت متبع رسول اللہ صلعم ہوتا ہے اور اس کے کام یہ بہت موافقت و اتباع
 رسول اللہ صلعم ہوتے ہیں لہذا لفظاً آنحضرت صلعم کو خطاب کیا کہ اے نبی مکرم صلعم۔ **جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ** تو جہاد کر
 کافرون و منافقون پر۔ کافرون پر تلوار سے جہاد ہو اور صل معلوم ہے کہ پہلے ہمیشہ نصیحت کی جاوے جب تا میں اور فتنہ ممتا نظر آوے
 تو کہا جاوے کہ طریقہ عدل کے مطیع بنکر مغلوب رہو جب یہ بھی نہ مائیں تو تلوار سے فتنہ و فساد مٹا دو اور منافق جو نہ بظاہر مطیع تھے لیکن باطن
 میں فتنہ پھیلاتے تو ان پر جہاد ہی قدر کافی ہے کہ زبان سے بھی فتنہ کی باتیں نہ نکالیں۔ حسن وقت اور وقت اور مجاہد رہنے کہا کہ منافقون پر جہاد یہ کہ
 ان پر حدود قائم کے جاوے یعنی جب ایسا فعل ہو کہ میں جس پر کوئی سزا مقرر ہو تو یہ سزا ان پر جاری کر دے اور بیضاوی نے کہا کہ اس میں تاویل
 ہے اسلئے کہ حدود قائم کے جانے کا حکم تو ایسے گنہگاروں پر بھی ہے جو منافق نہ ہوں تو نفاق سے انکو کیا تعلق ہے۔ اور ضحاک نے کہا کہ کفار سے جہاد
 تلوار سے اور منافقون سے زبانی کلام کے ساتھ۔ سختی و دہشتی۔ یعنی مقاتل در بین بن اس سے مروی ہے اور اسی کے مانند ابن عباس کا قول
 ہے اور ابن مسعود نے کہا کہ ہاتھ سے روکے اور قدرت ہو تو زبانی دہشتی کرے۔ ابن کثیر نے لکھا کہ بعض علماء نے کہا کہ ان اقوال و تعابیر میں
 کچھ منافات نہیں کیونکہ جیسی حالت جہاد اسی کے موافق مواخذہ کرے اور شیخ ابن جریر نے یہ اختیار کیا کہ منافق جب حکم کھلا اپنا نفاق ظاہر
 کرے تو اس پر تلوار سے جہاد کیا جاوے۔ جہاد علماء کے نزدیک بیکر دلائل سے ثابت ہے کہ منافق پر تلوار کا جہاد نہیں اور تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ
 آیت کریمہ سے ہر دو فریق پر مطلقاً جہاد کرنے کا حکم ثابت ہے اور کیفیت جہاد و لائل مفصلہ سے ثابت ہوئی کہ کافرون پر تلوار سے
 اور منافقون پر کلام دہشت و محبت و رحم سے جہاد کیا جاوے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول سابق میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم جہاد تلوار
 کے ساتھ مبعوث ہوئے ایک تلوار مشرکوں کیلئے چنانچہ حکم دیا۔ **فَاذْأَسْلُخِ الْأَشْهُرَ الْحَرَمَ فَاتْلُوا الشُّعْرَ الْكَبِيرَ** الایہ۔ دوم تلوار اہل کتاب پر دو
 نصاریٰ کیلئے کہا قال تعالیٰ **قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَاللَّيْئِمْ الْأَخْتَالِ** قولہ من الذین او توال کتاب حتی یطوا الحجج عن یدہم صاعظون
 سوم تلوار منافقون کیلئے۔ کہا قال یا ایہا النبی جاہد الکفار و المنافقین۔ چہام تلوار مسلمان باخون کیلئے کہا قال **فَقَاتِلُوا السِّبْطِ حَتَّى تَقْتُلُوهُ**

جہاد ہر ایک سے تمام کفار و منافقین سے قتال کر لینا ہے جو کفر سے تعلق رکھتے ہیں اور جو اسلام کے

Marfat.com

الیہم اللہ۔ ابن کثیر نے کہا کہ یہ کلام مقتضی ہے کہ منافق جب نفاق ظاہر کرے تو اس کے ساتھ تلوار سے قتال کیا جاوے۔ مترجم کہتا ہے کہ شاید چھوٹے منافقین کی تلوار کو معنی مجازی پر محمول کیا ہو یعنی نیز زبان و بخت و انہم سے ان پر جہاد ہو لیکن پوشیدہ نہیں کہ قتال ابن جریر اقول ہے اور آیت میں بھی اس طرف دلالت ہے کیونکہ منافقین تو بھی اہل نفاق معلوم ہونگے کہ جب ظاہر کریں اور اس وقت بمنزلہ کفار مجاہدین کے ہوئے یا بمنزلہ مرتدین کے اور مرتد کو بھی قتل کیا جاوے اور قولہ کفر و ابداً اسلام۔ ان کے ارتداد پر دلالت کرتا ہے اور اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں ان منافقوں نے بہرین کیا تو جواب یہ کہ بوسہ الہی و لیل قطعی ان کا نفاق ایسا ظاہر ہوا جیسے ان کے ہر سے ثابت ہوتا اور گویا ایسا ہی آنحضرت صلعم کو مخصوص حکم کیا کہ امر شرع میں یہ لوگ منافق ہی ہیں لیکن ارد ہوتا ہے کہ منافق مرتدوں کے کہان قتل کیے گئے اور حجاب یوں ممکن ہے کہ تو بہ درجوع حقیقہ یا حکماً یعنی بظاہر پائی گئی اور بظاہر شرع کے حکم نفاق خفیہ ان پر جاری رہا اگر یہ پہلے حکم تو کفر و ابداً اسلام کے اظہار ارکان اسلام کے بعد کفر ظاہر کیا تھا۔ بیضاوی رحمہ وغیرہ نے جہود کے موافق یوں تفسیر کی کہ جاہد الکفار بالسیف و المناقین بالزمام الحجۃ و اقامۃ الحد و یعنی اسے نبی کریم صلعم جہاد کو کازون پر یعنی تلوار کے ساتھ اور منافقوں پر یعنی بائین طور کہ بخت و انہم سے ان کو لازم کر اور حدود ان پر قائم کر۔ وَاغْلُظْ عَلَیْکُمْ حُرُوبًا اور ان لوگوں پر اس بارہ میں غلظت و دشمنی کر غلظت کے معنی دشمنی کرنا غلات لینت و زمی کے۔ چونکہ آنحضرت صلعم رفتی فرماتے تھے لہذا ایسا حکم دیا۔ وَمَا وَدَّوْهُمُ حَبِطَتْ اُور ہنم ایسے لوگوں کا ٹھکانا یہ جہاد نفاق ہے۔ لہذا قال ابو السعود اس میں ان کے انجام کار کا بیان ہے۔ اور معنی یہ کہ کفر و نفاق کی صفت کیسا وہ جہنم کے لائق ہیں۔ وَرِیْطَسَ الْمَصْبُورِ اور مرجع ان کا جہان انجام کو جاوینگے وہ بڑا ٹھکانا ہے اور جہنم میں جاوینگے تو جہنم بہت بڑی جگہ ہے یعنی فی نفسہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن جو لوگ اس میں عذاب پادین کے ان کے حق میں بڑی ہے جیچکھون جائدہما قالوا۔ اور قسم کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ کہ انہوں نے یہ نہیں کہا یعنی جہود قسم یوں کھاتے ہیں کہ اللہ قسم نے نہیں کہا۔ وَلَقَدْ قَاتُوا کَکْفَرًا اور حال یہ کہ اللہ انہوں نے کلمہ کفر کہا چونکہ قسم کے ساتھ وہ منکر تھے لہذا رد میں حرف لفظ کے ساتھ جو مشعر قسم ہے اثبات فرمایا یعنی اللہ ضرور انہوں نے کلمہ کفر کہا۔ وَکَفَرُوا بِعَدْلِ اللّٰہِ اور کافر ہوئے اپنے اسلام کے۔ یہ مراد نہیں کہ پہلے ان کو ایمان حاصل تھا بلکہ اسلام سے انقیاد مراد ہے یعنی بعد اظہار اسلام کے اب کلمہ کفر زبان سے بھی ظاہر کیا۔ ظاہر کلام مشعر ہے کہ منافقوں نے کوئی بات کہی تھی پھر جہودی قسمیں کھا کر اس سے انکار کیا پس اہل نفاق یہ کہ اہل نفاق ایسے لوگ ہیں کہ جہودی قسمیں کھانے میں بیباک اور زبان کے چھوٹے اور نساؤں کو شہوت اور باطن میں کچھ ہیں ان میں بالکل زبانت امانت نہیں ان سے ظن خدا کو سخت ضرر پہنچے اور سے فریب نساؤں کی جہد میں بلکہ حکم کھلا کافروں سے بھی بڑھ کر کیونکہ ان سے کوئی فریب نہ کھائے گا اور نہ اس طرح بے امانت ہیں۔ اور بڑے ہار یک قبائح جو منافقوں کے ان اطوار میں مضمون ہیں ان کا کمان تک بیان ہو کیونکہ عہد کر دو حملہ قبائح اس میں مذکور ہیں۔ پھر آقا اخبار در آثار سے کچھ مفصل معلوم ہوا کہ یہ کیا قصہ تھا اور آیا سب منافقین اس طرح کہنے والے تھے یا بعض نے کہا اسکو سب کی طرف سبب کیسان حالت و باہمی فساد کی نسبت کر دیا گیا تو شیخ ابن کثیر نے ذکر کیا کہ قتادہ نے فرمایا کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی منافق کے حق میں نازل ہوئی اور بات یہ ہوئی تھی کہ ہتوک کے مقام میں ایک مرد ہنسی اور ایک انصاری میں کچھ جھگڑا ہوا اور انہوں نے انصاری پر تعلق کی تو جہاد منافق نے کہا کہ لے کر وہ انصاری اپنے بھائی کی مدد نہ کرے گا و اللہ ہمارے اور محمد کی مثل ایسی ہے جیسے کسی نے کہا ہے کہ اپنا کتا یاں پال کے موٹا کر دے کھا دے گا اور ہم تو جب بیٹھ لوٹ جاوینگے تو جہنم میں سترت والے ہیں وہ ذلت والوں کو نکال باہر کریں گے۔

صلحہ شریک بائیں جہد قلیل از کوربت

اس منافق ضحیت کی یہ باتیں کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں پس آپ نے اسکو بلوایا تو گناہ گار قسمین کھانے کہ اللہ یا رسول اللہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہوسکتا ہے اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ انس بن مالک سے عبد اللہ بن الفضل نے سنا کہ واقعہ حذرہ میں جب میری قوم بہت مصیبت میں مبتلا ہوئی تو مجھے سخت غم لاحق ہوا تو زید بن ارقم نے مجھے میرا علم سنکر لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہم اخضر لانا انصار ولا یثار الانصار۔ ابن الفضل کو شک ہو کہ انسا و انصار الانصار۔ بھی کہا تھا یا نہیں یعنی انصار کیلئے وہ ان کی اولاد کے لئے دعا ہے حضرت مانگی یا پوتوں ماتیوں تک کیلئے دعا فرمائی پھر انس نے زید بن ارقم کے حق میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فرمایا کہ اوفی اللہ لہ باذنہ اور بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہتے تھے اور ایک منافق کہنے لگا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہوسے۔ زید بن ارقم نے سنکر کہا کہ ہاں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سچے ہیں پھر تو ضرور گدھے سے بدتر ہو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مرقمہ میں وہ منافق منکر ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے زید بن ارقم کی تصدیق نازل فرمائی بقولہ یخلفون باللہ ما قالوا الا لایۃ۔ شیخ ابن کثیر نے کہا کہ قولہ پھر انس نے زید بن ارقم کے حق میں کہا۔ شاید آدمی کا وہم ہو اور یہ کلام امام زہری یا امامی اعلیٰ یا موسیٰ بن عقبہ راوی وسط کا قول ہو اور واضح رہے کہ مشہور یہ ہے کہ جو قصہ یہاں مذکور ہوا یہ عروہ ہی المصطلح میں واقع ہوا تھا نہ بتوک میں پس آیت کریمہ کے ذکر میں شاید راوی کو وہم ہو کہ بجائے دوسری آیت کے اسکو ذکر کر دیا اللہ اعلم۔ اور محمد بن اسحاق نے باسناد چید کتب بن مالک انصاری سے روایت کی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتوک سے واپس تشریف لائے تو مجھے میری قوم نے سخت کھرا کہ تو مرد و شاعر ہے جا کر حضور میں کہہ عذر بنا کر اپنا اعتقاد کرے پھر دروغ لکھی کا گناہ ہو گا اس سے استغفار کر لینا۔ تمام حدیث طویل چنانچہ آیت آویں ذکر کی چنانچہ اس میں ہے کہ پھر کعب بن مالک نے بیان کیا کہ جن منافقوں کے حق میں پھر میرے وغیرہ کے فضائل میں قرآن نازل ہوا ان میں سے بعض وہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے چنانچہ جلاس بن سید بن الصامت بھی تھا اور اس نے عمیر بن سعد کی مان سے نکال کیا تھا اور عمیر اسکی رحمت میں تھے سو جب قرآن نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو بعض فضائل و قبائح کے ساتھ ذکر فرمایا تو جلاس بولا کہ اللہ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہیں۔ یہ بات عمیر بن سعد نے سنی اور کہا کہ اسے جلاس قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں تجھے لوگوں سے زیادہ چاہتا ہوں اور تیرے مجھ پر احسان میں مجھے نہیں منظور کہ تجھے بڑائی پہنچے لیکن تو نے ایسی بات کہی کہ چھپانے میں خیانت ہو اور ذکر کرنے میں تیری ضحیت اور تیری طرف سے مجھے اپنی ہلاکت کا خوف ہو مگر دونوں میں سے مجھے ایک آسان ہے پھر عمیر نے جا کر آنحضرت سے بیان کیا اور جب جلاس سنا تو جا کر قسمین کھائیں کہ میں نے نہیں کہا اور عمیر کا دشمن ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ویخلفون باللہ ما قالوا الا لایۃ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاس کو اس کے دروغ پر آگاہ کیا۔ ابن اسحق کا قول ہے کہ جلاس نے یہ سنکر توبہ کی ولفاق چھوڑا اور اچھا مسلمان ہو گیا۔ عروہ بن الزبیر سے بھی روایت ہے کہ یہ آیت جلاس کے حق میں بسبب مقولہ مذکور کے نازل ہوئی ہے اور ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رخت کے سایہ میں بیٹھے تھے پس اپنے اصحاب سے کہا کہ تمہاری طرف گھورتا ہوا ایک آدمی آویگا تم میں سے کوئی کچھ مت بولنا۔ پھر ایک کرمی ظاہر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بلا کر فرمایا کہ اسے شخص تو اور تیرے ساتھی کیوں مجھے بڑا جلا کہتے ہیں وہ اٹھ کر گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا اور سبوں نے قسمین کھائی شروع کیں کہ یا رسول اللہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم نے تو کچھ نہیں کہا ہے پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ویخلفون باللہ ما قالوا۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس وغیرہ کا پہلا تفسیر ان منافقوں کے نام و نسب کو ذکر نہیں کرتے کیونکہ انکی دلائل سے ایمان والے لوگ تھے پس تصریح نہیں کرتے کہ باہم عار دلانے وغیرہ کا فتنہ نہ پھیلے کہا قدر عفت وضع ہو کہ بعض آیات میں ہے کہ جب عمیر بن سعد نے جلاس کا کلمہ لفظا کھول دیا تو جلاس دشمن ہو گیا اور چاہا کہ عمیر کو قتل کر دے مگر قابو نہ پایا

لہذا تو ہم نے ان پر پیلیدین واقع ہوا تھا کہ ان انصار ہوا مگر ان سے شامیوں کے اہل سے شہرہ ام سلمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہ میں ہے ۳۱۱

حق کہ خود سلمان ہو گیا۔ اسی سبب سے بعض مفسرین نے اس کلام الہی کے یہی معنی بیان کئے۔ وَهَمُّوا بِمَا كَذَّبْنَا الْقَوْمَ اور قصد کیا ان منافقوں نے ایسی چیز کا جسکو ہم نے پایا۔ یعنی جلاس نے قتل عمیر پر قابو نہ پایا۔ بعض نے کہا کہ عبداللہ بن ابی منافق کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا قصد کیا مگر اسکی ملعون امید پوری نہ ہوئی۔ سدی نے کہا کہ چند ایسے لوگوں کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عبداللہ بن ابی کو تاج بادشاہت پہنادیں مگر ہم کہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں بھی آیا ہے کہ قبل نزول مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ان والوں نے اس منافق کو تاج سرداری دینا چاہا تھا مگر پورا نہ ہوا۔ یہ قصہ لکھنا عمران وغیرہ میں گڑبگاہ ہے۔ قال لفظ اور وارد ہوا کہ غزوہ تبوک سے لوٹتے ہوئے ایک ات چند منافقوں نے قصد کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب سے قتل کریں اور قصہ یہ تھا کہ راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناوی کرادی کہ لوگ یعنی تمام لشکر بطح ادا سے ہو کر گزریں اور گھائی کی راہ سے کوئی نہ جائے کہ وہ راہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی ہو پس بارہ منافقوں نے مسلح ہو کر ڈھائے وغیرہ سے اپنے آپکو چھپایا اور گھائی کا قصد کیا تاکہ وہ ان ازدحام کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ازدحام میں نیچے ڈھکیں مگر ان کی ملعون مراد پوری نہ ہوئی۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ آگے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راہ کی مہارت سے ہوتے تھے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پیچھے سے ہانکتے تھے کہ ناگاہ بارہ سوار پیچھے سے معرض ہوئے تو عمار نے آواز دی اور ان کی سوار یوں کے منہوں پر بارنا شروع کیا پس سب بھاگ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام و نسب ان کا ارادہ بیان کر دیا۔ وہذا مصرع فیما رواہ الامام احمد والبیہقی وغیرہما والقصة فی الصحیح الاضا۔ وعلیٰ ہذا معنی کلام بطح شارح مناقب میں یعنی ان کے قبائل کو شمار کیا کہ اللہ تعالیٰ انکو چھوٹی قسمیں کھانے میں اور بعد اظہار اسلام کے کفر ظاہر کیا اور ان لوگوں نے ایسا قصد بھی کیا تھا جو پورا نہ ہوا اور کچھ نہ پایا۔ پس عجب ان منافقوں سے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ان کی تمامی دور ہوئی اور تو نگر ہو گئے اسرا اس حسان کا بدلہ یہ چاہتے تھے کہ فریب سے قتل کریں۔ وَقَدْ قَالَ تَعَالَى - وَمَا كَفَرُوا بِالْآلَاءِ أَنْ آغْنَاهُمْ اللَّهُ عَنْهُمُ كَيْفَ يُرِيدُ مِنْ فَضْلِهِمْ بِيضَادٍ رَجَعْنَا كَمَا قَوْلُهُمْ تَمَتُّوا لِي مَا لَكُمْ وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ يَخْتَارُ اور ما یورث نعمتہم یعنی اور نہیں انکار کیا انہوں نے الا اس بات کا کہ ان کو غنی کر دیا یعنی یہ معنی کہ اور نہیں پائی انہوں نے کوئی ایسی چیز کہ جس سے ان کو نعمت گہرے مگر یہی کہ ان کو اللہ تعالیٰ و اس کے رسول نے اپنے فضل سے تو نگر کر دیا یعنی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ہدی نہیں پہنچی بلکہ تو نگر ہی پہنچی تو انہوں نے جو برائی چاہی وانکار کیا تو اسی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو تو نگر ملی حالانکہ یہ بات قابل احسان ماننے و اطاعت کے ہونے آنکہ انکار و عداوت سے بدلا گیا جائے۔ بیضاد ہی وغیرہ کے کلام سے مستثنیٰ منہ کی تقدیر یوں ہے کہ وَالْقَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِنْ آغْنَاهُمْ لَيَكْفُرْنَ بِآيَاتِنَا وَلَئِنْ آغْنَاهُمْ لَيَكْفُرْنَ بِآيَاتِنَا وَلَئِنْ آغْنَاهُمْ لَيَكْفُرْنَ بِآيَاتِنَا وَلَئِنْ آغْنَاهُمْ لَيَكْفُرْنَ بِآيَاتِنَا

بہت فقیر تھا اس کا ایک ملوک مقبول ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بارہ ہزار درم دینے کو اسے تودہ تو انگر ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ہدایت کی طرف اشارہ فرمایا بقولہ۔ فَإِنْ يَتُوبُوا فَإِنَّا كَرِيمُونَ۔ ایک دلیل کہ ہرگز ہرگز سے نون تخفیفاً حذف ہوا یعنی پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو بے گناہ ہوگا۔ جان اللہ تعالیٰ رحیم شان ہے کہ پھر توبہ کی راہ بتائی اور توبہ قبول فرمائی پس سلوہ ہوا کہ منافق ہو اور توبہ ہو اگر توبہ کرے تو قبول ہو اور فتاویٰ فقہ میں ہرگز کہہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بگونی کرنا لایا جاوے تو یہ توبہ کرے تو یہ راہ سیاست حکم ہے لیکن اندازہ دیانت اس کی توبہ اگر پسے دل سے ہو تو قبول ہو نا حفظہ۔ اگر کہا جائے کہ توبہ بتائیت ہے پھر بیک کی جگہ تک بتاؤ تا نیت جاوے تو جواب یہ ہے کہ توبہ ہر دو مصدر میں پس بیک کی ضمیر بجانب توبہ ہر حال میں مصدر ہا تہ مخنیف ہو کہی مذکر لایا جاوے کہی مؤنث۔ وَإِنْ يَتُوبُوا فَإِنَّا كَرِيمُونَ اور اگر یہ منافقین اعراض کریں یا میں طور کہ توبہ کریں اور نفاق پر مصر رہیں۔ تَوَيْبَاتٍ يَبْعَثُ اللَّهُ عَلَيْهَا رِجْمًا

مجھے مال و متاع روزی کرے آپ نے کہا کہ دیکھ یا ثعلبہ قلیل تو وہی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقہ۔ بربادی تیری اور ثعلبہ محمود مال ایسا کہ جس کا
تو شکر بیا داکرے ایسے بہت مال سے بہتر ہے جس کے شکر یہ کی تو طاقت نہ رکھے۔ اُسے پھر دوسری بار آپ نے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ کیا
تو اس امر پر بھی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ماتر ہو پس قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میں چاہوں کہ
پہاڑ میرے واسطے سونے و چاندی کے ہو جاؤں تو ہو کر میرے ساتھ چلیں۔ ثعلبہ نے عرض کیا کہ قسم اُن ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کیساتھ
بھیجا ہے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور مجھے مال عطا کرے تو میں ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاؤں گا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
دعا فرمائی کہ اللہم انفق ثعلبہ مالا میرے اللہ تعالیٰ تو ثعلبہ کو مال عطا فرما دے۔ ابوالوامر نے کہا کہ پھر ثعلبہ نے کچھ بکریاں لین اور دے کے کیرٹوں
کی طرح بڑھنا شروع ہوئے یہاں تک کہ اسپر دینہ کی آبادی میں رہنا دشوار ہوا پس انہی سے باہر وادی میں رہا اور یہ شروع کیا کہ ظہر و عصر کی نماز کو
جماعت پر مٹاتا اور باقی میں جماعت چھوڑی پھر اور بڑھاد ہو کر کثرت زیادہ ہوئی تو اور دور جنگل میں چلا گیا یہاں تک کہ جماعت بالکل چھوڑی
صرف جمعہ کے روز جماعت میں حاضر ہوتا اور کچھ یوں کی بڑھاد دیکھی ہی کیرٹوں کی طرح جاری تھی یہاں تک کہ جمعہ بھی چھوڑا اور یہ شروع کیا کہ
آنے جانے لوگوں سے راہ میں ملتا اور خبریں دریافت کر لیتا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ نے کیا کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہ! نے بکریاں لین اور بہت بڑھاد سے اسپر دینہ میں سکونت و شمار ہوئی اور اس کا سب مال بیان کیا تو آپ نے تین مرتبہ یاد بخیر ثعلبہ
زبان مبارک سے کہا یعنی ثعلبہ کی خرابی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اموال میں سے صدقات لینے کا حکم نازل کیا تو آپ نے ہمیشہ میں سے ایک اور بنو سلیم
میں سے ایک آدمی مقرر کیا اور دونوں کو مسلمانوں سے صدقات لینے کی کیفیت لکھی اور دونوں سے کہا کہ ثعلبہ اور فلان مرد سلسلی
کی طرف بھی گزرو اور دونوں کے صدقات لے آنا پس دونوں روانہ ہو کر ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے صدقہ کی درخواست کی اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اسکو پڑھ سنایا۔ اُسے کہا کہ یہ اور کچھ نہیں یہ تو جزیرہ ہے یا جزیرہ کی بہن صدقہ ہے میری تو کچھ میں نہیں آتا۔ اچھا تم جاؤ
جب فارغ ہونا تو ہر طرف پھر ہوتے جاؤ۔ وہ دونوں روانہ ہوئے اور فلان مرد سلسلی نے جہاں کے آئے اور صدقہ کا حکم نازل ہونے کا حال سنا
تو اپنے اونٹوں کو دیکھا زمین سے اچھے اچھے سُن سال اے صدقہ کیلئے پھانٹ نکالے اور لیکر دونوں کا استقبال کیا ان دونوں نے جب
ان اونٹوں کو دیکھا تو کہا کہ بھائی ایسے ایسے عمدہ چھٹے ہوئے دنیا پھر نہیں واجب ہو اور ہم ان کو کچھ سے لینا نہیں چاہتے ہیں اُسے کہا کہ آپ
نہیں ہی مگر تم ہی لو میرے دل کی خوشی اسی میں ہے یہ سب صدقہ ہی کیلئے ہیں اور ان دونوں نے اُنھیں کو لے لیا اور اسی طرح اور لوگوں سے
سوائف حکم کے صدقات لیتے ہوئے پھر ثعلبہ کی طرف لوٹ کر آئے۔ اُسے کہا کہ مجھے تم فرمان تو دکھلاؤ اسکو پڑھ کر کہنے لگا کہ یہ اور کچھ نہیں یہ جزیرہ
یہ اور کچھ نہیں جزیرہ کی بہن صدقہ ہے اب تم ہوتے تو جاؤ زمین میں اپنی رائے سے غور کرو۔ وہ دونوں روانہ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دونوں
نے کچھ عرض نہیں کیا تھا کہ آپ نے دونوں کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یاد بخیر ثعلبہ۔ ثعلبہ کی خرابی و بربادی آئے اور مرد سلسلی کو دعا دی۔ پھر ان دونوں نے سلام
کر کے حال بیان کیا کہ ثعلبہ نے ایسا ایسا کہا اور فلان مرد سلسلی نے اس طرح صدقہ کے اونٹ بچھوٹی خاطر اصرار کیا کہ ہم کو دیکھئے میں پھر اللہ تعالیٰ
عزوجل نے نازل فرمایا۔ و نہ من ما بد اللہ لئ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے اقارب میں سے ایک شخص موجود تھا اُس نے وحی الہی کو
سنا اور روانہ ہو کر ثعلبہ کو آگاہ کیا کہ تیرے حق میں یوں نازل ہوا ہے تیری خرابی تو نے کیا کیا۔ پس ثعلبہ روانہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
آیا اور عرض کی کہ میرا صدقہ قبول کر لیجئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے میں فرمایا ہے پس ثعلبہ نے سر ہانک کر اپنی تشریح کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا کہ او ثعلبہ یہ تیرا
کہا ہے اور میں تجھے حکم بتاؤں گی اسکی جماعت کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو قبول کیا تو یہ نیکو لوگ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں قبول نہ فرمایا

Marfat.com

پھر جب اپنے وفات پائی تو اسے اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے قبول صدقہ کی درخواست کی۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ حضرت سید عالم صلعم نے قبول نہ کیا
 میں نہیں قبول کروں گا اسی طرح حضرت عمرؓ نے باقتدار آنحضرت صلعم و ابو بکرؓ کے قبول نہ کیا اسی طرح حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلعم و ابو بکرؓ و عمرؓ سے
 کی اقتدار سے قبول نہ کیا یہاں تک کہ اسی عہد میں تعلیم ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے زبرد تو بیخ فرمائی بقولہ (أَلَمْ يَخْلُقْكُمْ أَوَّلَ مَا نَفَسْتُمْ فِي بطنِ
 كَمَا أَنَّ اللَّهَ يَخْتَلِفُ حَيْثُ شَاءَ وَنَجْوَاهُمْ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے سر و نحوی کو۔ اسے مایسردن بہ دمایتنا چون بہ ہنہم۔ یعنی سر و نحوی
 مصدقین مراد مسرودہ چیز جو سر کے ساتھ رکھتے ہیں یعنی خنیہ دل میں رکھتے یا آپس میں بطور اسرار کے رکھتے ہیں مثلاً زکوٰۃ و صدقہ کو دل میں تاوان
 خیال کرنا یا آپس میں بھید کے طور پر اسکی گفتگو کرنا جس سے اور کوئی آدمی واقف نہ ہو اور نحوی وہ جو آپس میں کانون کان آہستہ مشورہ
 کرتے ہیں اور کہیں ہتھکڑی کہ منافقین جو آپس میں خنیہ آنحضرت صلعم پر طعن کرتے ہیں یا منافقانہ کفر کے مشورہ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی
 جانتا نہیں تو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے حال سنی یہ ہیں کہ کیا منافقون کو باوجود
 اس قدر ریت تک آنحضرت صلعم کی تعلیم و تہنیم کرنے اور دعویٰ اسلام کے یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں
 وہ سب جانتا ہے اور منافقون کے اسرار خنیہ و پوشیدہ مشورت کی باتیں سب اللہ تعالیٰ کو علم قدیم سے معلومات اور وقت و تہنیم کے معلوم
 ہیں پس وہ ڈرین اور اپنی نادانی پر افسوس کر کے صدق دل سے توبہ کریں۔ وَفِي الْعَرَالِيسِ قَوْلَهُ تَعَالَى وَنَهْمٌ مِنْ عَابِدِ اللَّهِ الْآيَةِ۔ یہ ایسے لوگوں
 کا بیان ہے جو مال و جاہ دنیاوی پر اور اپنے افعال پر مغرور ہوئے اور محبت الہی میں سے کچھ مزہ نہ پایا جیسے مومنوں کو ملتا ہے جو چنانچہ حدیث میں ہے کہ
 ایمان کا مزہ اُسے پایا جو رضی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہانے اور محمد صلعم کے رسول ماننے پر۔ اور حدیث میں ہے کہ تین باتیں ہیں
 جس میں ہون اُس نے ان سے ایمان کی حلاوت پائی جسکو اللہ تعالیٰ و اسکا رسول باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں اور جو کفر میں رہنے سے
 ایسا ڈرے جیسے آگ میں سے نکالا ہوا پھر آئین جا پڑنے سے ڈرنا ہے اور جو کسی سے محبت کرے تو فقط اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے اُس سے محبت کرے پس
 منافقون کو محبت الہی سے کچھ بھی نصیب نہوا اور اگر سوئی کے ناکے برابر محبت کا مزہ پایا ہوتا تو اُس کے شوق جمال میں اپنی ہستی قربان کر دیتے۔ نصراً بادی
 نے کہا کہ بفضل بیدار احسان میں۔ ان لوگوں نے اپنی ذات سے ایسے احسان کو دیکھا کہ ہنوز اُسکو نہیں کیا اور ایسا صدقہ دیکھا کہ ابھی ماسکا کچھ دیکھی نہ تھا اور
 اپنی ذات کے حق میں بہت ایسے افعال بطور تمغیل کے ثابت کر لئے کہ جو قبضہ قدرت الہی میں ہیں چنانچہ کہا کہ لصدقن و لنگون جن الصالحین یعنی پر عیب
 یہ تھا کہ مال ملے پر ان افعال کے پیدا کرنے کی واسطے اپنے آپ کو قادر سمجھ لیا حالانکہ مخلوقات و حوادث جو کچھ ہیں سب کو مع افعال کے اور تعالیٰ خلاف
 اعلیم ہی پیدا کرتا ہے اور طرہ یہ کہ اپنے افعال خیالیہ پر صالحین ہی خود ہی بن گئے۔ ہاں اُمید اور رہتے کہ اور تعالیٰ مال عطا کرے اور وہی توفیق
 نیک عطا فرمائے پھر شاید ہم بندوں کو فضل سے بخش دے۔ سو یہ تو نہ کیا بلکہ خود ہی قادر بن گئے اور دیگر طرہ یہ کہ افعال پر صلاحیت مصلح کی یعنی یہ
 افعال موجب لایح یقین کر لئے بالجملہ یہ سب امور حالت تھے کہ ایمانی معرفت سے بے بہرہ تھے اسی پر شہود کے ساتھ عہد بانڈھا اسی چیز کا جو فضل
 حضرت اور تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور اہم تو یہ حالانکہ جو سوال تھا وہ پورا ہو گیا پس اُن کے جاہلانہ نفاق کے کلمات سے نخل پیدا ہوا۔
 جسکی نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ نخل سے برتر کون بیماری ہو پس نخل کیا اور اہم ہر ایت سے منہ موڑا اور حق سے پھر گئے کیونکہ وعدہ سخاوت
 میں خلافت کیا تو خیانت اور نخل اور دروغ گوئی اُن پر لازم ہو گئی چنانچہ حق تعالیٰ نے مصرع فرمادیا۔ فلما انا ہم من فضلہ بخلوا بہ و لو لولہم مرفعون
 پھر سادہ نگوئی سے بالکل انکا حرم ہونا یہاں کر دیا بقولہ فاعقبہم نفاقانی تلوہم الایۃ۔ نخل کی سزائیں نفاق پر عطا دیا اور یقین نے کہا کہ بڑھایا نہیں بلکہ
 یہ تو نخل کی میراث ہے یعنی وعدہ خلافتی و دروغ گوئی اور خیانت۔ شیخ ابو حفص سے پوچھا گیا کہ نخل کیا ہے تو فرمایا کہ حاجت کے وقت ایثار کو ترک کرنا۔

مترجم کتاب ہو کہ ایسا ہی نسخہ موجودہ میں ہو اور شاید اس ناسخ کی تحریر ہوئے۔ فلیناں پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ جس نخل و نفاق پر ان کی جبلت ہے اور جسکی موافقت میں ان سے جھوٹے عہد واقع ہوتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ لکن اللہ تعالیٰ ان اللہ علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ کر دیا کہ اسکا علم قدیم پاک جسکی شان ایسی بڑی ہے کہ کبھی تصور خیال میں نہیں آسکتا ہے وہ علم پاک تمام مخلوقات کے اوپر محیط ہے اس کا علم پاک ہمارے دلی راز و مجید خوب جانتا ہے ہم کو اپنی معرفت دی کہ اسکا علم ایسا ہے اور ہم کو خود دلادیا کہ ظاہر و باطن اسکی جناب میں ہے و صادق رہیں اور ہمیشہ نیلے دنی سے مل اٹھائے ہوئے مقامات ملکوت و جبروت کے منتظر رہیں اور جب ہم نے جانا و پہچانا تو دیکھا کہ ہمارے رب تبارک تعالیٰ نے ہم کو اپنی درگاہ لایزال سے حیا و شرم کرنے کو اور اسکی عظمت و جلال کے سامنے پانی پانی ہو جانے کو تعلیم فرمایا کیونکہ جب وہ علام الغیوب ہے تو ضرور ہمارے دلی خطرات وغیرہ بلکہ اس سے بھی تمام انھی جس سے ہم خود متنبہ نہیں ہوتے ہیں اور تعالیٰ سب جانتا ہے۔ واضح ہو کہ سرودہ ہو کہ تیرے نفس سے ہو اور تو اپنے نفس سے اُسکو خود نہ جانتا ہو اور بخوبی وہ ہو کہ تو اپنے نفس سے اُسکو جانے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اُسکو نہ جانے اور تجھ کو یہ علم نہ ہو کہ یہ میرے نفس کی جانب ہے یا نہیں بخوبی ہی ایک قسم کا سرودہ لیکن سوائے بخوبی کے بھی سر اس سرودہ کو بعض نے کہا کہ سرودہ ہے جسیر سوائے علم الاسرار کے یعنی حق عزوجل کے کوئی مطلع نہ ہو اور بخوبی وہ ہے جسیر فرشتے حافظین بھی مطلع ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں منافقین مذکورین کے صفات قبائح میں سے یہ امر ذکر کیا کہ اہل طاعت و یقین کے افعال کو مانند اپنی ریاکاری پر معمول

کرتے اور بعض کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں لکن اللہ تعالیٰ

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ

الْأَجْرَ الْجَدِيدَ فَهُمْ يَلْمِزُونَ مِنْهُمْ طَسَخَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

وہ جو طعن کرنے ہیں دل کھول کر خیرات کرینا کے مسلمانوں کو اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے ان سے تمسخر کیا ہے اور ان کو دکھ کی مار۔ منافقوں کی عادات میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی ان کی زبان سے نہیں چھوڑتا ہر حال میں وہ حسب لگاتے ہیں حتیٰ کہ جو لوگ اخلاص سے صدقہ دیتے ہیں تو اگر ان میں سے کوئی بہت سال صدقہ دے تو کہتے ہیں کہ اُسے دکھلانے کو یہ کام کیا اور اگر کسی کو کم میسر ہو اور اُسے ضعیف سی چیز صدقہ دی تو مسخرہ پن سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اُسے صدقہ کی کیا ضرورت ہے خود بائیں اعتقاد اتم و کلماتم۔ اور واضح ہو کہ بندہ کی نیت سچی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے اور ثواب جمیل عطا فرماتا ہے۔ عزوجل نے اسی نیت پر عمل فرمایا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ قادر غفار ہے لہذا حدیث میں ثابت ہے کہ بچہ آگ سے اگرچہ ایک ٹکڑے چھوڑے کے عوض ہو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ امر معروف میں سے کسی امر کو نظر حقارت مت دیکھ یعنی مت خیال کر کہ یہ کیا ہے کیونکہ اخلاص نیت سے اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمادے اور خود حدیث سے ثابت ہے کہ ایک فاجرہ عورت نے ایک کتے کو جو پیاس سے مر جاتا تھا پانی پلایا تو وہ بھٹی گئی اور نیز ایک مرد کا بھی ایسا ہی حال ہوا تو وہ کتے سے پیاس بخاری میں ثابت ہے اور خود معلوم ہے کہ حق عزوجل کے نزدیک فعال تکلف یا دنیاوی طور سے مزین کی قدر نہیں بلکہ بڑے مومن کی تناسپے پروردگار کی رضا جمعی میں اند اپنے اصلی گھر کی رغبت صلاح میں ہے پس منافقوں کی نظر عیب جوئی کی اہل یاقین کے بالکل خلاف ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے مذمت فرمائی۔ بقولہ۔ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ۔ میں گذر چکی ہے پس یلزون یعنی بیسویں یعنی عیب لگاتے ہیں اور تبادرہ نے کہا اے یلزون یعنی ملن کرتے ہیں بلکہ میں اسے تطوع میں تطوع یعنی تبرع اور نفل عبادت جو واجب نہ ہو اور

من المؤمنین بیان مطوعین کا ہے اور اللہین موصول بہم کا بیان نہیں ہے بلکہ اللہین مرفوع ہے اور اس کی توضیح یہ کہ ضمیر جیسے نفس ذات کی طرف
راج ہوتی ہے ویسے اسم اشارہ موصول میں ذات موصوفہ مقصود ہوتی ہے خواہ وصف ایسا ہو جو قابل مدح ہے جیسے قولہ اللہین یؤمنون بالغیب
الآیہ۔ یا وہ وصف قابل مذمت ہو جیسے یہان اللہین یعنی یہ لوگ جنہیں نفاق کی صفت مذمومہ ہے اور معنی یہ ہے کہ اس صفت ذمیرہ والے لوگوں کا یہ
حال ہے کہ عیب لگاتے ہیں ان مؤمن صادق بندوں کو جو نوافل طاعات بجالاتے ہیں۔ فی الصدقات صدقات میں چنانچہ ابن مسعود سے
روایت ہے کہ جب آیت الصدقات نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ نصیحت درباب صدقہ فرمائی پس ایک شخص نے بہت سامان حاضر کیا یعنی
اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے مبارک سے عمل صدقات میں صرف فرمادیں تو اور زیادہ بھلائی ہو تو منافقوں نے کہا کہ اُس نے دکھلانے کو
ایسا کیا اور ابو عقیل رضی اللہ عنہ فقط اوصاف یعنی قریب ڈیڑھ سیر کے چھوہارے لائے تو منافق کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ سے
بے پروا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ کما رواہ البخاری و مسلم۔ اور ابو بکر البزار وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے اس سے اور جابر بن عبد اللہ بن اسماعیل وغیرہ
سے روایت کی کہ مطوعین میں سے عبد الرحمن بن عوف چار ہزار درم صدقہ دینے والے اور عامر بن عدی قریب چار ہزار پختہ غرامہ صدقہ کرنے والے
تھے جنکو منافقین نے کہا کہ کیا کاری سے صدقہ دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن عوف کو کہا کہ اللہ تعالیٰ برکت دے آسین جو تو نے صدقہ
دیا اور آسین جو تو نے اپنے واسطے رکھ چھوڑا اور حقیقت وہ صدقہ دل سے بدون ریا کاری کے صدقہ لائے تھے۔ اور اللہ عزوجل نے صدیق
نازل فرمائی اور منافقوں کی مذمت کی کہ مطوعین کو عیب لگاتے ہیں۔ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ فِي السَّاعَةِ إِلَّا كَيْفًا يُكْفَرُونَ اور ان میں بندوں کو
جو نہیں پاتے مگر بقدر جہد و کوشش کے۔ فَيَسْتَفْخِمُونَ وَيَسْتَسْخِرُونَ سَخِرَ تَوَابِعُ بَدَا سَخِرَ تَوَابِعُ بَدَا سَخِرَ تَوَابِعُ بَدَا سَخِرَ تَوَابِعُ بَدَا سَخِرَ تَوَابِعُ بَدَا سَخِرَ تَوَابِعُ بَدَا
مزدوری کر کے آدھے چھوہارے صدقہ لائے تو منافقوں نے تمسخر کیا پس اللہ عزوجل نے انکا عذر نازل فرمایا اور منافقوں کے حق میں فرمایا
سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ تمسخر کیا۔ شیخ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا کہ یہاں حقیقت تمسخر مراد نہیں بلکہ منافقوں کی بد حرکت
کے مقابلہ میں بوسی ہی جزا بیان فرمائی پس یہ بطریق مقابلہ ہے اور مفاد اسکا یہ کہ دنیا میں بھی اپنے مؤمن بندوں کی طرف سے انتقام ہو گیا اور
آئی اس تمسخر کا عقاب شدید ہے وہ دار آخرت میں منافقوں کیلئے مہیا ہوا اور بندہ اگر دو غلاموں میں سے ایک کو مطیع و سر فراد کرے اور دوسرے
کو نغمائی و خوار و سزا و سزا و سزا بنا پس منافقین اس سے زیادہ سخت غضب میں گرفتار ہیں جس قدر یؤمنون سے تمسخر نہیں کرتے ہیں کما قال تعالیٰ
وَلَقَدْ كَفَرَ عَدْنُ ابْنِ كَثِيرٍ اور منافقوں کیلئے عذاب دیکھ دینے والا ہے۔ اہل طاعت کے صدقہ کا یہ اوپر ہی اوپر کا اثر ہے کہ حق عزوجل
نے انکو دنیا میں باہر راست سرفرازی اور دار آخرت کی کرامت خود امر جمیل جلیل جزیل ہے۔ ابو اسلیل نے اپنے باپ یا چچا سے روایت کی کہ
مقام یثیب کے جلسہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے تھے جو کوئی کچھ صدقہ کرے گا میں قیامت میں اس کے واسطے اسکا شاہد ہوں گا تو میں نے اپنے
عمامہ میں سے ایک یا دو کھولے بغرض صدقہ دینے کے پھر مجھے خطہ بشری آگیا اور میں نے عمامہ کی گرہ بانڈھ لی پھر ایک شخص آیا جس کے ہاتھ سیاہ و
سست قد و شکل میں نے تجھ میں نہیں دیکھا اور اپنے ساتھ ایک دہنی لایا کہ اس کے مثل خوبصورت میں نے نہیں دیکھی اور کہا کہ یا رسول اللہ یہ صدقہ
ہو اپنے کہا بہت اچھا پھر فرمایا کہ یہ خوبصورت اونٹنی ہے۔ پھر ایک منافق نے صدقہ دینے والے کو عیب لگایا کہ یہ شخص اور یہ اونٹنی اس طرح
صدقہ دے ڈالی واشرہ تو اس سے ابھی ہے۔ اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ تو بھوٹا ہے بلکہ وہ شخص تم سے اور اس اونٹنی دو وزن سے
اچھا جو تین برتنہ فرمایا۔ پھر کہا کہ تیرے ساتھیوں میں سے جو لوگ دستاویز لائے ہیں ان کیلئے دلیل ہے یعنی الاکت یا جنم جو تو صحابہ رضی اللہ
عنہم عرض کیا کہ اگر کوئی یا رسول اللہ تو فرمایا کہ دستاویز ان میں سے سوائے اس کے جس نے یوں دیا اور یوں دیا یعنی دائیں بائیں پھر میرے

اشارہ کیا۔ پھر تین مرتبہ کہا کہ مزید و مجد فلاح یاب ہوا۔ مزید وہ جس نے عیش و عشرت میں زبردستی کی۔ اور مجدد وہ کہ جس نے عبادت میں خوب
 کوشش کی ہو۔ رواہ احمد۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلعم کو منافقوں کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمادیا۔
اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ

تو ان کے حق میں بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے واسطے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے ان کو اللہ
ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ

یہ اس پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔

اس میں اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے رسول کو آگاہ فرمایا کہ منافق لوگ قابل مغفرت نہیں چنانچہ فرمایا۔ **اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ** کیلئے مغفرت مانگ۔
 اور **اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ** یا ان کیلئے مغفرت مت مانگ یعنی دونوں مساوی ہیں اگر کہا جائے کہ استغفر صیغہ امر ہے جو از قسم انشاء ہے پھر خبر
 کیونکہ یہ تو جواب یہ کہ درحقیقت انشاء ہے اور خبر بیان مجازاً ہے بقریبیہ قولہ **اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ** اور تو شیخ یہ کہ جب امر وہی دونوں کو ان کے حق میں
 جمع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کام کرنا یا نہ کرنا دو نون کیساں ہیں یعنی ان کے حق میں یہ حکم ہو کہ استغفر بصیغہ امر یا یہ حکم ہو کہ استغفر۔ دونوں ایک ہیں تو معلوم
 ہوا کہ مغفرت کی انکو صلاحیت نہیں پس مقصود یہ ہوا کہ سوار ہم ان یقال فیہم افضل کذا اول الفعل یعنی ان کے حق میں کیساں ہو خواہ مغفرت مانگنے
 کا حکم ہو یا اس سے مانعت ہو پس مراد خبر ہے کہ استغفار ان کے حق میں بیفائدہ ہونے میں ایسا ہے کہ جیسے منع و عدم استغفار چنانچہ مخصوص کر دیا۔
بِقَوْلِهِ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ اگر تو ان کیلئے ستر بار استغفار کرے تو ہرگز بھی اللہ تعالیٰ ان کو
 نہیں بخشے گا۔ واضح ہو کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار تھا اور آنحضرت صلعم پر ظاہر میں ایساں رکھتا اور باطن میں دشمن ایذا
 کے درپے رہتا اور اسی نے کہا تھا کہ اے لوگو تمہیں نے محمد ان کے ساتھیوں کو کھانا کپڑا دیکر کبھی کر رکھا ہے ورنہ سب ساتھ چھوڑ کر متفرق ہو جاتے
 اور تبوک کے مقام میں اسی نے کہا تھا کہ اگر لوٹ کر دینے پہنچے تو ہم میں سے عزت دے بے عزتوں کو نکال باہر کرینگے۔ بالکلہ اس کے اقوال و
 افعال قبیحہ بہت ہیں لیکن اسے منافقانہ اپنال بھی اہل ایمان پر خرچ کیا اور ہر کے قیدیوں میں جب عباس گرفتار ہوئے تو اس نے ایک قیص انکو
 پہنائی تھی اور بعض علماء نے لکھا کہ آنحضرت صلعم اسکا عوض دینا چاہا کرتے تھے پس وایت ہے کہ جب وہ مرا تو اس کے بیٹے نے جن کا نام بھی عبد اللہ تھا اور
 وہ منافق نہیں بلکہ خالص مومن تھا بمقتضائے بشریت اگر آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ اس کے لئے استغفار فرماؤں پس آپ نے منظور فرمایا تو
 یہ آیت نازل ہوئی یعنی **اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ**۔ اگر کہا جائے کہ منافق مذکور ایک تھا جسکا واقعہ ہے اور آیت میں ہم بصیغہ جمع
 ہے تو جواب یہ کہ حکم عام منافقوں کا ہر انشاء کے بیان فرمادیا۔ اور علیٰ ہذا قولہ ان تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ بجز شرط بھی بیان حکم عام کیلئے ہے اور آیتہ وقت
 کیلئے نہیں کیونکہ بعض آیات میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس پر نازل فرمایا اور اس کے لئے استغفار کیا تھا تب آیت نازل ہوئی اور وایت ہے کہ جب یہ
 آیت اتری تو آنحضرت صلعم نے کہا کہ میں ستر سے استغفار بڑھاؤں گا تب نازل ہوا قولہ سوا علیہم استغفرت ہم ام لم تستغفر ہم الایہ یعنی اس کے
 حق میں کیساں ہو خواہ تو استغفار کرے یا نہ کرے الی آخر الایہ۔ اگر کہا جائے کہ کیا آیت کریمہ میں ان تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً سے ستر عدد مخصوص
 مراد ہے تو جواب یہ کہ نہیں بلکہ کثرت مراد ہے جیسے اردو مادہ میں بھی بولتے ہیں کہ ستر بار تجھے منع کیا تو نہیں سمجھتا ہے۔ پھر یہ سوال ہوا کہ آنحضرت صلعم
 نے کیونکر فرمایا کہ میں ستر بار سے بڑھاؤں گا تو اس کا جواب کئی وجہ سے دیا گیا بیضاوی وغیرہ نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے اس سے عدد مخصوص سمجھا
 کیونکہ وہی اصل موضوع ہے پس دوسری آیت میں بیان کر دیا گیا کہ مراد کثرت ہے نہ خاص ستر کا عدد اور اس جواب کو کشاف وغیرہ میں رد کر دیا کہ

۱۸۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کا اظہار فرمایا کہ جن لوگوں کی طرف آپ بھیجے گئے ہیں ان پر آپ کی رحمت و شفقت بدرجہ کمال ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی شان ہوتی ہے چنانچہ ابراہیم نے کہا میں عصائی فانک غفور رحیم اور یون نے فرمایا کہ جو میری تافرمانی کرے اس کے واسطے میرا عذاب ایسا ہے اور یہ بھی قائم ہے کہ امت کو باہم ایسے ہی رحم کی طرف ارشاد کیا اور نیز جب تک مر حکم نہ ہو تب تک تاویل رخصت میں جو خالی از ہوا ہو سکتا ہے نفس ہوا جات چاہنے کا طریقہ معلوم ہو گیا اور شیخ حکیمی نے بیان فرمایا کہ ان اعراب القرآن میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس قبیل سے ہے کہ لفظ کو ایسے معنی پر محمول کرنا جسکو مثل ہوا وجود علم اس امر کے یہ معنی بیان مراد نہیں ہیں چنانچہ قبضہ قبری کا قصہ اس مرکا شاہد ہے کہ حجاج لفظی اسپر غصہ ہوا اور کہا کہ لامتلک علی الادیم۔ تجھے بڑیوں پر لادوں گا یعنی ترے پاؤں میں بیڑیاں ڈالوں گا تو قبضہ قبری نے جواب دیا کہ مثل الامیر یعمل علی ادیم۔ شہب تجھسا سزا را دم گوڑے و شہب گوڑے پر سوار کر دیا کرتا ہے یعنی ادیم یعنی میری کوادیم یعنی سپا دہم لیلیا۔ بالجملة آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے کمال رحمت و شفقت کا قصہ کیا اور منافقوں کو اپنی طرف سے بالکل کوتاہی نہ کرنے کا اعتماد دلایا پس ان کو بالکل طبع نہ رہی کہ دنیا ہوا و ہوس میں کٹے پھر آخرت میں بھی استغفار وغیرہ کا حیلہ نکل آویگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قطعاً ان کو قابل استغفار نہ ہونے سے آگاہ فرمایا۔ ذلک یا انھم کفرنا و اذنا اللہ ورسولہ۔ یہ اس کا بالکل محرومی ان کے حق میں استغفار قبول نہ ہونے کی سبب اس امر کے ہے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ پس ظاہر ہے کہ تیرا استغفار ان کے حق میں قبول نہ ہونا کچھ اسوجہ سے نہیں کہ بھاری طرف سے کچھ نکل ہی یا تجھ میں کوئی تقصیر ہے بلکہ فقط اس جہت سے ہے کہ ان میں سبب کافر ہونے کے صلاحیت ہی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے قطع کر دیا کہ کافر کبھی مغفور نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ معلوم ہوا کہ منافق کافر ہیں اور کبھی مغفور نہ ہونگے مراد ہدایت سے یہاں ایسی ہدایت کہ مقصود تک پہنچے ہو جائے اور حق سے مراد وہ فسق و نافرمانی ہے جس سے کفر ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا نفاق کے افعال پر خوش ہونا وغیرہ بیان فرمایا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

خوش ہوئے بھاری ڈانے گئے بیٹھ رہے کہ جدار رسول اللہ سے اور بڑا لگا کہ ٹہرن اپنے مال سے
 وَأَلْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكِوْا كَثِيرًا وَجَزَاءٌ كَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے مت کر جہ کر دگرمی میں تو کہہ دوزخ کی آگ اور سخت گرم ہے
 اگر ان کو سمجھ ہوتی سو بھس بیورین خود را اور دوین بہت سا بدلا اس کا جو کاتے تھے
 فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ خُوش فرحان ہوئے وہ لوگ جو خلف ہوئے یعنی ایسے کہ دیئے گئے کہ پھر رہیں یعنی ان کو توفیق ساتھ جاننے کی حاصل نہ ہوئی بقول تعالیٰ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ نِسَاءَهُمْ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ
 تھے اور وہ منافقوں کی ایک جماعت تھی۔ اگر کہا جائے کہ تین سے مومن بھی پھر رہے تھے انڈا نملہ کعب بن لکھ بن تو جواب یہ کہ ہاں ولیکن یہ لوگ خوش نہ تھے بلکہ مشیت تقدیری پھر رہے اور دل سے ناخوش تھے پس فرق ظاہر ہو گیا اور عنقریب قصہ خلف کعب رضی اللہ عنہ آویگا اور اللہ تعالیٰ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے کمال رحمت و شفقت کا قصہ کیا اور منافقوں کو اپنی طرف سے بالکل کوتاہی نہ کرنے کا اعتماد دلایا پس ان کو بالکل طبع نہ رہی کہ دنیا ہوا و ہوس میں کٹے پھر آخرت میں بھی استغفار وغیرہ کا حیلہ نکل آویگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قطعاً ان کو قابل استغفار نہ ہونے سے آگاہ فرمایا۔ ذلک یا انھم کفرنا و اذنا اللہ ورسولہ۔ یہ اس کا بالکل محرومی ان کے حق میں استغفار قبول نہ ہونے کی سبب اس امر کے ہے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ پس ظاہر ہے کہ تیرا استغفار ان کے حق میں قبول نہ ہونا کچھ اسوجہ سے نہیں کہ بھاری طرف سے کچھ نکل ہی یا تجھ میں کوئی تقصیر ہے بلکہ فقط اس جہت سے ہے کہ ان میں سبب کافر ہونے کے صلاحیت ہی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے قطع کر دیا کہ کافر کبھی مغفور نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جہاد قین ہونوں کو تخلص کے نام سے یاد نہیں فرمایا چنانچہ وہیں مصرح بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور بعض نے کہا کہ مخلفون یعنی متروکین ہو یعنی چھوڑے گئے اور یہ ایک جماعت منافقوں کی تھی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تخلص کی اجازت لی تھی کہ ہم مدینہ میں چھوڑے جا دیں یا ناکہ بنیں تاکہ عسان بغیرہ قوام کے حکم سے مدینہ کو محفوظ رکھیں پس اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا کہ اگر ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں کی نیت قطعاً تھی کہ ساتھ نہ دین اور خلافت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور اختیار کریں چنانچہ فرمایا فرح المخلفون - خوش ہوئے پھر نے اس کے بعد یہاں سے قعود و مقعد و نون معدہ میں اسے بقعود ہم - اپنے بیٹھ رہنے سے - یعنی مخلفین جو مدینہ میں بیٹھ رہے تھے وہ خوش ہوئے اپنے بیٹھ رہنے سے - **خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّمَ** کے - اسے مخلفوا خلاف الرسول پس خلاف مفعول مطلق منصوب ہو یا مفعول لم ہو اسے لاجل خلاف الرسول یعنی بغرض خلاف کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سے - یا خلاف طرف ہو جو جہاد امام یعنی رسول کے مخالف ہو - کما قال البعبیدہ وغیرہ اسے بعد رسول اللہ قطب نے کہا کہ یعنی خلف ہو یعنی بغرض مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے - **وَكِرَهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** اور کہہ رکھا انہوں نے اس کو کہ جہاد کریں اپنے مالوں و جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں - کیونکہ ان کے پاس ایمان و اعتقاد بقاردار آخرت و فناء دنیا نہیں اور نفاق و اعتقاد حیات دنیا و اتہاع شہوات طبع و نفس موجود ہیں دنیا و اسکے لذات چھوڑ کر راہ حق میں جان و مال فدا کرنے کو کفرہ جانا بخلاف ہونوں کے کما قال تعالیٰ **لكن الرسول والذين آمنوا معه يجادلون باموالهم وانفسهم الآية** اور تقدیم اموال برانفس مشعر ہے ان کے کمال نبل پر راہ خیر میں مال دینے سے کمال نبل ہیں - **وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ لِرَأْيِ الْحَيَّةِ** اور منافقوں نے آپس میں بعض نے بعض سے کہا کہ جہاد کو نہ نکلوا اس گمراہی میں - پس آپس میں امر معروف سے ایک دوسرے کو منع کیا اور آرام طلبی و عین جسمانی جو مقتضائے طبع و نفس ہو سکی اتباع کی اور عزوہ تو تک شدت گری و وقت پختگی خرابی مدینہ واقع ہوا تھا قل **نار سجدت لآسئد سخرأ** تو کہہ دے کہ اے لوگو جنم کی آگ تو حجرت میں اس گمراہی سے کہیں سنت و شریعت سے کہو گا لو **کیف یفہون** اگر سمجھتے ہوتے تو ایسا نہ کرتے کیونکہ جب ان کو جہاد کے واسطے اللہ تعالیٰ کے رسول نے حکم دیا تھا تو ان کو روانہ تھا کہ پھر ان جیسے ان کو نفاق و کفر ہی نہ کرنا چاہیے پس جب حکم اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار نہ ہوئے بلکہ خواہش نفس کو غالب رکھا تو مومن نہ ہوئے جیسے حدیث میں ہے کہ کوئی تم میں سے مومن نہ ہوگا جب تک اسکی خواہش نفس اس فرمان کی مطیع نہ ہو جائے جب کو میں لایا ہوں - اور جب مومن نہ ہوئے تو چند روزہ زندگی دنیاوی کے بعد آخرت میں ان کے لئے جہنم کی آگ ہو اور وہ آگ انکی ہو سو اگر سجد کیے تو چند روزہ ایسے ناقص لذت جسمانی کیلئے رہیں گے کی آگ اختیار نہ کرتے اور اپنے نفاق و افعال ذمیرہ چھوڑ دیتے - کیونکہ کوئی سجدار چند روزہ جسم و زبان کے مزہ کیلئے ایسا عذاب لیا گا مگر منافقوں کی سجد ہی پر شامت تھی بوجہ کفر و نفاق کے اندھے بہرے بن گئے تھے کہ دائمی عذاب اختیار کیا - **فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَ لْيَبْكُوا كَثِيرًا** - اے فلیضحکوا ضحکا قلیلا و لیبکوا کثیرا کثیرا قلیلا ذرا کہیں اپنے جہنم سے نہ لگے اگر اختیار کی تو نفس لو یا حقوڑے دن ہنس لو اور بہتیرا روزہ صیوہ امر بقصد حتم و قطع وقوع کے یعنی خبر ہو یعنی انجام یہ ہوگا کہ چند سے زندگانی فانیہ میں جیسی کچھ یہ زندگی بیماری و آفات عالم کے ساتھ ہوتی ہو ہنسو گے اور پھر ہمیشہ بے انتہار روایا کر دے جو مر اسکی قیامت گویا قائم ہوگی اور جب اصلی قیامت ہوگی تو اہل کفر و طغیان پر یہ دن بڑا سخت ہوگا اللہ انی اعوذ بک بلسنی ایسے و المؤمنین جمیعاً عن العذاب الکربات و انت ارحم الراحمین - اور منافقوں کا یہاں ہنسنا ہی بمقابلہ عذاب آخرت کے ہو اگر یہ کوئی منافق فقیر محتاج دعوہ کہ میں گرفتار ہو تو عذاب آخرت کے مقابلہ میں اسکا مال گویا قابل ہنسنے و خوش ہونے کے ہو لہذا عموماً فرمایا کہ تمہارا ہنسنا اور بہت روزہ بجز آئے **بمآکلو** ایک کسب ہونے سے بجز وہ جزا باعمالہم - بلا دینے جہاد کے منافق لوگ یہ بلا ان افعال و اعمال کا جو چند روزہ زندگی میں کرتے تھے اگر جزا آخرت مراد ہو تو لیبکوا کثیرا

سے متعلق ہو یعنی دائمی دنا انکا ان کے اعمال کی جزا ہو اور جملہ ہر کہ ضحک قلیل بجا کثیر دونوں سے متعلق ہو پس دنیا میں جو دنیا فزون کو ملتا ہے جس
کسری و العوبت ہنسی کھیل میں پڑے رہتے ہیں بطریق استدراج ہے۔ کہانی قولہ تعالیٰ فتمنوا علیہم الیوم کل شیء الا یہ۔ اور یہی معنی میں اعاذیث
دین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن ہمیشہ ابتلا میں رہتا ہے شکر گزار رہا برکہ کفارہ گناہوں سے پاک رہتا اور اپنے پروردگار سے ملتا ہے اور منافق
درخت کجی کی طرح کسی آندھی سے جھونک نہیں کھا گیا یہاں تک کہ ایک بار جڑ سے گر جاتا ہے بالکل منافق اسقدر نا سمجھ ہوتا ہے کہ دار آخرت سے بالکل
منکر فقط دنیا کی زندگی پر اتماد کرتا ہے اور مومن دار آخرت کا اقرار کرتا اور ایمان رکھتا ہے پس یہ امر تو ایمان کی واسطے ضروری ہے پھر جنت و دوزخ
و عظمت جلال الہی کا شہود تو یہ خاص بندوں کو ہوتا ہے جنہیں سے اول انبیاء علیہم السلام میں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو تعلمون ما اعلم
ضحکم قلیلاً و لیکثیر کثیراً۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم یعنی اگر تم جانتے ہو میں جانتا ہوں تو تمھوڑا ہنستے اور بہت ہنستے۔ مترجم کہتا ہے کہ
یہ دونوں اس دنیا میں اپنی تفصیلات و قصص عبادات میں گرا گیا ہے اور حدیث میں بندہ صالح و فاضل کو فرمایا کہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کے
آنسو جاری ہوئے۔ ہا بجلد دنیا میں ضحک صورت غفلت مند ہے اور ایمان حواس و غیرہم نے کہا کہ قولہ فلیضحکوا قلیلاً یعنی دنیا چند روزہ جو
اس میں نہیں لین جب یہ منقطع ہوئی تو وہاں جا کر ایسا دنا دیکھیں گے کہ کسی منقطع نہ ہوگا۔ ابن ابی الدنیاء کی روایت میں ہے کہ پھر دوزخوں سے دربان
کہیں گے کہ اے شقی بد بخت لوگو تم نے دنیا میں بیونا چھوڑا ایمان اور نواہوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا تھا اب آج تمھاری کون فریاد سے کچھ پھر دوزخی
لوگ اپنے ہا پان اولاد کو جو جنت میں ہوں پکاریں گے کہ ہم قبروں سے پیاسے اٹھے اور تمام قیام عشرین پیاسے بہے اب بھی بہت پیاسے
ہیں سو تم کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے پانی و رزق روزی دیا ہے اس میں سے ہماری طرف بھی ہا دوس چالیس برس چلا کر گینگے کوئی جواب نہ دیکھا۔
پھر جواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں کافروں پر حرام فرمائیں تم میں پڑے رہو گے وہی حدیث آخر۔ دوزخی آنسو پیپ دین گے اور زخمی بدترین پہچان
اور حرمت دوزخ کی شدت و پہل و سختی عذاب میں آیات و احادیث بہت ہیں کہ قولہ تعالیٰ کلا انھما نلی نزاعہ للشوی۔ قولہ وقیل لہم ذوقوا عذاب الحریق
قولہ کما نفضت جلودہم بدناہم جلودا غیر الیہ ذوقوا العذاب لآیہ۔ وہی الحدیث عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کہ عذاب اللہ دوزخی وہ ہوگا جسکے پاؤں
میں آگ کی دو جوتیان ڈالی جاویں گی جن سے اس کا داغ ابلے گا۔ رواہ احمد باسناد علی شرط مسلم و قد رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری ہرود البخاری
عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم۔ وعن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم۔ اگر اس مسجد میں سو ہزار یا زیادہ آدمی ہوں ان میں ایک دوزخی آدے اور اس کی سانس ان کو
پونے نو سب لوگ سے مسجد کے جل جاویں۔ رواہ ابو یعلی و ہروریب۔ انس زرفہ۔ اگر آتش دوزخ کی ایک چنگاری پورب میں ہو تو پچھ میں اس کی
گرمی معلوم ہو رواہ الطبرانی۔ و انس زرفہ آتش دوزخ ہزار برس دھونگی گی کہ سپید ہوگی پھر ہزار برس کہ سرخ ہوگی پھر ہزار برس کہ سیاہ ہوگی کہ مانند
رات کے اسکی لپٹ میں چمک نہیں ہے۔ رواہ الترمذی و ابن مردودہ وغیرہ۔ وعن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کہ یہ آگ ستر اجزا میں سے ایک جزو آتش دوزخ
کاسے دو ہار سمندر میں کھائی گئی وہ نہ کسی کو اس سے نفع نہ ہوتا۔ رواہ احمد بسند صحیح و بعضا منہ فی الصحیحین۔ واضح ہو کہ جن عزوجل ہر چیز پر قادر ہے
اور کسبیت خلق اشیا بطریق پیداوار دنیا سراسر حکمت آئی ہے۔ فانہم منہ فی العرائس قولہ فلیضحکوا قلیلاً۔ آہ۔ دنیا میں جتنا چاہیں ہنس لیں
جب منقطع ہو کر جن عزوجل کی طرف جا دینگے تو ایسے دوزخ میں گئے جو کسی منقطع نہ ہو۔ قلت لذا قال الحسن البوری ذی وقادہ درین بن الیشیم ذی بدین سلم
وہ قسیر العزین حیاں۔ شیخ البزینی نے کہا کہ اس میں تعلیم ہے کہ ہنسوں کہ تاکہ دنیا تمھیں نہ لچھائے اور بہت دیا کرو کہ دار آخرت محبوب نظر آدے اور
سولی کی طرف شوق برعلاجے۔ طاہر مقدسی نے کہا کہ خدمت گاہ بہت نہیں بہتا اور اس دار محنت و غم میں دونا لائق ہے جب ضحک بسبب
ظہور عالمی عودتہ و انہ و دنا و ہنستا کسان ہر بہت دنا بشوق مشاہدہ ہوتا ہے پھر بہت دنا وصال دے کہ مریدین خیال حق وقت ایام ہے

یہ روایت اس دنیا میں اپنی تفصیلات و قصص عبادات میں گرا گیا ہے اور حدیث میں بندہ صالح و فاضل کو فرمایا کہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کے آنسو جاری ہوئے۔ ہا بجلد دنیا میں ضحک صورت غفلت مند ہے اور ایمان حواس و غیرہم نے کہا کہ قولہ فلیضحکوا قلیلاً یعنی دنیا چند روزہ جو اس میں نہیں لین جب یہ منقطع ہوئی تو وہاں جا کر ایسا دنا دیکھیں گے کہ کسی منقطع نہ ہوگا۔ ابن ابی الدنیاء کی روایت میں ہے کہ پھر دوزخوں سے دربان کہیں گے کہ اے شقی بد بخت لوگو تم نے دنیا میں بیونا چھوڑا ایمان اور نواہوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا تھا اب آج تمھاری کون فریاد سے کچھ پھر دوزخی لوگ اپنے ہا پان اولاد کو جو جنت میں ہوں پکاریں گے کہ ہم قبروں سے پیاسے اٹھے اور تمام قیام عشرین پیاسے بہے اب بھی بہت پیاسے ہیں سو تم کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے پانی و رزق روزی دیا ہے اس میں سے ہماری طرف بھی ہا دوس چالیس برس چلا کر گینگے کوئی جواب نہ دیکھا۔ پھر جواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں کافروں پر حرام فرمائیں تم میں پڑے رہو گے وہی حدیث آخر۔ دوزخی آنسو پیپ دین گے اور زخمی بدترین پہچان اور حرمت دوزخ کی شدت و پہل و سختی عذاب میں آیات و احادیث بہت ہیں کہ قولہ تعالیٰ کلا انھما نلی نزاعہ للشوی۔ قولہ وقیل لہم ذوقوا عذاب الحریق قولہ کما نفضت جلودہم بدناہم جلودا غیر الیہ ذوقوا العذاب لآیہ۔ وہی الحدیث عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کہ عذاب اللہ دوزخی وہ ہوگا جسکے پاؤں میں آگ کی دو جوتیان ڈالی جاویں گی جن سے اس کا داغ ابلے گا۔ رواہ احمد باسناد علی شرط مسلم و قد رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری ہرود البخاری عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم۔ وعن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم۔ اگر اس مسجد میں سو ہزار یا زیادہ آدمی ہوں ان میں ایک دوزخی آدے اور اس کی سانس ان کو پونے نو سب لوگ سے مسجد کے جل جاویں۔ رواہ ابو یعلی و ہروریب۔ انس زرفہ۔ اگر آتش دوزخ کی ایک چنگاری پورب میں ہو تو پچھ میں اس کی گرمی معلوم ہو رواہ الطبرانی۔ و انس زرفہ آتش دوزخ ہزار برس دھونگی گی کہ سپید ہوگی پھر ہزار برس کہ سرخ ہوگی پھر ہزار برس کہ سیاہ ہوگی کہ مانند رات کے اسکی لپٹ میں چمک نہیں ہے۔ رواہ الترمذی و ابن مردودہ وغیرہ۔ وعن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کہ یہ آگ ستر اجزا میں سے ایک جزو آتش دوزخ کاسے دو ہار سمندر میں کھائی گئی وہ نہ کسی کو اس سے نفع نہ ہوتا۔ رواہ احمد بسند صحیح و بعضا منہ فی الصحیحین۔ واضح ہو کہ جن عزوجل ہر چیز پر قادر ہے اور کسبیت خلق اشیا بطریق پیداوار دنیا سراسر حکمت آئی ہے۔ فانہم منہ فی العرائس قولہ فلیضحکوا قلیلاً۔ آہ۔ دنیا میں جتنا چاہیں ہنس لیں جب منقطع ہو کر جن عزوجل کی طرف جا دینگے تو ایسے دوزخ میں گئے جو کسی منقطع نہ ہو۔ قلت لذا قال الحسن البوری ذی وقادہ درین بن الیشیم ذی بدین سلم وہ قسیر العزین حیاں۔ شیخ البزینی نے کہا کہ اس میں تعلیم ہے کہ ہنسوں کہ تاکہ دنیا تمھیں نہ لچھائے اور بہت دیا کرو کہ دار آخرت محبوب نظر آدے اور سولی کی طرف شوق برعلاجے۔ طاہر مقدسی نے کہا کہ خدمت گاہ بہت نہیں بہتا اور اس دار محنت و غم میں دونا لائق ہے جب ضحک بسبب ظہور عالمی عودتہ و انہ و دنا و ہنستا کسان ہر بہت دنا بشوق مشاہدہ ہوتا ہے پھر بہت دنا وصال دے کہ مریدین خیال حق وقت ایام ہے

قال تعالى ترمي نعيم تفيض من الدار الاية بسبب جانك انكشاف غيبك فاقع هو اجر يري في كماله انك انك توفير بروتي هو اور ايك عبادت
پورا ايك خون سے جس میں جس کا نکلے ہو اور ايك نیت سے جس سے ان کا ایک حقیقت یہ اقسام ہیں پھر ان منافقوں کے ازلی شتی ہونے سے

اللہ تعالیٰ نے ہمدی و جہاد میں لجانے سے منع کر دیا۔ بقولہ
فَاِنْ رَجَعَكَ اللهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوا لَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
سو اگر پھر تم کو کسی طرف سے پھر یہ رخصت چاہیں تجھے نکلنے کو تو کہہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کسی اور نہ نکلو گے

میرے ساتھ کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھنا پسلی بار سو بیٹھے رہو ساتھ بچھاڑی والوں کے
فَاِنْ رَجَعَكَ اللهُ فَاتَفَرَّقْ رَجْعٌ مُتَعَدٍ وَرَجْعٌ لَّازِمٌ۔ کہنے نے لکھا کہ رجوع کے معنی کسی ہجر کا وہ ہیں جو پناہ دینا جہان تھی ماور عرف ان شرطیہ جو
محل مشکوک پر داخل ہوتا ہوا اشارت دلانا ہو کہ آدمی کو حیات فانی پر اعتماد نہ چاہیے یعنی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے اس مقام تبوک سے لوٹا کر پناہ دے
دینے میں۔ لای طائفة منہم ان میں سے ایک گروہ کی طرف ضمیر منہم یا تو منافقین کی طرف راجع ہو یا جملہ متخلفین کی طرف۔ پس اگر
منافقین کی طرف راجع ہو تو ان میں سے ایک طائفة یعنی نگری اس واسطے فرمائی کہ بہت سے منافقین ساتھ آئے تھے اور حضور سے مدینہ میں
بچھڑے تھے اور قنابہ رہنے لگا کہ ہم کو روایت ہو سکتی کہ بارہ آدمی تھے یا اسلئے کہ سب باقی منافقوں کے حق میں یہ حکم نہ تھا کیونکہ ان میں سے
بعض نے اپنے لفاق سے توبہ کر لی تھی اور اگر ضمیر جملہ متخلفین کی طرف ہو تو متخلفین میں سے ایک نگری اس واسطے فرمائی کہ سب پھر نیوالے منافق
ہوتے بلکہ بعضے مدینہ میں ماورقین ایسے تھے کہ ان کے واسطے ٹھیک عذر تھے اور بعضوں کے لئے عذر نہ تھے اور پھر نے پرنا دم تھے ان بعضے منافق
جو پھر نے پرغوش تھے سو انہیں منافقوں کو مراد لیا اور حاصل یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے لوٹا کر مدینہ پناہ دے جہاں یہ نگری منافقوں کی ہے
فَاَسْتَأْذِنُوا لَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ پھر یہ نگری والے تجھ سے اجازت چاہیں نکلنے کی یعنی کسی اور سے سفر جہاد میں جو اس سفر تبوک کے بعد ہووے
ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں فَكُلُّ مَنْ خَرَجَ مَعِيَ آجِدًا أَوْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيكُمْ فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ فَكُلُّ مَنْ خَرَجَ مَعِيَ
عَدُوًّا أَوْ كُفْرًا فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ فَكُلُّ مَنْ خَرَجَ مَعِيَ آجِدًا أَوْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيكُمْ فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ فَكُلُّ مَنْ خَرَجَ مَعِيَ
كَمَا سَمِعْتُمْ نَبَأَهُمْ وَأَدْرَأَيْدَانِ اس حال کا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو توفیق نہ ہوگی اور یہ ان کے پھرنے کی وجہ سے ان کے حق میں محبت ہو
کہ ان کو مجاہدین کے دفتر سے گرا دیا چنانچہ فرمایا۔ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُودِ اَوَّلَ مَكْرَةٍ۔ اسے لاکم یعنی یہ حقوت تم پر اوجہ سے کہ
تم اول بار یعنی عذوہ تبوک میں پھر پھر بیٹھ رہے پراضحی ہوئے۔ لکھا قال فرح المنافقون بقدرهم خلاف رسول اللہ پس مومنین اس سے انگ ہیں کہ یہ
وہ پھر جانے پر مجبور تھے چنانچہ آگے انشاء اللہ تعالیٰ بیان آدینگا۔ اگر کہا جاوے کہ تم مومنین ہو س قیاس یہ تھا کہ اولی بجائے اول ہو
جواب یہ کہ مضان بجانب معرفہ متعدہ میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہیں جیسے ہندۃ افضل النساء و فضل النساء اگر ہم مذکر لانا کہتے ہو اور
مضان بجانب نکرہ مطابق نکرہ ہی آئی ہو جیسے ہندۃ افضل امراء اور جائز نہیں یعنی امراء کیونکہ افضل لتفضیل مستعمل بجر من
کے ساتھ اسکو سخت مشابہت ہو سکتا ہے لکن انکشاف۔ فَاَقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ۔ پس تم بیٹھو مومنانین کے ساتھ ہو کہ یہ امر بطریق حقوت
و ذلت ہے اور خالین سے لقب ابن عباس نہ مرد لوگ مراد ہیں جو غازیوں سے پھر رہے اور ای کو ابن جریر نے صحیح کہا۔ لیکن ابن عباس مل کر
اسلئے کہ یہ لوگ تو خود بھی منافق تھے اور کہا گیا کہ خالفت یعنی قاسد ہو یا خود از قول عرب کہ خلف اللین اسے فسق یعنی دودہ بگڑ گیا اور فلان

خالفت اہل بیت یعنی فلاں اپنے گھرانے والوں میں فاسد ہو۔ قتادہ نے کہا کہ خالفین سے عورتیں مراد ہیں کہ ہمیشہ کچھڑی بنتی ہیں۔ اسپر عترتیں
 کیا گیا کہ خالفین اسکی حج نہیں ہو سکتی بلکہ خوالف خالفات ہونا چاہیے تھا اور جواب یہ ہو کہ لڑکے و عورتیں و عاہل مرد سب کی وجہ سے بطریق
 تغلیب بصیغہ مذکر خالفین جمع آئی ہو۔ فاقم بیضاوی نے کہا کہ خالفین کے ساتھ یعنی مختلفین کے ساتھ بیٹھ رہنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں جہاد
 کی لیاقت نہ تھی جیسے عورتیں لڑکے ہوتے ہیں۔ رازی نے کہا کہ اس آیت میں دلالت ہو کہ آدمی جب و سر سے مکر و فریب نفاق دیکھے
 اور اسکو مشدہ پائے کہ ایسے ہی سامان کرنے میں مصروف ہو تو اس سے تعلق قطع کر دے اور اسکی مصاحبت سے احتراز کرے اور جب اللہ تعالیٰ نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشدہ کر دیا کہ طائفہ نفاق کو جہاد میں ساتھ نہ لیا وین لہذا ان کی عقوبت ذلت کے لئے تھی جنہیں پناز وغیرہ بھی زلال کی واسطے منع فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ
 وَلَا تَصِلْ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّاتٍ أَبَدًا وَلَا تَقْرَبْهُم مَّا رَكِبُوا لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوٌّ لِلَّهِ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا لَكُمْ لِمَا كَفَرْتُمْ
 اور غاندہ پڑھ ان میں کسی پر جو جہاد کے لئے اور نہ کھڑا ہو اسکی قبر پر وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اسکی عداوت سے اور مرے ہیں بے شک
 مفسر و دیگر علمائے کرام نے نزول آیت کا اسوقت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی منافق پر ناز پڑھی۔ واضح ہو کہ عبد اللہ مذکور انصار میں گروہ خزیج
 کا سردار تھا مگر اسلام کی حالت میں منافقوں کا سردار رہ گیا۔ مرد فریب و راز قہ تھا کہ جب عباس بن عبد المطلب کی لڑائی میں قید ہو کر آئے تو کسی شخص کی تمسک
 انکے بدن پر نہ آئی سوائے اس منافق کی قیص کے اور اسکے ہا پاک نام ابی تھا اور مان کا نام سلول اور وہ اپنے باپ ان دونوں کی طرف مشورہ دیتا یعنی عبد اللہ
 بن ابی قحیف بن سلول کہلا تھا اور انشایام میں اس سے انحال نفاق ظاہر ہوئے اور نام مرگ منافق رہا پھر میں و قول میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر ناز
 پڑھی یا نہیں پل بن جویر کی روایت انس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جویر صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا لیکن بن کثیر نے کہا کہ اسناد ضعیف ہے اور صحیح کی روایات
 مثبت ہیں کہ ناز پڑھی چنانچہ امام احمد ترمذی نے عن ابن الخطاب سے روایت کی کہ جب عبد اللہ بن ابی مرگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے جنازہ پر ناز کیلئے بلائے گئے جب اسپر
 ناز کو کھڑے ہوئے تو میں پھر کر آپکے سامنے کھڑا ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ اس دشمن خدا بن ابی پر ناز پڑھتے ہیں جو فلان و ذلیق کہتا تھا اور فلان و ذلیق
 چنانچہ اسکے انحال منافقانہ شمار کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے یہاں تک کہ جب میں نے بت کہا تو اپنے فرمایا کہ اسے عمر ذرا مجھے ہو تو مجھے شمار کیا گیا پس
 میں نے اختیار کیا یعنی قولہ تعالیٰ استغفر لہم اولاد استغفر لہم الایۃ۔ اور اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں ستر بار سے استغفار بڑھاؤں تو بخشش کروں گی تو میں بڑھاتا
 پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر ناز پڑھی اور اس کے جنازے کے ساتھ گئے اور اسکی قبر پر کھڑے ہوئے یہاں تک اسکے فن سے فراغت ہوئی اور میں نے اس کو ذرا آنحضرت
 کی حضور میں اپنی حرکت کرنے سے تعجب کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ و اسکا رسول و انامہ پھر تمہم ہو اللہ عزوجل کی کہ کچھ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یہ دونوں آیتیں
 نازل ہوئیں ولا تقبل علی احدہن مات ابدا الایۃ۔ پھر اسکے بعد کسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافق کی قبر پر نہیں کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وفات فرمائی قال الترمذی
 حسن صحیح۔ وقد رواہ البخاری قد جاہلی الصیغین بالفاظ متعارفہ منسوخہ و مملئہ و یا اول الروایات علی سنی داہدہ اور صحاح و مسند کی روایات سے ثابت
 ہے کہ منافق مذکور نے اپنے مرض الموت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جب آپ اسکے پاس گئے تو فرمایا کہ تجھے یہودیوں کی جبت نے ہلاک کیا اسنے کہا
 کہ میں نے آپکو اپنے حق میں ملوہ وغیرہ کیلئے بلایا ہے اور اس سے نہیں بلایا کہ مجھے ملامت کرو۔ مترجم کہتا ہے کہ اسوقت بھی نفاق پر جا ہوا تھا۔ بہر حال
 اس نے وصیت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسپر ناز پڑھیں اور جب مر گیا تو اسکے بیٹے نے جو سچا مومن تھا اور اسکا نام بھی عبد اللہ تھا آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی کہ آپ اپنے حق مبارک علی ہدیٰ قیص عطا فرما وین شاید وہ منافق آگ سے بچے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قیص
 اس سے عذاب آگ میں نہیں کر سکتی ہو کما فی السراج اور عبد اللہ نے عرض کیا کہ یا حضرت اگر آپ نہ تشریف لائیں تو ہم پر عار باقی رہے گا اور کوئی
 مسلمان نہ کھڑا ہوگا اور میں نے ایات میں یہ کہ منافق مذکور جب گئے میں رکھ چکا گیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھلو کر اسکے سر سے ہاتھ لگا

بہت سے روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر ناز پڑھی اور اس کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہوئے یہاں تک اس کے فن سے فراغت ہوئی اور میں نے اس کو ذرا آنحضرت کی حضور میں اپنی حرکت کرنے سے تعجب کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ و اس کا رسول و انامہ پھر تمہم ہو اللہ عزوجل کی کہ کچھ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں ولا تقبل علی احدہن مات ابدا الایۃ۔ پھر اسکے بعد کسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافق کی قبر پر نہیں کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وفات فرمائی قال الترمذی حسن صحیح۔ وقد رواہ البخاری قد جاہلی الصیغین بالفاظ متعارفہ منسوخہ و مملئہ و یا اول الروایات علی سنی داہدہ اور صحاح و مسند کی روایات سے ثابت ہے کہ منافق مذکور نے اپنے مرض الموت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جب آپ اسکے پاس گئے تو فرمایا کہ تجھے یہودیوں کی جبت نے ہلاک کیا اسنے کہا کہ میں نے آپکو اپنے حق میں ملوہ وغیرہ کیلئے بلایا ہے اور اس سے نہیں بلایا کہ مجھے ملامت کرو۔ مترجم کہتا ہے کہ اسوقت بھی نفاق پر جا ہوا تھا۔ بہر حال اس نے وصیت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسپر ناز پڑھیں اور جب مر گیا تو اسکے بیٹے نے جو سچا مومن تھا اور اس کا نام بھی عبد اللہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ اپنے حق مبارک علی ہدیٰ قیص عطا فرما وین شاید وہ منافق آگ سے بچے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قیص اس سے عذاب آگ میں نہیں کر سکتی ہو کما فی السراج اور عبد اللہ نے عرض کیا کہ یا حضرت اگر آپ نہ تشریف لائیں تو ہم پر عار باقی رہے گا اور کوئی مسلمان نہ کھڑا ہوگا اور میں نے ایات میں یہ کہ منافق مذکور جب گئے میں رکھ چکا گیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھلو کر اس کے سر سے ہاتھ لگا

اپنا لعاب بن مبارک طویا جو عطر سے زیادہ معتبر تھا اور اسکو اپنی قمیص پہنائی۔ کئی روایت النسائی۔ اور بات یہ ہوئی کہ قمیص منگوانے میں میر ہوئی
کہ لوگوں نے قبر میں اتار دیا پھر مجھے سے آپ وہاں تک پہنچے فتنہ روا اللہ اعلم۔ ابن کثیر نے کہا کہ بعض سلف نے ذکر کیا کہ آنحضرت صلعم نے اپنی قمیص
مبارک اسکو مکانات قمیص عباس بن ہنایٰ تعی اور سراج وغیرہ ذکر کیا کہ حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اپنی پاک قمیص اس بلید نخس کو دیتے
ہیں تو فرمایا کہ میری قمیص اس سے عذاب آگے دور نہیں کرے گی اور مجھے امید ہے کہ اس سے بہت سے مسلمان ہو جائیں چنانچہ یہ دیکھ کر بہت سے خراجی
مومن ہو گئے بالجملہ جن تعالیٰ نے منافق پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا بقولہ۔ **وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّا رَأَيْتَ بِرَأْسِهِ مَنَاسِكَ**۔ یعنی منافقوں میں سے۔ یہ مؤید ہے کہ اور قولہ طائفہ منہم۔ میں بھی ضمیر ارجح بجانب منافقین ہے نہ کل متلفین تاکہ تفلک ضار لازم نہ آئے۔ مافات
آپ کا اوصاف میں نے کہا کہ آت جملہ صفت احذاف و موصوف اس کا جو ہو گیا یوں کہا کہ علی احد نہ میت اور ابد متعلق لاقتل جو اسے لاقتل بنا
علی احد نہ میت یعنی میت نماز پڑھ کہی کسی پر ان میں سے جو مر جاوے پس کلیہ صوام کے واسطے مانعت ہو گئی اور بیضاوی نے کہا کہ مات ابد متعلق
ہے مراد اس سے کفر پر موت ہو کیونکہ کافی زندگی بھی موت ہے کہ وہ آخرت کا قطع اٹھانے کیلئے نہیں بلکہ عذاب پانے کیلئے زندہ ہی پس گویا زندہ
ہی نہیں ہوا بلکہ دائمی مردہ ہے اور قول دل ارجح ہے یعنی مراد دوام مانعت ہے لہذا امام احمد وغیرہ کی روایات میں ہے کہ بعد نزول اس آیت کے منافق
شریف اپنے کسی منافق پر نماز نہیں پڑھی اور جنازہ کو پوچھتے پس اگر تعریف کی جاتی تو اسپر نماز پڑھ دیتے ورنہ اہل جنازہ سے کہتے کہ تم ہا نوا اور
جنازہ۔ **وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرٍ**۔ اور اسکی قبر پرست کھڑا ہوا۔ زہرا نے کہا کہ جب میت دفن ہوتی تو رسول اللہ صلعم اسکی قبر پر کھڑے ہوتے اور
اسکے لئے دعا کرتے پس منافق کے حق میں ایسا کرنے سے منع فرمائے گئے بعض نے کہا کہ قیام بیان یعنی صلح ہے یعنی ان میں سے کسی شخص کی
قبر و دفن کے اہتمام و صلح میں قیام نہ کیجئے اور بعض نے کہا کہ علی یعنی عند ہے یعنی دفن زیارت کے واسطے قبر کے پاس نہ کھڑے ہوں اور اول
ادنیٰ ہے پھر آنحضرت صلعم کو اس مانعت کیوجہ بتلائی بقولہ تعالیٰ۔ **لَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ**۔ اے لاہم یعنی اسلئے کہ ان لوگوں نے کفر کیا
اللہ تعالیٰ واسکے رسول سے **وَمَا تُوَاوَهُمْ فَيَسْقُون**۔ اور مرے درمیانیکہ سے فاسق تھے یعنی کافر تھے کہ قبل موت کے انھوں نے کفر سے
توبہ نہیں کی۔ اب یہ وہم نہیں ہوتا کہ کفر سے فسق گمنا ہوتا ہے پھر فاسقوں کیوں فرمایا۔ اور بعض نے جواب یا کہ اظہار ہے انھوں نے کفر کے ساتھ
فسق بھی جمع کیا کیونکہ بعض کافر تو جس اعتقاد پر ہیں اس میں امانت دار ہوتا ہے بخلاف نفاق کے کہ یہ طریقہ سب کے نزدیک بد ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کافر
پر کیونکر نماز پڑھی تو جواب یہ کہ ہم لوگ ظاہر حال پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا اللہ تعالیٰ دانت ہے چنانچہ جب حکم دیا تب کبھی نماز نہ پڑھی وہی تفسیر
الحافظ عمر بن الخطاب ایسے شخص کے جنازہ پر نماز نہ پڑھتے جسکا حال چھپا ہوتا جب تک اسپر حدیث بن الیمان رضی اللہ عنہ نماز نہ پڑھے کیونکہ حدیث
رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلعم نے اعیان منافقین سے آگاہ کر دیا تھا اسپر واسطے حدیث کہ کو صاحب سلمہ رسول صلعم کہتے ہیں کہ اس صبیح سے کوئی صحابی
سوائے ان کے آگاہ نہ تھا اور ابو عبیدہ نے کتاب التریب میں روایت کی کہ عمر نے ایک جنازہ پر نماز پڑھنی چاہی تو حدیث نے جنگلی اس مقصود
یہ تھا کہ نماز نہ پڑھو پس عمر نے نہ پڑھی واضح ہو کہ سبب نفل اگرچہ قصہ منافق واحد ہے لیکن مانعت عام ہے اور قمیص میں تفلین کرنے سے مانعت
نہیں لڑائی اسلئے کہ قمیص دینے سے انکار کرنا خلاف کرم تھا۔ کذا قال البیضاوی۔ اور یہ اس تقدیر پر کہ نماز پڑھنے سے پہلے مانعت آگئی تھی اور بعد اسکا
ظاہر ہے کہ قمیص وغیرہ سے خود مانعت ظاہر ہو کیونکہ نماز جو بڑی بندگی ہے یعنی دعا و استغفار جب وہ کافر منافق کے حق میں کار آمد نہیں تو کوئی
مؤمن نہ ہوگا اور منافق کے حق میں اس مانعت سے ظاہر ہے کہ مومن کے حق میں یہ امر موجب کرامت ہے چنانچہ دفن مومن میں شرکت موجب ثواب ہے بل
کہ ادنیٰ بمان کہ وہ احد ہے حدیث صحیح سے ثابت ہوا۔ بالجملہ اہل نفاق و کفر نہایت خبیث ہیں اور ظاہر حال میں کثرت مال و اولاد سے شیطان دوسرے لانا ہے

کہ شاید وہ کہتے ہوں تو اللہ عزوجل نے اس سوسہ پر متنبہ فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ۔
وَلَا تَجْعَلْ أَمْوَالَهُمْ لِوَالِدِهِمْ لِيَنْعَمَ بِهَا فِي الدُّنْيَا
 اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے اللہ ہی چاہتا ہے کہ ملاب کرے انکو ان چیزوں سے دنیا میں
وَتَرْهَقَ الْفُسْهُمُ وَهُمْ كَافِرُونَ

اور نکلے ان کی جان جب تک کافر ہی رہیں

اجاب پسند کرنا بنظر تحسین اور توضیح اسی کے مثل آیت سابقہ میں اسی سورہ میں گزری۔ **وَلَا تَجْعَلْ** خطاب حضرت مسلم کو اور اہم مقصود اوست
 ہیں اور ضمیر مضاف الیہ۔ **أَمْوَالَهُمْ** و اولاد دھرم میں منافقین کی طرف راجع ہو پس محتمل ہے کہ وہی قوم منافقین مراد ہو جو پہلی آیت میں مراد تھی یا
 دوسری اور اولیٰ یہ کہ مطلق منافقین کی طرف راجع ہو کیونکہ مقصود عموم ہے حتیٰ کہ قیامت تک کیلئے شامل یعنی۔ اور تعجبہ اعجاب میں نہ ڈالیں انکے
 اموال و نہ اولاد یعنی اسے اہل ایمان تم لوگ منافقوں کے اموال کثیرہ و اولاد کو بنظر تحسین دیکھو۔ **إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَ بِهَا فِي الدُّنْيَا**
 انرا کلمہ انحصار۔ ان یعذبہم جملہ بتاویل مقرر ہو کر مفعول پر یہ۔ المعنی ہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ منافقین کو انکے ان اموال اولاد سے دنیا میں عذاب
 کرے یعنی یہ چیزیں ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ عذاب ہیں پس مطلوب استدراج کے ان کو یہ چیزیں ملیں اس سے کہ شے دنیا میں ان چیزوں میں ایسے
 منہمک ہوئے کہ بجائے ان کے شکر یہ و طاعت الہی کے ناشکری کی پس زکوٰۃ و صدقہ و خیرات اور اللہ تعالیٰ کی اہ پر خرچ کرنے اور ایمان کیساتھ
 طاعت و جہاد وغیرہ سب منہ موڑ کر ان چیزوں میں ان کے حق میں عذاب ہو گئیں اور یہ امر ان کے حق میں اذل سے مقدر تھا پس قولہ یہ دنیا میں عذاب
 ہی معنی ہیں۔ حاصل یہ کہ ان کے حق میں قہری استدراج یوں ہی مقدر ہے کہ ان چیزوں سے دنیا میں عذاب ہاویں تو اہل ایمان کو مال و اولاد پر نظر
 کر کے کسی کی خوبی نہ سمجھنی چاہیے بلکہ جب یہ چیزیں طاعت الہی کے ساتھ نہیں تو عذاب ہیں جیسے منافقوں کے حق میں فرمایا کہ ان چیزوں سے دنیا میں انکے
 لئے ہی مقصود کہ عذاب کماویں۔ **وَتَرْهَقَ الْفُسْهُمُ وَهُمْ كَافِرُونَ**۔ ذہن سختی و تکلیف کے ساتھ نکالنا۔ اور حدیث میں صحیح ہوا کہ کافروں کی روں
 بسختی تمام نکالی جاتی ہے کیونکہ معائنہ عذاب عدہ غضب الہی سے مقرر تھاتی اور بدن میں گھسی جاتی ہے۔ یعنی اس سختی شدید ان کی رو میں نکالی جائیں در حالیکہ وہ کافر ہیں
 یعنی دنیا میں ان چیزوں سے عذاب اٹھادیں حتیٰ کہ کافر میں اس طرح کہ ان کی رو میں سختی تمام ان کے بدنوں سے کھینچی جاوین۔ **اعوذ باللہ من الکفر والکفر**
علیہ ساگر کہا جاوے کہ آیت کریمہ پہلے گزری پھر اسی سورہ میں بیان اسکو کر فرمایا۔ تو جواب یہ کہ دنیا سے نکلن خاطر ہی عاقبت سے اندھا د کافروں سے
کر دیتا ہے اور باعث تعلق اسی اموال و اولاد میں دائر ہو اسی سے ترک طاعات بالخصوص ترک جہاد ہو پس مکر تہنیه کرنا اس میں امر اہم ہے جیسے شرک سے
وعید کرنا جبکہ بہت اہتمام کے لائق تھا تو اسکو سورہ نساء میں مکر فرمایا۔ دازی، حملہ شد وغیرہ نے لکھا کہ اوپر جو یہی آیت کریمہ گزری اس سے بیان چار
حرف میں فرق ہے۔ اول وہان فلا تعجبک۔ یہاں ولا تعجبک تو وہاں خیرات میں خرچ کرنے سے کراہت کرنے پر بغاوت تفریح فرمائی اور یہاں شمار ان کے
قبائح کا اور مقصود اصلاح نفس مومن دفع و سادس ہر دو م وہاں ولا اولاد ہم۔ یہاں۔ بدن حرف لاکے فرمایا مگر لا محذوف ہے پس وہاں تو بسبب
مقام ادنیٰ سے علی کی طرف ترقی ظاہر ہوئی جیسے کہتے ہیں کہ مجھے تو وزیر مجلا معلوم ہونہ بادشاہ اور یہاں دونوں میں مساوات ہو گئی پس
دونوں چیزیں منافقوں کے حق میں یکساں ہیں۔ سو تم وہاں یعذبہم۔ اور یہاں ان یعذبہم۔ ہر پس تہنیه ہر کہ لام تملیل ہوتا و ہونا واحد ہو کیونکہ
در حقیقت ادادہ و افعال الہی عزوجل ہر دون علت کے ہوتے ہیں اور وہاں علت کا دخل محال ہے۔ چہاں وہاں فی المحیوۃ الدنیا۔ یہاں فی الدنیا
اس تہنیه کے لئے کہ دنیاوی حیات کچھ حیات نہیں لہذا ترک ذکر حیات سے اسکی دنارت و خست ظاہر ہو گئی۔ وقال المترجم وہاں خرچ میں نکلنے پر

Marfat.com

مستغرق کرنا مقتضی حیات تھا یعنی یہ بخل ہی قدر حیات نیا کیلئے جو بعض ہے اعتبار ہوا اور بیان بیان اس امر کا کہ دنیا میں ان کو یہ چیزیں موجب عذاب ہیں نہ
 نشان قبول و منزلت فالہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَإِذَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمَنُوا بِهَا نَهًا وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ اسْتَذْنَتْ أُولُو الْأَرْحَامِ مِنْهُمْ وَقَالُوا احْدُثْنَا

اور جب نازل ہوتی ہو کوئی سورۃ کہ یقین لادو اللہ اور فرمائی کہ اس کے رسول کے ساتھ ہو کر سخت اٹھے ہیں مقتدر و اے ان کے اور کتے ہیں ہم کو
 لَكُنْ مَعَ الْقُعْدِيِّينَ رَضُوا بِأَنْ يَكُونَ لَكُمْ مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَأَمْحُوا كَمَا يُفْقَهُونَ ۝

پھر اے وہ جاہلین! تم نے اپنے آپ کو خوش آیا کہ وہ جاہلین ساتھ پھلی عورتوں کے اور مردوں کے ان کے دل پر جو ان کو جو نہیں
 پہلے بیان ہوا کہ منافقوں کے حق میں ان کے اموال اولاد و عذابیہ کہ انہیں کو اصل مقصود خیال کر کے زندگی پر جو یقین موت کے نام ڈرے ہوئے اور غریب و تنگ

و جہاد سے نہایت نیرا و شہوات زیادتی میں منہمک تھے ہیں پس کوئی بندہ جو ان کے اموال اولاد کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھے اور اللہ تعالیٰ عزوجل بندہ جو ان کو
 نور ایمان عطا فرمائے جو اس سے وہ دنیا کو بقابلہ آخرت کے جیسے گھوڑا بقابلہ تخت سلطنت کے دیکھتا ہے جو جلال منافق و کافر کے کہ آخرت سے اندھے ہیں پس اس کو تمام

نعمت جانے اسی وجہ سے حیات زیادتی پر نظر شہوات حریص ہیں نہ منظر طاعتات پس جہاد سے بظن موت مال و اولاد چھوٹے ذمہ زندگی دنیاوی سے محروم ہو گئے گریز
 کرتے اور پھرتے ہیں چنانچہ ان کے احوال اقوال کو جاننا جہاد کے طور پر اپنے علم قدیم کے موافق حکایت فرمایا از انجملہ بیان فرمایا۔ وَإِذَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ كَانُوا

احتمال ہو کہ سورہ سے پوری سورہ مراد ہو اور ہو سکتا ہو کہ کرا مراد ہو اور بعض نے کہا کہ یہ سورہ بڑا مراد ہے حسین منافقوں کی قلبی خلگی کہ اسی میں جہاد کا عنوان آگیا
 اور اسی میں آیۃ السیف ہو یعنی اور جب آئی گئی سورہ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورہ نازل فرمائی أَنَّ آمَنُوا بِهَا نَهًا وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ اسْتَذْنَتْ

کہ ایمان لادو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو یعنی سورہ اس حکم کے ساتھ نازل کی گئی اور ہو سکتا ہو کہ ان اصطلاح میں ان تفسیری ہو یعنی سورہ
 و کلام جو نازل کیا گیا یہ حکم کہ ایمان لادو اللہ اور یہ حکم عام ہو تمام بہنوں کو شامل ہو اور منافقوں پر بھی جاری ہو کیونکہ اسے لوگ سے مومن تھے پس ان کے حق میں

اس طرح کہ سچے طور پر ایمان لادو اور خالص نیت سے رسول اللہ کے ساتھ ہو کر جہاد کرو پس انہوں نے اس طرح جو جہاد کرنا چاہتے تھے۔ احوال جب ایسا حکم نازل کیا گیا تو۔
 اسْتَذْنَتْ أُولُو الْأَرْحَامِ مِنْهُمْ طبع و ستر فرمائی قدرت یعنی اجازت مانگنے لگے تھے اور صلعم انہیں سے دسترس فرمائی اے حکوم مال نادراہ سفر جہاد

و ساری کی بھی طبع قدرت حاصل تھی۔ وَقَالُوا احْدُثْنَا مَعَ الْقُعْدِيِّينَ لَوْ كُنَّا لَكُم مَعَهُ لَوَدَّعَيْنَا كَمَا كُنَّا مَعَهُ ۚ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ اسْتَذْنَتْ أُولُو الْأَرْحَامِ مِنْهُمْ
 مطلب بیان ہوا۔ قاعدین جمع قاعد یعنی بیٹے والے اور مراد لڑکے نابالغ و بچے اپنا بیع و غیرہ جن عورتوں میں شامل ہیں جنکو قاعدات کہنا چاہئے لیکن معذور عورتوں

کے لفظ سے قاعدین میں آئی ہے پھر احتمال ہے کہ متمول منافقوں نے صاف صاف یہ بات کہی ہو کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے اور شاید حال مطلب تسمیہ
 بیان ہو کہ اجازت مانگنے کا نتیجہ یہ کہ قاعدین کیساتھ بیٹھ رہیں اور خلاصہ یہ کہ جب جہاد کا حکم آیا جو بڑن ایمان کے ٹھیک نہیں تو پہلے تندرست متمول آئے اجازت

لینے کہ ہمیں قاعدین کیساتھ چھوڑ دیجئے حالانکہ یہ ایمان کا مقتضی نہیں کہ حیات دنیا پر بھروسہ کر کے آخرت سے محروم و خوار ہو رہے مومن سکون نہیں پسند کر سکتا کیونکہ یہ بڑن
 آئی ہے جہاد ہو جانا اور منافقوں کی قلبی کھول دی کہ رَضُوا بِأَنْ يَكُونَ لَكُمْ مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَأَمْحُوا كَمَا يُفْقَهُونَ۔ خوالف جمع خالفہ

بتا رہا تائید یعنی وہ عورتیں جو مردوں کے پیچھے گھومتی رہ جاتی ہیں اور صیغہ صفت مرد کے اسطرح ہی رجل خائفہ بولتے ہیں یعنی ایسا مرد جو کسی کام کا نہیں
 پس ہو سکتا ہو کہ لفظ خالفہ صیغہ صفت کی جمع خوالف ہو کیونکہ خالف بن تار کے جمع خوالف نہیں آتی اسلئے کہ سوائے ذرا اس لوگوں کو اس ہو الکت و غیرہ چند لفظ

معدود کے فاعل کی جمع مردان فاعل نہیں آتی تو۔ طبع یعنی مکرر تا۔ المعنی یہ لوگ جنہی ہوئے و پسند کیا اپنے حق میں اس بات کہ خوالف کیساتھ ہو رہے ہیں یعنی
 زمانہ نامرد سے بلکہ عورتوں کیساتھ ہو رہے ہیں اور مکرر دی گئی ان کے دلوں پر سوئے کہ مجھے نہیں یعنی زندگی دنیاوی جو آنکھوں کی لٹی لٹی ناپا بار چھ ہے

زمانہ نامرد سے بلکہ عورتوں کیساتھ ہو رہے ہیں اور مکرر دی گئی ان کے دلوں پر سوئے کہ مجھے نہیں یعنی زندگی دنیاوی جو آنکھوں کی لٹی لٹی ناپا بار چھ ہے
 زمانہ نامرد سے بلکہ عورتوں کیساتھ ہو رہے ہیں اور مکرر دی گئی ان کے دلوں پر سوئے کہ مجھے نہیں یعنی زندگی دنیاوی جو آنکھوں کی لٹی لٹی ناپا بار چھ ہے

زمانہ نامرد سے بلکہ عورتوں کیساتھ ہو رہے ہیں اور مکرر دی گئی ان کے دلوں پر سوئے کہ مجھے نہیں یعنی زندگی دنیاوی جو آنکھوں کی لٹی لٹی ناپا بار چھ ہے
 زمانہ نامرد سے بلکہ عورتوں کیساتھ ہو رہے ہیں اور مکرر دی گئی ان کے دلوں پر سوئے کہ مجھے نہیں یعنی زندگی دنیاوی جو آنکھوں کی لٹی لٹی ناپا بار چھ ہے

اِنَّكَ اعْتَدَدْتَ لِنَفْسِكَ بِاتِي بَاكِلَادِ اَخْرَجْتَهُ بِوَرْدِ نَادِيَانِ عَلَابِ بِلَايْنِ مَهْرِيْكَ كَرْتَارِ سَوِيْطَا نَعْفِ حَمَاقَتِ هُوَا سَكُوْنِيْنَ سَجَّحْتَهُ بِيْنَ جِرَافَتِيْنِ لِيْ سَهْ مَنَافِقِيْنَ سَكُوْنِيْنَ
وجود کو اور ان کے ساتھ نہ دینے کو بھیج کر دیا اور اپنے پان سول و مومنین کے فعال پر جو فرشتے پھولے تھے

لَكِنَّ الرُّسُوْلَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ رَافِقِيْنَ

لیکن رسول اور جو ایمان لائے ہیں ساتھ ان کے لئے ہیں اپنے مال اور جان سے اور انہیں کے دین چاہتے ہیں
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اور وہی پورے مراد کو
لیاں گے جن میں اللہ نے ان کے واسطے باغ ہی میں بنے انہیں میں۔ اگر ان میں سے کسی کو چاہے تو وہ

دنیائے بندوں کی صدق نیت و حسن طہرت اپنے مولیٰ پر جان و مال فدا کرنا ہی بندگی کی علامت ہے ورنہ او تعالیٰ عزوجل چاہے تو سب ذرا ایک بل میں لٹا

ہو جاوے نہ چاہے تو سب ایک آن میں سرشکے دین اگر اسکی حکمت کاملہ وہی جانتا ہے بڑھ تو اپنی حقیقت اور ایک پتی کی ناہمیت نہیں معلوم کر سکتا و قادر

مختار ہے جو چاہے مگر فرمائے پس جہاد کا حکم یا عین ایمان انے ثابت قدم رہے اور منافق نکل گئے اور وہ کس قطار و شاہین میں اپنی ہی عاقبت

خراب کی لہذا بھون استراک فرمایا۔ لَكِنَّ الرُّسُوْلَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ كَيْفِيْنَ سَافِقِيْنَ پُرسیم پھرتے ہو گئے یا کیا نقصان نہ اور رہا جہاد و علم

ہونا تو ہرگز نہ ان کو اسکی توفیق دی کہ رسول اللہ عزوجل و صلعم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو رسول کے ساتھ میں یومئذ سے ہیں۔ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

وَاَنْفُسِكُمْ سَانِ سَبَبِيْنَ اِنِّهٖ مَالُوْنَ وَاَنْفُسِكُمْ كَيْسَا مَعَهُ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ كَيْسَا مَعَهُ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

موافق فدا کر دیا واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہونا شروع شریف سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ جو کوئی اپنا سب مال کیساری خیرات کرے اسے شرف

کے موافق نہ کیا اور خلافت مرضی الہی سبحانہ تعالیٰ کام کیا کیونکہ یہ حکم نہیں ہے الا بظرف خاص کسی چیز سے نہ لگائے اور اپنی جان و جان کو شرف

کے تابع کرے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک بندوں کی مدد و منزلت بیان فرمائی۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ خیرات جمع ضمیر و تشدید

یا دیکھا پھر تفسیر کی گئی مینی اسکی بھالی اور مراد ہر طرح کی بھالی ہے خواہ دنیاوی ہو یا اخروی ہو کہ الف لام استمران ہے۔ اور بعض نے حمد ان سے

تفسیر کی و اول اتوی و ادنی ہے۔ المعنی اور انہیں بندوں کیلئے تمام جہالیان ثابت ہیں دنیا میں بھی بڑھ خدا جبر و عظمت و نور میں دیکھو کہ ان کے

میں خصوصاً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہی بنیے فلانچ پانہ دے ہیں۔ دونوں جگہ اسم اشارہ آئی منزلت و خوبی ظاہر فرماتے ہیں فرمایا ان

کامل انہیں بندوں کو حال ہو اسکا ہمزہ ابیان جو ہم میں سکتا ہے ذکر کیا بقولہ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مِا سَا كَرُوْا اللّٰهُ تَعَالٰی نے اسے سے جنت ایسی جنتوں کو

تجوڑی میں تخریجا لکھا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ جہاد کے لئے ہے۔ خَلِيْدِيْنَ فِيْهَا جَنَّتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

لیگا کہیں نکالے نہ جاؤ گے مرنے نہ یہاں کی طرح نئی نئی جنتوں سے کہیں آتا دے جو چاہو گے میں پاؤ گے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

یہ جو بیان ہوا بڑا بھاری فزہ ہے جسکی حقیقت ناقص ہو چکا آدمی کیا کہ سکتا ہے **وَفِي الْعَرٰسِ قَوْلُهُ لَكِنَّ الرُّسُوْلَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ**

ہر ایک کا جہاد مختلف اسکی شان کے لائن ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے ادائے امانت رسالت کا پورا بوجھ اٹھانے میں کوشش و جہاد کیا اور مسنون

نے اتباع سنت و حکم نبوت کی تعمیل میں جان فدا کی معیت جو کلام پاک محمد سے ظاہر ہے مومنین صحابہ رضوان اللہ علیہم کیلئے کمال کرامت ہے اور اشارہ

سے ثابت ہوا کہ جس مشاہدے سے تحقق ایمان ہو اس میں رسول پاک کے ساتھ آپکے باران جان نثار آپکے طفیل میں شریک ہو کر سبے بمحض فضل حضرت

باری تعالیٰ عزوجل کرامت پائی پھر مرتبہ نبوت بفضل فاضل کرامت کا ملخص ہے پھر ہی تعالیٰ نے کشف النوار جمال کے عطا و لوال میں بھی اپنے

پاک سول کے ساتھ پاک مومن بندوں کو شریک کیا اور فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ کیونکہ اولئک کے اشارہ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ سب

مؤمنین اہل بن خیرات مشاہدات و ظہور الوار قریب سال میں جو دنیا میں بطرز خاص ہو عاقبت میں تمام خوبی و ظہور خاص پادشہ کے پھر ان کے وصف میں اور بھی بڑھایا اس طرح کہ سابقہ سعادت اذی کے انعام سے یہ لوگ تہری گرفت و سختی سے نجات پائے ہوئے ہیں بقولہ تعالیٰ واد لکم ہم الفلحون تمام فلاح و کمال مراد و منی سے فائز ہیں چنانچہ اسی کی تصدیق کرتا ہے قولہ تعالیٰ اعدا اللہم جنات تجری من تحتہا الانهار خالدین فیہا ذلک الفوز العظیم۔ قریب سال کے برسے مہرے باغون مشاہدات کے بہتان میں جکے پیٹے بحر ذات سے علوم ازلیات کی نہر میں جاری ہیں جسے ان نہروں سے ایک بار پانی پیا وہ ان اصناف سے متصف ہو گیا اور مشاہدہ ذات میں باقی دو ائمہ ہیں یہ فوز عظیم یوں ہے کہ حدوت سے نجات ہو اور حضرت قدیم عزوجل کے مشاہدہ تک سائی حاصل ہو یعنی نے قولہ تعالیٰ لکن الرسول والذین آمنوا معہ ارجح کے اشارہ میں کہ انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے رسالت میں انہما درجہ کا اجتماد کیا یعنی جہاد جو جان و مال سے کوشش ہے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے رسالت میں پورا کیا پس کافروں سے لڑائی بھی منجملہ ادائے رسالت کے شمار ہے اور مومنوں نے اس طرح یہ جہاد کیا کہ جو امر شرعی میں اُرد ہو اس میں اپنی جان سے کوشش کی چنانچہ جو حکم شرعی کہ جان نڈا کرنے سے متعلق ہے اس میں جان سے دریغ نہیں کیا یعنی جیسے کفار سے جہاد کرنا اور جو حکم متعلق ہال ہے اس میں مال فدا کر دیا۔ واضح ہو کہ آیات مذکورہ الصلوٰۃ سے منافقوں کی ندمت میں ثابت ہوا کہ خالفین کیساتھ بیٹھ رہنے پر ذمہ ہوتی ہے وہی ہوئے دخالین ہو لوگ جو باہر چلے جائیں گے جہاد میں کے بعد میں ہے انہ معذور مرد و اطفال عورتوں کے حالانکہ ان پر خالفین کا اطلاق بردہ ذمت نہیں بلکہ یعنی نبوی ہو لہذا اگے کلام میں عذر صحیح والوں کے معذور ہونے و معاف وغیرہ ہونیکے حکام کو اور منافقین کے مذموم ہونے کو بیان فرمایا۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَوَّلَ اللَّهُ طَسُوتُ الَّذِينَ
 اور آئے بہانے کرتے گنوار تاریخ سے ان کو اور بیٹھ رہے جو جھوٹے ہوئے اللہ سے اور رسول سے اب پونے کی انکو جو

كَلِمَةٍ قَالُوا إِنَّهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ كَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَدُونَ مَا يُبْفِقُونَ
 منکر میں انہیں ڈک کی مار ضعیفوں پر تکلیف نہیں نہ مریضوں پر نہ ان پر جن کو پیدا نہیں جو غریب کرین

تَحِيًّا إِذَا لَعَنُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا
 جب دل صاف ہوں اللہ اور رسول کے ساتھ نہیں لکن والوں پر الزام کی ماہ اور اللہ نے ولا امران ہو اور نہ ان پر کہ جب

مَا آتَوْكُم بِهِمْ قُلْتُمْ لَا آجِدُ مَا أَخْلَكُكُمْ عَلَيْهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ كَيْفُضُ مِنَ اللَّهِ نَحْنُ الْكَاكِجِدُ وَأَمَا يَنْفِقُونَ
 تیرے پاس آئے تا انکو سوا ہی دے تو نہ لیا بلکہ پیدا نہیں جو کچھ ساری دن اٹے پھرنے اور انکی گونہ بتے ہیں آنسو اس ہے کہ انکو پیدا نہیں جو غریب کرین

لَأَمَّا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ كَيْسَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ كَيْفُضُ مِنَ اللَّهِ نَحْنُ الْكَاكِجِدُ وَأَمَا يَنْفِقُونَ
 راہ ان کی ان پر جو رخصت مانگتے ہیں تجھے اور اللہ اور میں خوش گاہ کہ جہاں ساتھ پہلی عورتوں کے اور مری اللہ نے ان کے دل پر سو وہ نہیں جانتے

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَوَّلَ اللَّهُ طَسُوتُ الَّذِينَ
 یہاں سے چھوٹے عذر کرنے والوں کا بیان شروع ہے جو جنکو اللہ تعالیٰ نے معذور نہیں کہا۔ قول ہم یہ کہ معذور وہ اصل معذروں تھا تا کہ وہ ان میں ادغام کر دیا تو اللہ تعالیٰ
 ہوا اور معذورہ شخص جسکو یہی عذر پس آیت میں یہ بیان ہے کہ جو لوگ سے عذر لائے تھے وہ اجازت حاصل کرنے کیلئے اپنا عذر بیان کرنے آئے اور اللہ تعالیٰ

اس کے رسول سے منہ نہیں چھپایا اور نہ بے پروائی سے بیٹھ رہے بخلاف جو نے منافقوں کے کہ وہ عذر کرنے نہیں آئے۔ یہی پر دلالت کرتی ہے قرآن ابن عباس
 کہ معذون تخفیف قال معجزا عذری بابا فقال پر سہا یعنی عذر کو اپنی حد تک پہنچایا یعنی عذر میں معذون سے تھے۔ ابن کثیر نے لکھا کہ ابن عباس
 فرماتے تھے کہ یہ اہل عذر کا بیان ہے اور کہا کہ آیت کے معنی میں ہی قول اظہر ہے۔ شحاس نے اس پر اعتراض کیا کہ مراد اس روایت کا کتب پر ہے اور وہ منیف
 ہیں جو اب یہ کہ حدیث کی روایت میں کلبی ۱۲۷۲ مکر تفسیر کی روایت میں اگر ان کی روایت کا شاہد یا مشاہیح موجود ہوتا منبر ہو جیسا کہ میزان الماحذیل
 وغیر میں مخصوص ہے اور بیان باسناد جید حضرت مجاہد سے بھی مثل قول ابن عباس مروی ہے کہ ذکر الخاطیہ ایضا اس تفسیر مقبول ہوئی اور شیخ
 حافظ نے کہا کہ کلام ما بعد یعنی قوله وقد الذین کذبوا اللہ ورسوله ارجیٰ پر دلالت کرتا ہے کہ اہل عذر کی حدت کیلئے آئے کا بیان کیا اور معذون کے
 نہ آئے پر مذمت فرمائی۔ یہی کو علماء بیان ہیں سے قرار و زجاج و ابن الانباری و اخفش و ابو عبیدہ و ابو حاتم بنوی نے کہا ہے۔ قال لینی اور عاصم نے
 عذر کرنے کو وہ لوگ تھے عذو اے تھے اعراب یعنی دیہاتیوں میں سے۔ یہی بخون اھھر تاکہ ان کے لئے ابادت دیدی جاوے یعنی ان کا وہی
 عذر سکر آنحضرت صلعم آنکے سبب نے عذر کے یہ اجازت دیدین کہ اچھا تم اپنے وطن میں ہو ساتھ نہ چلو۔ قال المسترجم مجاہد کے قول سے
 روایت کلبی پر شہادت لانا محل تامل ہے اس واسطے کہ ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی کہ ان معذون نے فرمایا کہ ان معذون اعراب سے مراد بنو غفار کے
 چند آدمی ہیں جنہوں نے اگر اعذار کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر صحیح نہ رکھا قبول نہ فرمایا۔ ایسا ہی بن بصری و قتادہ و محمد بن اسحاق کا
 قول ہے اور غایت امکان جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اول قول مجاہد کا نقل قول ابن عباس ہے اور دوسرا قول اپنی تحقیق ہے پس اس تقدیر پر قول
 مجاہد درحقیقت متابعت کلبی رو واسطے ثبوت قول خیر الامۃ و ترجمان القرآن ابن عباس ہو گا۔ فافہم اور جن یہ ہو کہ احتمال ہر دو تفسیر سبب
 اللفظ مساوی ہے کیونکہ معتذر عذر باطل و عذر صحیح دونوں طرح کے عذر واسے کہ بولتے ہیں چنانچہ عذر باطل اسے کی مثال قوله تعالیٰ
 یستذون الیکم اذ احتم الیم۔ بدلیل قوله قل لا تعتذروا۔ کیونکہ وہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عذر باطل تھا اور عذر صحیح واسے کی مثال قول شاعر
 سے من یک حولا کلا فقد اعتذرت لے فقد جار بجز صحیح یعنی ایسا عذر لایا کہ وہ معذور قرار دیا جائے اب ہا یہ کہ بقراہن دونوں معنی
 میں سے کسی کو ترجیح دیجاوے ہا تہ سبب نزول و کلام ما بعد وغیرہ کے تو بنو غفار کے چند مردانہ خفاف بن ابی رزید وغیرہ کے جن میں اگر نزول
 قرار دیا جائے اور قوله وقد الذین کذبوا۔ دوسرے منافقوں کے جن میں رکھا جائے تو معتذر بن بجز صحیح کے معنی ظاہر ہوتے ہیں و لیکن
 بعض اہل تفسیر نے کہا کہ سبب نزول اسکا بنو اسد و خطفان ہیں کہ انہوں نے منافقا نہ عذر کیا کہ ہم لوگ اہل عیال و سخت محتاجی میں ہیں۔
 بعض نے کہا کہ یہ عامر بن لعلیل ہے جس نے کہا کہ ہم اگر آپ کے ساتھ ہا ذکر میں تو قبیلہ طے کے دیہاتی ہمارے یہاں لوٹ مار کرینگے قال المسترجم
 جن کے جن میں سبب نزول رعایت کیا گیا ان کے جن میں بھی یہ امر مخصوص نہیں کہ درحقیقت سچے تھے یا بھوٹے تھے پس اللہ تعالیٰ دانائے ہر امر کی
 تیسرے نے کھانا کچھ مضر نہیں بلکہ ہر روز موت میں احکام بجا رہتے ہیں چنانچہ معلوم ہوا کہ آدمی کا نفس جس امر کو عذر سمجھے وہ عذر نہیں ہوتا جہنگ کہ شرع
 اسکو معذور نہ فرماوے ورنہ عذر میں کاذب ہو گا اور دوسری تفسیر یہ نکلا کہ عذر صحیح ہوتا ہے امام سے اجازت سے لینا چاہئے جبکہ عمر با جہاد اسپر
 لازم آجائے اگر عذر نہ ہو ماسی اسلے ہینا وی وغیرہ نے لکھا کہ قوله و جار العذرون من الاعراب۔ میں معذون سے احتمال ہے کہ عذر میں ہوتے
 مراد ہوں اور ہمال ہے کہ عذر میں ہے مراد ہوں اور بر تقدیر دوم قوله وقد الذین کذبوا اللہ ورسوله۔ دوسرے دیہاتیوں کے
 جن میں ہو گا جو منافق تھے کہ عذر کرنے نہیں آئے اسنی اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ واسکے رسول کو یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول
 پر ایمان لانے کے دعویٰ میں جو لوگ بھوٹے تھے وہ بلا عذر بیان کئے بیٹھ رہے یا منافقانہ عذر کرتے تھے وہ درحقیقت دعویٰ ایمان میں بھوٹے

رنے سے جہاد کو نہ نکلے۔ بالحدیث علی عروہ جل نے شہر مدینہ کے منافقوں کا حال بیان کیا پھر وہاں جہاد کے وقت لوگوں کا حال ذکر فرمایا پھر انکا
عذاب لہر لہ سبب الایمان کفر و ما یصلحہم عنک اب الیوم اور عنقریب ہونے کا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر و انکار کیا ہے یعنی ان دنیاویوں میں
سے منکر منافق رہے مرنے تک یا جو سوائے انکار کے کسل وغیرہ کی وجہ سے بیٹھ نہیں رہے ہیں انکو عذاب الیم یعنی دکھ کی بار پائونگے دنیا میں اس طرح کہ قتل
و خوار ہونے کے اور عاقبت میں دائمی آتش جہنم ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پے عذر والوں کو بیان کیا اور سوائے ان کے جو لوگوں کی مذمت فرمائی بقولہ
تعالیٰ۔ لیس علی الضعفاء۔ نہیں فعل ناقص جو دلالت کرتا ہے عموم نفی پر یعنی نہ تھا اور نہ ہو گا قیامت تک۔ قولہ علی الضعفاء مع معطوفات کے
منکر خبر واقع اور قولہ حرج اسکا آسم ہے اور قولہ اذا الحج متعلق بحرج ہے نہ لیس۔ اور باقی ترکیب کلام آگے مذکور ہوگی اور کلام بیان سے دور تک باہم
متصل ہوا ان سبب میں حکم بلاغت کا کہ بعض میں معترضہ وارد ہیں۔ جب یہ تنبیہ ہو چکی تو اب جاننا چاہیے کہ ضعیف جمع ضعیف جیسے بہت بڑھا آدمی
جو آمد و رفت مثال کی طاقت نہیں رکھتا اور اسید ہے کہ لڑکے و عورتیں بھی گناہ دفت ہونے کے حکم میں معذرت کے تحت میں داخل ہوں لیکن ضعیف
جبکہ نیت کا پھانوس ہے تو وہ باوجود فعل جہاد نہ کرنے کے ثواب و فضل آسمی سے حصہ پاوے گا چنانچہ آگے تخمین آوگی انشاء اللہ تعالیٰ بخلاف عورتوں کے
کہ عہد صلاحیت ہی نہیں کھتی ہیں و کا حکم اللہ تعالیٰ ہی میں مریش خواہ مرض قابل دفع ہو جیسے بخوار وغیرہ کا بیمار یا امین جیسے اپنا حج وغیرہ اور ممکن ہے کہ اپنا حج
قسم اول میں داخل ہو۔ یعنی نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر و لا علی الذین لا یجیدون صا کیف یفنون۔ اور نہ ان تندرست لوگوں پر جو وہ
چیز نہیں پاتے جسکو راہ جہاد و سامان میں خرچ کریں۔ خرچ کچھ حرج یعنی جو بندہ کہ ضعیف ہو یا بیمار ہو یا اسکو نفع جہاد نہیں ملتا ہے تو ان میں سے کسی پر
جہاد کیلئے نہ نکلنے میں کچھ حرج نہیں ہے یعنی کچھ گناہ نہیں ہے۔ ہر سہ قسم میں سے ہر ایک پر نفی مستقل فرمائی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ معذور وہی ہو گا جس میں یہ
عذر جمع ہوں اور تاکہ سب کا مساوی معذور ہونا ظاہر ہو اور حرج کے نکرہ ہونے کا فائدہ یہ کہ کچھ بھی حرج نہیں لیکن اس کے ساتھ ایک شرط فرمائی
بقولہ۔ اذ انکحوا اللہ و رسوله یعنی کچھ حرج نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول کیلئے ایام فتود میں نامحرم نہیں یعنی خیر خواہ بنوے خیر خواہی کا
کام انجام دین باہن طور کہ جیسے خیر خواہ غلام اپنے آٹا کے سامنے و پھوپھو کے بیٹی چاہتا رہتا ہے ویسے ہی یہ لوگ بھی آدمیوں کو ایمان و طاعت خیرہ
کی نصیحت کرنے نہیں اور پوشیدہ و ظاہر کیساں ہیں یا یہ معنی کہ قول و فعل سے جس طرف ان سے ممکن ہو ایسی بات کہ میں جسکا نفع اسلام و مسلمین
کی طرف عاید ہو پس ظاہر ہوا کہ بڑھا اگر لڑائی میں کوئی تندرست ہو جائے اور زبان سے نہ بتلاوے تو اسے نفع کو ترک کیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان لوگوں
سے گناہ دور کیا گیا ہے اور ان کو ممانعت نہیں چنانچہ جو معذور ان میں سے بدون حرج و مثل شرعی کے خود نیکے تو ثواب جزیل پاوے گا۔ صاعلی
المؤمنین صر سببیل۔ لے اہلہم من سبیل۔ اب لوگوں پر کوئی راہ نہیں یعنی گناہ کے بار ڈالنے کو ان پر کوئی راہ نہیں اور نہ ان کے عتاب
کئے جانے کی کوئی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چہ قادر مختار ہے جسکو چاہے عتاب کرے اور جسکو چاہے مجرم فرمادے سب اسی کی ملک و مخلوق ہیں لیکن
یہ کمال و فضل و احسان کا بیان ہے کہ ان بندوں کو ضعف بیماری خیرہ کے دکھ دے اور سے صابرین تو اس کے شکر میں انکو اپنے فضل سے کمال ملے
فرمایا اور یہ دو طرح سے ایک کہ کوئی راہ اپنی نہیں کھی اور دوم یہ کہ بجائے نصیر کے خیرین فرمایا یعنی بجائے اہلہم کے اعلیٰ المؤمنین فرما کر شرف و فضل سے سرفراز
کیا کہ نیکو خواہی قدر و سمت طاعت سے بھی بندگان حسین میں شامل ہیں۔ یہ بعض فضل الہی ہے کہ حرج کو اسے دور کیا اور نہ بندہ ہر وقت اپنے معذور و عمل کی بندگی
ہی کیواسطے ہر لہذا فرمایا۔ واللہ غفور رحیم اور اللہ غفور رحیم ہے یعنی ان معذور بندوں کی واسطے غفور رحیم ہے یا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر مغفرت و رحمت
فرماتا ہے جو خطا دار ہو جائیں تو ان بندوں معذور کو خیر اور جگہ حسین فرمایا کہ ان پر کسی عظیم مغفرت و رحمت فرماوے گا حال معنی یہ کہ جہاد کیلئے نہ جانے میں معذور
بندوں پر اللہ ضعیف و بیمار ہے اپنا حج وغیرہ کے اور بجائے معذرت بندوں کے پو گناہ امین ہے۔ و لا علی الذین اور نہ ان بندوں پر کہ جن کے ساتھ یوں

معاملہ پیش آیا کہ اذاما اتواک حجب تیرے پاس آئے پھر لکھتے تھے تاکہ تو ان کو سزا کر دے یعنی ان کے واسطے سزا ہی کا سامان کر دے۔ قلت
لا اجد ما اسئلکم عنہ۔ حالیکہ تو نے کہا کہ میں یہی چیز نہیں پاؤں کہ جس سے تم کو سزا دے دوں تو لو اذ اعلیٰ ہر تفسیر من الذم مع
تو پھر اس حال میں کہ انکی آنکھیں بہت تھکن آسوں سے پھر اذاما اتواک حجب تیرے پاس آئے پھر لکھتے تھے تاکہ تو ان کو سزا کر دے یعنی ان کے واسطے سزا ہی کا سامان کر دے۔ قلت
بہاؤین خیر کرین خیر ہو کہ قولہ اذاما اتواک حجب تیرے پاس آئے پھر لکھتے تھے تاکہ تو ان کو سزا کر دے یعنی ان کے واسطے سزا ہی کا سامان کر دے۔ قلت
سرت یعنی قلت ہم انی لا اجد ما اسئلکم عنہ۔ حالیکہ تو نے کہا کہ میں یہی چیز نہیں پاؤں کہ جس سے تم کو سزا دے دوں تو لو اذ اعلیٰ ہر تفسیر من الذم مع
و قولہ ان لا اجد ما اسئلکم عنہ۔ حالیکہ تو نے کہا کہ میں یہی چیز نہیں پاؤں کہ جس سے تم کو سزا دے دوں تو لو اذ اعلیٰ ہر تفسیر من الذم مع
ہر تھکن سے آسوں سے پھر اذاما اتواک حجب تیرے پاس آئے پھر لکھتے تھے تاکہ تو ان کو سزا کر دے یعنی ان کے واسطے سزا ہی کا سامان کر دے۔ قلت
یہ میں آنکھیں بہت تھکن اور گویا آنکھیں سرایا آسوں سے پھر اذاما اتواک حجب تیرے پاس آئے پھر لکھتے تھے تاکہ تو ان کو سزا کر دے یعنی ان کے واسطے سزا ہی کا سامان کر دے۔ قلت
ظاہر ہو گیا پس عذروں میں سے جو مقبول عذر ہیں کہ جنکے ہوتے ہوئے آدمی گنہگار نہ ہوگا ان میں سے بعض لازمی ہیں جیسے بڑھاپا یا بھاری صفت کہ اسکے ساتھ
جہاد کی استطاعت نہ ہو اور بعض امراض جیسے ہن کہ اچھے نہیں ہوتے اور استطاعت نہیں رہتی جیسے اندھا یا لنگرا ہونا اور بعض ایسے ہیں کہ جب تک میں تیرے تک
عذروں سے جیسے شدت بخار وغیرہ اور ایسی قبیل سے فقر و محتاجی ہو کہ اس استطاعت جاتی رہتی ہے پس جب تک نہ ہو جائے تو عذروں سے جیسے لوگ عذروں
ہیں اگرچہ زمین اور اس حالت میں مسلمانوں کی خیر خواہی کریں اور نفع کو مقدم رکھیں تو یہ عین میں داخل ہونگے اور ابو نامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں نے پوچھا کہ یا حضرت ہر گز نہ مانع بتلا دیجئے فرمایا کہ وہ شخص لہذا صیح ہے جو حق آتی کہ لوگوں کے حقوق پر مقدم رکھا اور جب تک کام
ایکے نیا کا اور ایک آخرت کا اسکو پیش آئے تو پہلے آخرت کا کام کرے پھر دنیا کے کام پر متوجہ ہو۔ اذاعلیٰ نے کہا کہ بلال بن سہیب ساتھ لوگ استقامت کیلئے نکلے
پس بلال نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بدی کا قرار کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ان ہم سب مقررین کہ ہم خطا دار ہیں پس بلال نے دعا مانگی کہ اے
پروردگار ہمارے تو اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ اعلیٰ لعنہم من سبیل اور ہم سب اپنی خطا واری کا قرار کرتے ہیں سو ہمارے بخشیدے اور ہم پر رحم فرما اور ہم پر پانی
برسائے۔ لوگوں نے بھی ان کے ساتھ ہاتھ اٹھائے امین کی پس اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی برسایا۔ ابن ابی عاتق نے ہاساد حسن بنید بن ثابت سے روایت
کی کہ میں نے لکھا کرتا تھا پس میں سورۃ براءۃ لکھتا تھا سو قلم میرے کان میں تھا کہ ہم کو قتال کا حکم دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے کہ اتنے میں عبد اللہ
بن ام مکتوم جو اندھے تھے حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں کیا کروں تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ایس علی الضمیر ولا علی الرئی الخ اور ابن عباس سے
سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عام دیدیا کہ سب لوگ میرے ساتھ بتوک کے جہاد میں چلیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ٹکڑا آیا جنہیں
عبداللہ بن منفل بن مقرن الرئی بھی تھے اور مجاہد نے کہا کہ اے سات آدمی انصاری تھے اور محمد بن اسحاق نے کہا کہ سات انصار وغیرہ میں سالم بن عبد اللہ
یا بن عوف اور علیہ بن زید و عبد الرحمن بن کعب و عمرو بن اللہام و عبد اللہ بن منفل و ذری بن عبد اللہ و عیاض بن ساریہ تھے اور بعض نے بعض کی
جگہ بعض دیگر کا نام لیا یا بجلہ ان ساتوں نے اگر درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہم کو کسی طرح سواری عطا کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ واللہ مجھے کوئی چیز نہیں
ملی جس سے تمکو سواری کروں تو یہ لوگ بہت عکاس ہو کر رہے ہوئے اور ان پر شاق تھا کہ جہاد سے باز رہیں اور سواری و لفظہ اُنکے پاس تھا پس اللہ
عزوجل نے انکی حرص قبول فرما کر انکو عذروں سے اذاعلیٰ ہر تفسیر من الذم مع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت ہے اسکی معنی یہ ہیں کہ اے لوگو
تم نے مدینہ میں ایسے لوگ چھوڑے ہیں کہ تم کوئی دادی نہیں ملے کرتے اور کوئی راہ نہیں چلتے مگر وہ تمہارے ساتھ ہیں صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ
اور میں نے مدینہ میں فرمایا کہ بان یہ وہ لوگ ہیں جنکو عذروں سے اذاعلیٰ ہر تفسیر من الذم مع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت ہے اسکی معنی یہ ہیں کہ اے لوگو

Marfat.com

تم کو ملتا ہو ویسا ہی نگو بھی ملتا ہو اور ایک حدیث صحیح میں ثابت ہو کہ لوگوں کو فرمایا کہ جو تم میں ضغافہ ہیں تم کو انہیں کی برکت سے ازیق ملتا ہو حاصل ہر کما
 خلوص صدق نیت ہو اگرچہ کام کی استطاعت حاصل نہ ہو اور بعض احادیث میں ثابت ہو کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہو اور صحیح حدیث میں ثابت
 ہو کہ جو صدق دل سے جہاد کا قصد رکھے وہ ثواب پاویگا اگرچہ اپنے بستر پر مرے فانیم اور واضح ہو کہ جن لوگوں نے سواری مانگی تھی ان کے بارہ میں ایسا ہی
 بن دہم و حسن بن صالح وغیرہم سے روایت ہو کہ ان لوگوں نے جانور سواری نہیں مانگے تھے بلکہ جو تیان چاہی تھیں کیونکہ شدت طیش سے پاؤں
 میں آبلہ پڑتے تھے آدمی چل نہیں سکتا تھا پہلی نکار دنا ان کے صدق دل کا شاہد ہو پہل اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان سب کو مسزور فرمایا اور انہیں
 میں داخل کیا پھر ان لوگوں کو بیان کیا جو منافقانہ جھوٹے عند کرتے تھے بقولہ تعالیٰ - اِنَّمَّا السَّيِّئَاتِیَ لَیْسَ لَہَا ثَوَابٌ وَّ لَیْسَ لَہَا عِزٌّ وَّ لَیْسَ لَہَا نَصِیْرٌ
 بعض کتب میں لکھا ہے کہ اس کوئی مانع نہیں ہو کہ جھوٹے ہو اور سبیل سے مقصود راہ مواخذہ و عقوبت سے۔ علی
 اَلَّذِیْنَ یَسْتَأْذِنُوْنَکَ وَ یَقُولُ لَیْسَ لَہَا عِزٌّ وَّ لَیْسَ لَہَا نَصِیْرٌ اِنَّہُمْ لَیْسَ لَہَا عِزٌّ وَّ لَیْسَ لَہَا نَصِیْرٌ اِنَّہُمْ لَیْسَ لَہَا عِزٌّ وَّ لَیْسَ لَہَا نَصِیْرٌ اِنَّہُمْ لَیْسَ لَہَا عِزٌّ وَّ لَیْسَ لَہَا نَصِیْرٌ
 ہے تو اگرچہ سواری زاد راہ ان کے پاس موجود ہو اور کسی عند واقسی سے مسزور نہیں ہیں حال آنکہ تخلص کا گناہ و عذاب بغیر احوال مذکورہ سابقہ
 کے سمجھ کر لوگوں پر ثابت ہو پھر اللہ تعالیٰ نے بطور حلیہ مستانہ کے ان کے بغیر عذر اجازت مانگنے و بچھڑنے کے سبب کے طور پر فرمایا اِنَّہُمْ لَیْسَ لَہَا عِزٌّ وَّ لَیْسَ لَہَا نَصِیْرٌ
 مع الحوائج۔ رضی ہو بیٹھے اس بات پر کہ خوالف کے ساتھ رہیں۔ خوالف جسے خالفہ یعنی عورت جو مردوں کے دیکھے گئے ہیں رہ جاتی ہو حاصل ہر کما
 انکی اجازت بے عذر مانگنے کا سبب یہ کہ تن پروری دن آسانی کو پسند کر کے کینہ بن پر رضی ہو کر عورتوں کے ساتھ ہونا پسند کیا و طبع اللہ
 علی اقلوبہم اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ہر کردی پس اپنی بد انجامی سے غافل ہوئے فہم حکم لعلہم انہم۔ پس وہ جانتے نہیں کہ
 اس میں کیا خرابی و بد انجامی ہو واضح ہو کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں ہے کہ جو بغیر عذر شرعی اجازت مانگتے تھے اور بات یہ تھی کہ آنحضرت مسلم
 نے جب بتوک کے جانے میں عموماً سب مسلمانوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور وقت پر روانہ ہوئے تو جو مومنین اور بعض منافقین ساتھ گئے
 پس مومنین تو تصدیق و ایمان کی راہ سے اور منافقین ظاہری ریا کاری و خوف نیادی سے اور راہ میں مقام بتوک میں جو آیات دربارہ قبائح
 و ذمائم منافقین کے نازل ہوئیں انکا حال مفصل اوپر گزرا اور مدینہ میں پانچ قسم کے لوگ باقی رہے ایک عورتیں بچے و ان کے ماٹا اور دو کم
 وہ مومنین جنکو سواری نہیں ملی اور سو کر بیٹھ رہے اور سوم وہ مومنین جو باوجود تصدیق و ایمان کے اتفاق سے سبب عدم مساعدت مشیت الہی کے جانیسے
 رہ گئے اور اپنے حال پر افسوسناک دنگین تھے۔ چہاں منافقین جنہوں نے جھوٹے ہمانے کر کے اجازت لی باوجودیکہ انکو سب طرح قدرت تھی پیغم دو
 منافقین جو بڑے عذاب و بڑے اجازت کے رہ گئے اور منافقین عموماً اپنے تخلص سے خوش تھے پس بتوک میں برابر قرآن مجید نازل ہوا و قبائح منافقین
 کے بیان میں نازل ہوتا ہوا ایمان تک کہ بطور خبر غیب کے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ جب مدینہ پہنچو گے تو منافقین عند کرنے آویں گے۔

الحمد لله والمنہ کہ پارہ دسواں تمام ہو اور گیارہواں پارہ قولہ تعالیٰ یعتزرون الیکم سے انشاء اللہ تعالیٰ

شروع ہوتا ہے۔ وبتو الحمد والمنة اولاً و آخراً والحمد للرب العالمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَذَا كِتَابٌ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ

یہ ہمارا دفتر ہے، بولتا ہے تمہارے کام ٹھیک (الجاہلیہ)

اُرْدُو زبان میں قرآن پاک کی ضخیم ترین مُستند تفسیر

مولانا محمد امین

سُخْرِ الْعُلُومِ عَلَّامِ سَيِّدِ امیر علی ملیح آبادی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

۵۱۳۳۴
۶۱۹۱۹

۵۱۲۴۲
۶۱۸۵۸

پارہ ۱۰ ○

مکتبہ رشیدیہ ملتان

۳۲-۱ سے شاہ عالم مارکیٹ - لاہور